﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾

تاریخ اصلاح و تربیت

(جلد دوم)

جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم یعنی خیر القرون کی نمائندہ شخصیات کا تذکرہ ہے، جو آفتاب رسالت کے صحبت یافتہ اور فیض یافتہ درخشاں ستارے اور صدق و یقین، ایمان و عزیمت اور اصلاح و تربیت کے مرد میدان تھے، جنھوں نے اپنے نور باطن اور تعلیم و تزکیہ سے خلق کثیر کو مستفید کر کے ائمہ حق کی ایک جماعت تیار کر دی، جن کے فیضان علم و معرفت سے سیرابی آج بھی جاری و ساری ہے۔

سید محمود حسن حسنی ندوی

ناشر

سید احمد شہید اکیڈمی

دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

طبع اول

جمادیٰ الاولیٰ ۱۴۴۱ھ - جنوری ۲۰۲۰ء

سید احمد شہید اکیڈمی

دار عرفات تکیہ کلاں رائے بریلی

کتاب	:	تاریخ اصلاح وتربیت (جلد دوم)
مصنف	:	سید محمود حسن حسنی ندوی
صفحات	:	۵۶۸
تعداد	:	۱۰۰۰ (ایک ہزار)
کمپوزنگ	:	محمد اسحٰق ندوی

ملنے کے پتے:

☆ ابراہیم بک ڈپو، مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی

☆ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء،

☆ مکتبہ اسلام، گوئن روڈ، لکھنؤ

☆ مکتبۃ الشباب العلمیۃ، ندوہ روڈ لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

نذر و پیشکش ۱۹

مقدمہ ۱۲

پیش لفظ ۳۱

عرض مصنف ۵۹

حرفِ آغاز ۶۵

محمدی درس گاہ کے پروردہ و تربیت یافتہ ۶۷

مقام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

آیات مبارکہ ۷۷

احادیث مبارکہ ۸۲

اسوۂ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ۹۷

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ

نام و نسب ۱۰۱

امتیازی صفت ۱۰۱

حلیہ ۱۰۲

اسلام لانے میں سبقت ۱۰۳

اللہ اور رسول کی محبت کو خاندانی محبت پر ترجیح ۱۰۳

اخلاق و محاسن ۱۰۶

فنائیت وتواضع ۱۰۷
مردِ امین ۱۰۷
وفات ۱۱۲

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

نام ونسب اور ولادت ۱۱۵
فضائل ومناقب ۱۱۶
ہجرت، مواخات، کاروبار اور نکاح کا واقعہ ۱۱۶
حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی خاص دعا ۱۱۸
ملی ودینی مہمات میں ان کا کردار اور مشورے ۱۱۸
وفات ۱۲۵
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور اس کی برکات ۱۲۶

حضرت طلحہ بن عبید اللہ القرشی رضی اللہ عنہ

نام ونسب اور مقام ومرتبہ ۱۲۸
جہاد میں آپ کا فدائیانہ کردار ۱۲۹
موقف سے رجوع اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے سلسلہ میں تجدید بیعت ۱۳۳
حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا امتیازی وصف ۱۳۵
حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی بعض خصوصیات ۱۳۷
کرامت ۱۳۸

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ

نام ونسب اور مقام ومرتبہ ۱۳۹
حواری کا خطاب ۱۴۰
دوسری فضیلتیں ۱۴۱

حلیہ ۱۴۳
زہد وسخاوت ۱۴۳
شجاعت وجوانمردی ۱۴۴
شہادت ۱۴۶
حضرت زبیر بن العوام کا ترکہ اور صاحبزادے ۱۴۹

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ

نام ونسب اور خاندان ۱۵۱
حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے دوہرا رشتہ ۱۵۱
حضرت سعیدؓ کے والد زید بن عمرو بن نفیل کا مقام اور ان کی اصلاحی خدمات .. ۱۵۲
والد کی برکات اور ان کی نیکیوں کے اثرات ۱۵۸
مقام ومرتبہ ۱۵۹
کرامت ۱۶۰
اخفائے حال اور تواضع ۱۶۱
وفات ۱۶۲

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

نام ونسب اور خاندان نبوت سے اشتراک ۱۶۳
امتیازات وخصوصیات ۱۶۴
زہد واستغنا ۱۶۶
تعلق مع اللہ اور صبر وتسلیم ورضا ۱۶۷
اکرام مسلم ۱۶۸
دعاؤں میں غلو پر تنقید اور جامع دعائیں اختیار کرنے کی تاکید ۱۶۸
ذکر ودعا کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اعرابی کو تعلیم ۱۷۰

قبولیت دعا کے واقعات ۱۷۰
کارنامے ۱۷۳
ایک دعوتی پیغام ۱۷۳
وفات ۱۷۵

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

نام ونسب اور مقام ومرتبہ ۱۷۷
خشیت وانابت اور اخفائے حال ۱۸۵
ذکر وفکر ۱۸۶
امتیاز وخصوصیت ۱۸۸
خلافت نبوت کے کام ۱۹۰

حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ

صاحب دل شخصیت ۱۹۲
اسلام لانے کا واقعہ اور سبقت وفضیلت ۱۹۳
آخرت میں انعامات کی بشارت ۱۹۹
قدر ومنزلت اور انکار ذات ۲۰۱
قریش کا تحقیر آمیز سلوک اور اللہ کی طرف سے اعزاز وتکریم ۲۰۲
مؤاخات ۲۰۵
شرف وسعادت ۲۰۵
ذات نبوی سے تعلق وفدائیت ۲۰۶
جنت کی بشارت ۲۰۸
جہاد کا شوق اور شام کا قیام ۲۰۹
ابدال امت ۲۰۹

وفات ۲۱۲
امتیازی اوصاف وخصوصیات ۲۱۲

حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ

مختصر حالات ۲۱۳
مرتدین کی سرکوبی اور مدعی نبوت مسیلمہ کذاب ۲۱۵
امتیازی وصف ۲۱۹
سب سے عظیم اور لازوال کارنامہ عقیدۂ ختم نبوت کے لیے جنگ اور فتح ۲۲۰
حضرت خالد بن الولیدؓ کی معزولی اور ان کے بے نفسی ۲۲۱
حضرت خالدؓ کی استقامت اور اطاعت وانقیاد ایک تجزیاتی مطالعہ ۲۲۳

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ

جمع قرآن کی خدمت کی عظیم سعادت اور چند بشارتیں ۲۲۹
علمی ودینی مرتبہ ومقام ۲۳۰
خلفاء راشدین کی طرف سے لحاظ وتکریم ۲۳۰
تعلیم قرآنِ کریم ۲۳۲
تراویح ۲۳۳
بیس رکعت تراویح ۲۳۷
وفات ۲۳۸

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

شخصیت ۲۳۹
خدمت وصحبت اور اتباع سنت ۲۴۰
مقام ومرتبہ ۲۴۲
خوف آخرت ۲۴۵

اقوال وملفوظات ۲۴۵
قرآن مجید سے شغف ۲۴۶
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتماد ۲۴۶
نسبت اتحادی کا ظہور ۲۴۷
شجاعت و بہادری کا ایک یادگار واقعہ ۲۴۷
وفات ۲۴۸

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ

شخصیت ۲۴۹
نام ونسب ۲۴۹
قبول اسلام ۲۴۹
تجارت سے عبادت کی طرف ۲۵۰
علم وحکمت ۲۵۱
خصوصیات وصفات ۲۵۴
حکیمانہ اقوال ۲۵۵
ذوق عبادت ۲۵۷
وفات ۲۵۹

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

نام ونسب اور مقام ومرتبہ ۲۶۰
قبول اسلام کا واقعہ ۲۶۰
امتیازات وخصوصیات ۲۶۳
سلامت طبع ۲۶۴

زہد واستغناء ۲۶۵
صدق وعدل ۲۶۵
وفات ۲۶۵

حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ

نام ونسب اور مقام وشخصیت ۲۶۷
حدیث پر عمل اور اتباع سنت ۲۶۸
عشق رسول ﷺ ۲۶۹
رسول اللہ ﷺ کی دلداری اور عزت افزائی ۲۷۰
وفات ۲۷۰

حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ

شخصیت ۲۷۱
قربانیاں ۲۷۱
جہاد کا شوق اور ایک کھلی کرامت کا ظہور ۲۷۵
چند نمایاں اور اہم خصوصیات ۲۷۶

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ

نسب ۲۸۱
مقام وشخصیت ۲۸۱
علمی ودینی حیثیت ۲۸۳
نقابت ۲۸۴
بیعت سلوک واجازت تعلیم وتلقین ۲۹۲
جہاد ۲۹۶

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ

امتیازی مقام وخصوصیت ۲۹۹
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ سے بدر میں شریک نہ ہونا ۳۰۴
فتوحات اور گورنری ۳۰۵
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہم نوائی ۳۰۵
وفات ۳۰۶
ایک عجیب ایمان افروز واقعہ اور کھلی کرامت ۳۰۶

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ

شخصیت ۳۱۱
خاندان اور افراد خاندان ۳۱۱
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صبر کی تلقین اور دعاء ۳۱۲
غزوات اور جنگی مہمات میں شرکت اور قربانیاں ۳۱۳
شہادت ۳۱۴
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں ۳۱۵

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

نام ونسب، ابتدائی حالات اور تلاش حق میں مجاہدہ ۳۲۱
قبول اسلام کا واقعہ ۳۲۴
غلامی سے آزادی ۳۲۵
مجمع الکمالات ہستی ۳۲۷
رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ تعلق، دین کی روح ۳۲۹
فکر آخرت ۳۳۱

معذوروں کے ساتھ برتاؤ ۳۳۲
زہد وقناعت کی اعلیٰ مثال ۳۳۳
جنگی فنون میں مہارت اور شوق جہاد ۳۳۳
وفات ۳۳۵

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ

شخصیت وکمالات ۳۳۶
مبارک تاجر ۳۳۸
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی شفقت ۳۳۹
خصوصیات ۳۴۰

حضرت عمرو بن العاص السہمی رضی اللہ عنہ

نسب وخاندان ۳۴۱
مقام اور شخصیت ۳۴۱
حبشہ کا سفر اور نجاشی کی دعوت ایمان ۳۴۲
بارگاہ رسالت میں حاضری اور ہجرت ۳۴۳
بیعت اسلام واحسان ۳۴۴
جنگوں میں قائدانہ کردار ۳۴۶
فصاحت وبلاغت ۳۴۸
ملفوظات ومناجات ۳۴۹
امام ذہبی کا خراج عقیدت ۳۵۱
وفات ۳۵۲
صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ۳۵۳
عظیم شرف ۳۵۳

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ

شخصیت وامتیاز ۳۵۷
یہودیت سے اسلام میں ۳۶۰
فنائیت اور تواضع ۳۶۳
صاحبزادہ گرامی ۳۶۴

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

نام ونسب ۳۶۵
مقام وشخصیت ۳۶۵
ماہر علم فرائض ۳۶۷
علم قضا ۳۶۸
نیابت وخلافت ۳۶۸
رسوخ علم ۳۶۹
جلالت شان ۳۶۹
وفات ۳۷۰
جمع قرآن کی خدمت، کتابت وحی اور اس میں حضرت زید بن ثابت کا حصہ .. ۳۷۰

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ

شخصیت اور نام ونسب ۳۷۵
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فدائیانہ تعلق ۳۷۶
معذوری اور تسلیم ورضا ۳۷۸
ورع واحتیاط ۳۷۸
مشاجرات میں غیر جانب داری ۳۷۹

مقام عزّ وشرف اور تواضع وفنائیت ۳۷۹
وفات ۳۸۱

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ

عظیم سعادت ۳۸۲
اپنائیت اور فدائیت ۳۸۳
ضیافت کے اسباب، مدت قیام اور ایثار ومحبت ۳۸۵
مسجد نبوی کی تعمیر ۳۸۷
رہائشی مکانات کی تعمیر اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منتقلی ۳۸۸
جائے ہجرت کے نام کی تبدیلی اور انصار ومہاجرین کے درمیان مؤاخات ... ۳۸۸
شوق شہادت وجذبۂ اعلاء کلمۃ اللہ ۳۸۹
غزوۂ روم میں شرکت اور یورپ کی فتح کی کوشش ۳۸۹
فتح قسطنطنیہ کے لیے متعدد کوششیں ۳۹۱
حدیث کی عظیم پیشین گوئی کا وقوع اور قسطنطنیہ کی فتح ۳۹۳
حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی کرامت کا ظہور ۳۹۴
وفات ۳۹۶
ملفوظات اور مروی احادیث ۳۹۶

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

خاندان اور مقام ۳۹۸
علم حدیث کے امام ۳۹۹
ذوقِ ذکر وعبادت ۴۰۰
خشیت الٰہی اور خوف آخرت ۴۰۲

حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ۴۰۳
محنت کش زندگی کا اثر اور صحبت نبوی کی برکات ۴۰۳
کرامت ۴۰۵
فقاہت ۴۰۶
مراقبہ آخرت اور سفر آخرت ۴۰۷

امیر المومنین حضرت معاویہ بن ابی سفیان اموی قرشیؓ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کتابت کا شرف ۴۱۱
دعائے نبوی ۴۱۲
حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی رائے ۴۱۵
زمانہ حکومت واقتدار اور اس کی خصوصیات ۴۱۶
چند نمایاں اوصاف ۴۱۸
کچھ حضرت معاویہؓ کے متعلق ۴۱۸
وفات ۴۲۶

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

ولادت وتحنیک ۴۲۸
والد ماجد حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ۴۲۹
اولاد واخلاف ۴۳۰
وفات ۴۳۰
دربار نبوت میں تعلیم وتربیت ۴۳۰
علمی مقام ومرتبہ اور مرجعیت ۴۳۱
حضرت جبرئیل علیہ السلام کی زیارت ۴۳۵

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تعلق ۴۳۵
بعض اکابر صحابہ کے ارشادات ۴۳۸
کبار تابعین اور تلامذہ کا اعتراف ۴۳۹
اخلاق ۴۴۱
وصایا وملفوظات ۴۴۴

امیر المؤمنین حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ

مقام وشخصیت ۴۴۷
ملی غیرت اور دینی حمیت ۴۴۸
کعبۂ مقدسہ کی تعمیر نو (۶۵ھ) ۴۵۵
حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ کا تحفظ ختم نبوت کے لیے ایک لازوال کارنامہ ۴۵۷
آخری محاصرہ (۷۲ھ-۷۳ھ) ۴۶۰
والدہ ماجدہؓ کی صبر واستقامت کی وصیت ۴۶۱
شہادت ۴۶۶
عبدالملک بن مروان کے نزدیک حضرت عبداللہ بن الزبیر کا مقام ۴۶۷
امام جلال الدین سیوطی کا اظہار حقیقت ۴۶۸
حجاج کی بدسلوکی اور حضرت اسماء کا جواب ۴۶۹
تدفین ۴۷۰
حجاج عوام کی عدالت میں ۴۷۱
فضائل ومناقب ۴۷۳
تحنیک (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ریق مبارک پہلی غذا) ۴۷۳
ایک اور عظیم شرف وسعادت ۴۷۴

بیعت برکت ۴۷۷
خطابت ۴۷۹
ملفوظات وہدایات ۴۸۰
عبادات سے شغف ۴۸۱
حضرت حسینؓ اور حضرت ابن الزبیرؓ کے واقعہ میں مماثلت ۴۸۵

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

نام ونسب اور تعلیم وتربیت ۴۸۶
بیعت اسلام واحسان ۴۸۷
تواضع ۴۸۸
جہاد ۴۸۸
سنتوں کا احیاء واتباع اور ذوق عبادت اور نبوی آثار کے باقی رکھنے کی فکر ۴۸۸
ایک حسرت ۴۹۱
سادگی وتواضع اور شانِ عبدیت ۴۹۲
ایثار کا ایک غیر معمولی واقعہ ۴۹۴
سوز وعشق اور درد ومحبت ۴۹۵
احترام انسانیت ۴۹۷
حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے فضل وکمال کا اعتراف ۴۹۹
عبدالملک بن مروان کی خلافت کو تسلیم کر لینا ۵۰۰
حق گوئی ۵۰۱
صفات وخصوصیات ۵۰۲
مسلک ومشرب ۵۰۴

بعض خاص اعمال ۵۰۶
اولاد ۵۰۸
تلامذہ ومسترشدین ۵۰۹
وفات ۵۰۹

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

نبوی اور خاندانی نسبت ۵۱۰
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ کے گھرانہ کے ساتھ خصوصی معاملہ ۵۱۱
دعائے نبوی کے معجزانہ اثرات ۵۱۲
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت ومزاح ۵۱۳
دربار نبوت سے خصوصی استفادہ ۵۱۴
ایک بڑا شرف اور شفاعت کا وعدہ ۵۱۹
حدیث بیان کرنے میں احتیاط ۵۲۰
زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۵۲۱
نماز ۵۲۱
صحابہ وتابعین کا مقام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی وبشارت ۵۲۲
ایک آزمائش اور اس کا ازالہ ۵۲۴
خلفاء اور تلامذہ ۵۲۵

تذکرۂ صحابیات

صحابیات کا مقام ۵۲۷

حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا

دوسری پھوپھیاں ۵۳۳

حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا ۵۳۴
حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا ۵۳۶
حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا ۵۳۹
حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہا ۵۴۳
حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا ۵۴۶
حضرت زینب بنت مظعون رضی اللہ عنہا ۵۴۹
حضرت لبابہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا ۵۵۲
حضرت خنساء رضی اللہ عنہا ۵۵۳
حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ۵۵۵
حضرت اسماء بنت یزید السکن رضی اللہ عنہا ۵۵۶
حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا ۵۵۷
حضرت ام سلیم بنت ملحان رضی اللہ عنہا ۵۵۸
حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا ۵۶۱
حضرت ام ایمن (الحبشیہ) رضی اللہ عنہا ۵۶۲
حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا ۵۶۴
حضرت ہند بنت عتبہؓ ۵۶۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نذر و پیشکش

حامداً و مصلیاً و مسلماً و بعد!

ہر اس شخص کے نام جس کا عقیدہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں اور اس وقت تک ایمان مکمل نہیں ہوسکتا، جب تک اپنے اور اپنے ماں باپ، گھر بار، آل و اولاد، مال و متاع اور سب ہی لوگوں سے زیادہ محبت آنحضور ﷺ سے نہ ہو جائے اور اس کی کوشش ہر امتی کا فریضہ ہے۔

اور یہ کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے فرق مراتب کے ساتھ آنحضور ﷺ سے نور نبوت اور علم نبوت کو اخذ کرنے والے اور آپ کی لائی ہوئی شریعت کو نافذ کرنے والے تھے، اور اس میں انہوں نے کتمان سے کام نہیں لیا۔ اور یہ کہ ان سے محبت اور ان کی عظمت آنحضور ﷺ کی محبت کی علامت اور اس کا مظہر ہے۔ رضوان الله تعالیٰ علیهم أجمعین.

والدین ماجدین رحمہما اللہ، سبھی افراد خاندان و احباب و اقارب، آباء و امہات، سبھی محسنین و معاونین و جملہ اہل حقوق اور مشائخ اساتذہ اور تمام ناشرین علوم نبوت اور خادمین دین و ملت کے نام کہ "رب اغفر لی ولوالدي ولكل من له علي حق"

پھوپھی صاحبہ مرحومہ سیدہ طاہرہ حسنی کے نام جنہوں نے مختصر علالت کے بعد

اتوار ۲۵/ذی قعدہ ۱۴۴۰ھ کو وفات پائی۔ رحمها الله رحمة واسعة وغفر لها مغفرة تامة ،أدخلها فی جنات النعیم.

اور اپنی جماعت کے جواں مرگ لعل شب چراغ، عزیز القدر والقلب مولوی سید محمد غفران ندوی (نواسہ عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی قدس سرہ) کے نام، جن کا اس کتاب کی مراجعت میں گرانقدر حصہ رہا، افسوس کہ شب دوشنبہ ۲۷/ربیع الاول ۱۴۴۱ھ کو ۳۵/سال کی عمر میں ایک حادثہ میں شہادت پائی۔ اللهم اغفر له وارحمه وأدخله فی العلیین واحشره مع النبیین والصدیقین والشهداء والصالحین، وحسن أولئك رفیقا.

وصلِّ اللّٰهم علی خیر خلقه وأحبِّ عباده وخاتم أنبیاء ه وأشرف رسله محمد الصادق الأمین وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً، عن جمیع الصحابة وأهل بیت الرسول، واعف عنا وعن جمیع المسلمین یا أرحم الراحمین، وتقبل منا وتب علینا، انك أنت التواب الرحیم.

محمود حسن حسنی ندوی

۲۸/ربیع الاول ۱۴۴۱ھ

بین العصر والمغرب

دائرۂ حضرت شاہ علم اللہ، تکیہ کلاں (رائے بریلی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی
(ناظم ندوۃ العلماء۔لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ)

الحمدلله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين سيدنا محمد، وعلى آله وصحبه أجمعين وبعد

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں، آپ کے اس مقام وعظمت کو عظیم تر نبی کی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے، لیکن اسی ضمن میں آپ کی دو خصوصیتیں خصوصی اہمیت بھی رکھتی ہیں، ایک تو یہ کہ آپ کو خاتم النبیین بنایا گیا جس کا اعلان قرآن مجید میں بھی کیا گیا:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ﴾ (الأحزاب: ٤٠) (محمد ﷺ تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں، البتہ وہ اللہ کے رسول اور نبیوں پر مہر ہیں)

اس کا مطلب یہ ہے کہ خاتم النبیین کے تحت آپ کو نبوت کا ایک اہم ترین اور عظیم دور دیا گیا جو قیامت تک قائم رکھا گیا اور اسی کے ساتھ معیاری اور قیامت تک ناقابل تغیر رکھا گیا اور آپ کی نبوت کو ناقابل تبدیل کیا گیا، اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسی علیہ السلام تک نبیوں اور رسولوں

کی جو آمد رہی، اس میں اللہ کی عطا کردہ شریعت اور احکام وقت اور وقت کی امتوں کے حالات کی رعایت بھی ہوتی رہی، انسان جیسے جیسے زندگی کے تقاضوں سے گذرا، اس کی رعایت کی گئی، حضرت عیسی علیہ السلام کی آمد سے ایک عرصہ پہلے انسانوں نے نبیوں کے ساتھ جو ظلم واستہزاء کا معاملہ کیا وہ اللہ کی ناراضی کی بڑی سزا کا حامل ہوسکتا تھا، جس کا کم سے کم یہ اثر ہوا تھا کہ نبیوں کی بعثت بند کردی گئی اور اسی میں چھ سو سال کا عرصہ گذر گیا، لیکن پھر اللہ کی رحمت وحکمت کے اثر سے اس کو نئی شکل دی گئی، ایک طرف نبوت آپ پر ختم ہوگئی، دوسری طرف اس کو مکمل حیثیت دے کر تا قیامت اس کو قائم ودائم کردیا گیا۔

چنانچہ اللہ نے مکمل حیثیت کا اور قائم ودائم مقام کا نبی طے فرمادیا کہ اب نبی تو دیا جا رہا ہے، لیکن یہ تا قیامت قائم رہنے والی شریعت کا نبی ہے اور اس کے ذریعہ شریعت کے جو احکام دیے گئے، وہ قائم رہیں گے، بدلیں گے نہیں، اس کی محافظ اللہ کی کتاب دائم وقائم رہتے ہوئے نگراں رہے گی اور حضور ﷺ کا عمل خاتم النبیین (نبی خاتم) ہونے کی وجہ سے اپنے اعمال واحوال کے ذریعہ سے اس کے لیے نگراں رہے گا، اس طرح آپ کو انسانی سطح پر اور قرآن مجید کو علمی سطح پر قائم دائم نگراں بنایا گیا، جس میں تغیر کی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی اور عملی لحاظ سے حضور ﷺ کے اعمال واحوال حدیث وسنت کے عنوان سے طے کردیے گئے اور آپ ﷺ کے طریقہ کو اسوہ حسنہ قرار دیا گیا، اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيراً﴾ (الأحزاب: ۲۱) (یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول ﷺ میں بہترین نمونہ موجود ہے اس کے لیے جو اللہ اور آخرت کے دن پر امید رکھتا ہو اور اس نے اللہ کو بہت یاد کیا ہو)

اور اس کی معلومات ہم کو ان حضرات سے معلوم ہوں گی جنہوں نے آپ کو اٹھتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے دیکھا ہے اور اپنے بعد والوں کو آپ ﷺ کا طریقہ پہنچایا ہے،

فرمایا گیا:

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾

(آل عمران: ۳۱)

(آپ فرمادیجیے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو، تو مری راہ چلو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا)

اور فرمایا گیا:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا﴾

(الحشر:۷)

(اور رسول جو تمہیں دیں وہ لے لو اور جس سے روکیں اس سے باز رہو)

اور حضور ﷺ کی تعریف میں جو کلمات فرمائے گئے ان میں آپ کے اصحاب کو بھی شریک کیا گیا:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَاناً سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْراً عَظِيماً﴾

(الفتح:۲۹)

(محمد ﷺ خدا کے پیغمبر ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل (اے دیکھنے والے) تو ان کو دیکھتا ہے کہ (کثرت) سجود کے اثر سے ان کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے ہیں، ان کے یہی اوصاف توریت میں (مرقوم) ہیں اور یہی

اوصاف انجیل میں ہیں، وہ گویا ایک کھیتی ہیں جس نے (پہلے زمین سے) اپنی سوئی نکالی، پھر اس کو مضبوط کیا، پھر موٹی ہوئی اور پھر اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہوگئی اور لگی کھیتی والوں کو خوش کرنے تاکہ کافروں کا جی جلائے جو لوگ ان میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان سے خدا نے گناہوں کی بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے)

ان آیتوں سے ان اصحاب کا جو حضور ﷺ کے ساتھ رہے کام اور مقام دونوں واضح ہو جاتا ہے، اور اسی بنا پر ان حضرات کا جن کے ذمہ شریعت کی بقاء اور قائم رہنے کی جو ذمہ داری سپرد کی گئی ہے اور ان کو آپ کا رفقاء کار بھی بنایا گیا، یوں ہی سرسری چیز نہیں کہی جا سکتی، وہ آخری اور قائم دائم رہنے والی شریعت ہے اور مکمل دین ہے جس میں آگے پیچھے نہیں ہونا ہے اور بنانے والا سارے انسانوں کی طبیعتوں اور صلاحیتوں کا بنانے والا ہے اور اس نے بتایا بھی ہے جو کچھ ہوتا ہے وہ ہمارے کرنے سے ہوتا ہے، نقصان والا کام ہو یا نفع والا ہو؛

﴿وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَإِلَيْهِ تَجْأَرُونَ﴾ (النحل:۵۳) (اور تمہیں جو بھی نعمت حاصل ہے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے، پھر جب تمہیں نقصان پہنچتا ہے تو تم اسی سے فریاد کرتے ہو)

دنیا کے حالات خواہ دینی پہلو کے ہوں یا دنیاوی سلسلہ کے ہوں، اللہ تعالی کے علم و فیصلہ کے تابع رہتے ہیں اور رہیں گے، تو کیسے خاتم النبیین کا زمانہ خالی رہ سکتا تھا کہ اس کی منتقلی اور حفاظت کا کوئی خاص نظام نہ ہوتا، اللہ تعالی نے نبی کے ذریعہ سے اس کی منتقلی بلکہ بقاء کا انتظام کیا، اور صحابہ کرام کی جماعت کو آپ کی مضبوط و محفوظ نیابت کرنے کے لیے منتخب کیا؟ یہی ضرورت تھی کہ فرمایا کہ جس طرح نبی کی بعثت ہوئی آپ کے اصحاب کی بحیثیت نائب کی بعثت بھی ہوئی اور نبوت کے دائرہ میں جو مقام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوا، آپ کی نائب جماعت کا مقام اس کے دائرہ میں

نائب خاتم النبیین کا ہوا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ذمہ داری ڈالی گئی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی اس کی صلاحیت وطاقت بھی دی گئی، صحابۂ کرام کا جو ربط وتعلق حضور ﷺ سے بنا دیا گیا تھا، وہ قرآن مجید کی آیات سے بھی ظاہر ہوتا ہے، اور صحابہ کرام کی ایمانی اور دینی کیفیت اور حضور ﷺ سے خواہش والی محبت میں دیکھا جا سکتا ہے، ان میں سے ایک کا یہ کہنا کہ اپنی جان کو بچانے کے لیے حضور ﷺ کو کانٹا چبھنے کو بھی برداشت نہیں کریں گے، اور کسی کا یہ کہنا کہ ہم سے غلط کام ہو گیا، پتھروں سے مار کر ختم کر دیجیے اور پاک کر دیجیے اور اس پر اصرار کرنا، اسی طرح کسی کا کوئی غلطی ہو جانے پر اپنے کو ستون سے باندھ لینا اور نہ کھولنا کہ جب تک اللہ کا حکم معافی کا نہ آجائے گا ہم اسی طرح اپنے کو رکھیں گے، غزوۂ تبوک میں نہ جانے پر کئی کئی ہفتے کے سخت سماجی بائیکاٹ کو برداشت کرنا اور اس پر کمزوری نہ دکھانا، اس طرح کی متعدد مثالیں ہیں۔

چنانچہ جو اعتبار بلند انھیں حاصل ہوا، وہی اس دین کے تا قیامت قائم رہنے کی ضمانت ہے، اگر ہم ان کی دیانت کو اس مقام کا نہیں سمجھیں گے اور ان کو ہٹا کر سمجھنا چاہیں گے تو یہ بات زیغ وضلال کا باعث ہوگی کہ ان حضرات کے سامنے صرف دین کے احکام اور وحی اور سنت وسیرت کے پہلو ہی نہ تھے، وہ کیفیت بھی تھی جو اس موقع پر دیکھنے کو ملتی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ایمان وعمل صالح کے ساتھ ان حضرات میں الگ الگ صلاحیت واستعداد اور امتیازی صفات رکھی تھیں، ان کا بھی اثر دین کی نصرت کے کاموں میں ظاہر ہوا، اللہ تعالیٰ کا کوئی کام حکمت سے نہیں خالی، اس دین کو اب سچی اور مکمل حالت میں انجام پانے کا انحصار صحابۂ کرام کی دیانت وامانت پر یقین کرنے پر منحصر ہے، اگر اس میں ہم کوئی لغزش نکالتے ہیں، تو دین ناقص رہے گا اور اس میں غلطیاں ظاہر ہو جائیں گی حالانکہ اس دین وشریعت کو آخری اور خاتم شریعت بنایا ہے اور طرح طرح کی قوموں اور زمانوں سے گزارا ہے اور گزارے گا، اللہ تعالیٰ نے دین

کو جو خاتم بنایا، تو اس کو ایسا بنایا کہ سب کو پہنچ سکے اور سب کی ضرورت اس سے پوری ہو سکے، اور اس سلسلہ کا بنیادی مرحلہ صحابہ کرام کا مرحلہ تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل جو انبیاء آتے رہے وہ اپنے اپنے زمانہ اور وقت کے لیے تھے اور اللہ نے جو پیغام ان کے سپرد کیا وہ پیغام بندوں تک بے کم وکاست اپنے اپنے زمانہ میں پہنچاتے رہے جس کے لیے وحی آتی رہی، چوں کہ حضور ﷺ کو خاتم بنایا گیا تو آپ کی وفات سے وحی بند کردی گئی اور یہ دین بھی خاتم ہو گیا اور آیت بھی اتری:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (المائدة:۳) (آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کردی اور دین کے طور پر تمہارے لیے اسلام کو پسند کرلیا)

اس طور پر صحابہ کرام حضور ﷺ کو دیکھنے اور سننے والے آپ کے نائب تھے اور نائب کا مقام اصل کے تابع ہونے کی حیثیت سے اہم ہوتا ہے، اور یہ مقام صحابہ کا ہے۔ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ جب خلیفہ رسول اللہ منتخب ہوئے تو انہوں نے "أينقص الدين وأنا حي" کہ دین میں میرے جیتے جی کمی زیادتی ہو، یہ نہیں ہوسکتا اور اس پر سب نے ساتھ دیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا احترام نبی کی نسبت سے ہے، اور یہ ضرور ہے کہ اس میں فرق مراتب ہوتا ہے، اور ہمارے ذمہ زیادہ اونچا، کم اونچا دیکھنا نہیں رکھا گیا، نبیوں کے سلسلہ میں فرمایا گیا:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِّنْهُم مَّن كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ﴾ (البقرة:۲۵۳) (یہ وہ رسول ہیں جن میں بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دی، ان میں وہ بھی ہیں جن سے اللہ کلام فرمایا اور بعضوں کے درجات بڑھائے)

لیکن مسلمانوں سے کہا گیا کہ اپنے اس عقیدہ کا اظہار کرو کہ

﴿آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلآئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لاَ نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ وَقَالُواْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ﴾(البقرة:۲۸۵) (جو کچھ رسول پر ان کے رب کی طرف سے اتارا گیا رسول بھی اس پر ایمان لائے اور مسلمان بھی، سب کے سب اللہ پر ایمان لائے اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر، ہم اس کے رسولوں میں (ایمان کے اعتبار سے) فرق نہیں کرتے اور انہوں نے کہا ہم نے سنا اور اطاعت کی، اے ہمارے رب ہم تیری مغفرت کے طلبگار ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے)

یہی چیز منطبق ہوگی صحابہ کرام کے سلسلہ میں کہ اللہ نے جو فرق کیا ہے وہ اپنی جگہ ہے، ہم کو اس کا مکلف نہیں بنایا گیا ہے، ہم کو سب کا احترام ملحوظ رکھنا ہے اور سب سے محبت کرنی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "من أحبهم فبحبي أحبهم ومن أبغضهم فببغضي أبغضهم"

حضور ﷺ کی وفات کے بعد بھی آپ کے جو اصحاب اپنی صحابیت پر قائم رہے تھے ان کے کسی عمل کو ان کا نفسانی عمل کہنا صحیح نہیں ہے، ان کو جو ایمان حضور ﷺ سے ملا تھا، اس سے یہ ممکن نہیں تھا کہ جان بوجھ کر ایسا عمل کریں، ایسی رائے قائم کریں جو خود ان کے نزدیک سچی پکی نیت ہو اور دوسری بات یہ کہ دین کے خاتم ہونے کا تقاضہ بھی تھا کہ صحابہ کرام جو دین کو منتقل کرنے کے کام کی حامل جماعت ہے اللہ تعالی کی مشیت کے تحت تھا، جس کو اللہ تعالی کی طرف سے قیامت تک کے حالات کے لیے دین کی منتقلی کا پہلا مرحلہ بنایا، گویا اللہ نے ایسے نمونے صحابہ کرام کے ذریعہ ظاہر فرمائے کہ قیامت تک آنے والے حالات میں ان سے آدمی سبق لے سکتا ہے اور حالات میں

مدد لے سکتا ہے، اس لیے کہ اللہ نے انسان کو عقل دی ہے، سوچ میں اختلاف ہوسکتا ہے، لیکن نیت صحیح ہو تو اس سلسلہ میں بدگمانی و بدزبانی کرنا برا عمل ہے، اور اعذار کو تلاش کرنا مناسب عمل ہے۔

اللہ تعالی نے صحابہ کرام رضی اللہ اجمعین پر وانۂ رضوان عطا فرمایا ہے اور ان کی آپسی محبت اور تعلق کو "رحماء بینھم" (آپس میں رحم دل) "أذلة علی المؤمنین" (اہل ایمان پر مہربان) سے تعبیر فرمایا، صحابہؓ کی جماعت میں اکثر صفات مشترک ہیں، البتہ خصوصیت اور امتیاز میں بعض بعض سے مختلف رہے، ان میں کوئی ماہر قرآن بن کر سامنے آیا، کوئی حدیث وسنت میں ممتاز ہوا، کسی نے فقہ میں کمال پیدا کیا، کوئی مور سیاست میں ماہر ہوا، کوی عزیمت وجہاد اور باطل کی سرکوبی میں، کوئی زہد وعبادت میں، کوئی تربیت وارشاد میں، کوئی مزاج نبوت سے ہم آہنگی میں، کوئی مذاق شریعت سے واقفیت میں، کوئی احقاق حق میں جان کی آخری بازی لگا دینے اور سب کچھ قربان کردینے میں، کوئی اجتماعیت قائم رکھنے کے لیے آخری قربانی دینے میں، کوئی بے نفسی وایثار میں، کوئی جود وسخا اور فیاضی میں، کوئی حق گوئی وبے باکی میں، کوئی جرأت وشجاعت میں، کوئی امور قیادت اور طرز حکمرانی میں۔

گوطرح طرح کے انسانی تاریخ کے تابناک نمونے ان کے ذریعہ ہمارے سامنے، اس طرح آئے کہ ان سے انسانیت آج بھی پوری رہنمائی حاصل کرسکتی ہے:

﴿يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ﴾

(المائدة: ٥٤)

(جنہیں وہ چاہتا ہوگا اور جسے وہ چاہتے ہوں گے، ایمان والوں پر وہ مہربان ہوں گے اور کافروں کے مقابلہ میں وہ سخت ہوں گے، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت گر کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے)

کی مصداق جماعت جس کا شعار تھا اللہ کی سچی محبت اور اس پر ایمان اور اس کے لیے سب کچھ قربان کر دینا اور سنت سے شیفتگی اور ذات نبوی سے والہانہ تعلق۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت وتذکرہ پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور لکھا جاتا رہے گا، متقدمین نے بھی لکھا، متاخرین نے بھی نذرانۂ عقیدت پیش کیا، اس سلسلہ میں ماضی قریب میں دار المصنفین اعظم گڑھ سے بڑا وقیع کام سامنے آچکا ہے، جس میں عہد نبوی کے مختلف دور کے صحابہ کے حالات کا بڑا ذخیرہ ملتا ہے، فتح مکہ کے موقع اور بعد میں ایمان لانے والوں کی بشارت اللہ تعالی نے قرآن مجید کی ایک مختصر سورہ سورۃ النصر میں دی ہے:

﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ☆ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجاً ☆ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّاباً﴾

(النصر: ۱-۳)

(جب آچکی اللہ کی نصرت اور اس کا فیصلہ اور آپ (اے پیغمبر) لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہوتے دیکھنے لگیں تو آپ اپنے پروردگار کی تسبیح حمد کے ساتھ کیجیے اور اس سے مغفرت طلب کیجیے، بیشک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے)

یہ اللہ تعالی کی حکمت ومشیت تھی کہ کسی کو عہد نبوت کے دور اول میں، کسی کو درمیانی مدت میں، کسی کو اس کے آخری حصہ میں یہ شرف صحابیت ورفاقت عطا فرمایا اور مجموعی طور پر اس پوری جماعت کو یہ اعزاز بخشا جن اوصاف کو ایک حصہ اسی قدسی جماعت کے ایک ممتاز رکن نے یوں بیان کیا ہے: "أبر الناس قلوباً، أعمقهم علماً، وأقلهم تكلفاً"

عزیزی مولوی سید محمود حسن حسنی ندوی سلمہ اللہ نے سیرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم وسیرت خلفاء راشدین واہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کو ایک اپنے سلسلۂ تاریخ

اصلاح وتربیت کی پہلی جلد میں پیش کیا تھا، بقیہ عشرہ مبشرہ اور مختلف صلاحیتوں اور اوصاف وخصوصیات میں امتیازی شان کے حامل صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور صحابیات رضی اللہ عنہن کی سیرت کو پیش کیا ہے، اور اس طرح پیش کیا کہ یہ یقین ہو جائے کہ ہر صحابی کی زندگی اپنے اپنے طور پر مشعل راہ ہے، اور مختلف اذواق کے لوگ مختلف صحابہ کی سیرت سے اچھی رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں کہ وحی کا سلسلہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تک خاص رہا، اس کی تنفیذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے طور طریق سے ہوئی اور قیامت تک کہ آنے والے حالات میں رہنمائی کا پورا سامان ان کے ذریعہ سے دے دیا گیا، اب کہیں اور جانے اور دیکھنے کی ضرورت نہیں، گویا صحابہ کی مثال ستاروں کی ہے اور اس کی روشنی سب کو پہنچ رہی ہے۔ رضی اللہ عنهم ورضوا عنه.

ہم امید کرتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے تذکرہ کے ساتھ خاص تاریخ اصلاح وتربیت کا دوسرا حصہ سبھی کے لیے مفید ثابت ہوگا، اس پر عزیز القدر مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی کے فاضلانہ مقدمہ کے بعد کسی اضافہ کی ضرورت نہیں تھی، مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مبارک تذکرہ میں حصہ لینے کا یہ موقع ہمارے لیے بڑی سعادت وشرف کا موقع تھا، کہ ان سے محبت عین ایمان کی علامت اور اللہ کی خوشنودی کا بڑا ذریعہ ہے، اللہ تعالی قبول فرمائے اور ذخیرۂ آخرت بنائے (آمین)۔

محمد رابع حسنی ندوی
ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۲۷/۱۱/۱۴۴۰ھ
۳۱/۷/۲۰۱۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدللہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین سیدنا محمد، وعلی آلہ وصحبہ أجمعین وبعد

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی جماعت وہ قدسی جماعت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی صحبت کے لیے اور امت کی ہدایت کے لیے منتخب فرمایا تھا، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ؒ ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

"ان النبي صلى الله عليه وسلم بعث بعثة تتضمن بعثة أخرى"(۱)

(نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے ساتھ ایک دوسری بعثت بھی شامل ہے۔)

شاہ صاحب اس کو دوسری جگہ اس طرح واضح فرماتے ہیں:

''سب سے کامل بعثت اس نبی کی ہوتی ہے جس کی بعثت ''مقرون'' ہوتی ہے، یعنی اس کی بعثت کے ساتھ ایک پوری قوم تبلیغ ودعوت پر مامور اور اس کی فیض صحبت سے تیار ہوکر دوسرے انسانوں کی تعلیم وتربیت کا ذریعہ بنتی ہے، نبی کی بعثت بالاصالت ہوتی ہے (اور اس کو نبوت کہتے ہیں) امت کی ماموریت اور تفویض خدمت کی نوعیت بالواسطہ وبالنیابہ ہوتی ہے، آنحضرت ﷺ کی بعثت ایسی ہی جامع بعثت تھی، جس کے ساتھ ایک پوری امت کو آپ کے منصب نبوت کی خدمت واشاعت

(۱) حجۃ اللہ البالغۃ: ۱/۲۵۸

کے لیے "جارحہ" اور آلہ کار بنایا گیا، اور اس کے لیے بعثت اور بعثت کے ہم معنی الفاظ استعمال کیے گئے، قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾ (آل عمران: ۱۱۰)

(جتنی امتیں پیدا ہوئیں تم ان میں سب سے بہتر ہو، لوگوں کو نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو)

اور حدیث میں بعثت ہی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا:

"فانما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین"

(تم تیسیر (آسانی پیدا کرنے کے لیے) پیدا کیے گئے ہو، تعسیر (مشکلات پیدا کرنے کے لیے) نہیں مبعوث کیے گئے ہو۔)(۱)

جس طرح نبوت ایک امتیاز ہے اور یہ امت کا عقیدہ ہے کہ نہ کوئی فرشتہ یہ مقام پا سکتا ہے اور نہ کوئی ولی، یہ وہ آسمان ہے کہ کوئی اس کی بلندی کو نہیں چھو سکتا، کسی مومن کا ایمان معتبر نہیں جب تک وہ انبیاء کی نبوت پر ایمان نہ رکھتا ہو، ارشاد ہے:

﴿آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ﴾ (البقرة: ۲۸۵)

(جو کچھ رسول پر ان کے رب کی طرف سے اتارا گیا رسول بھی اس پر ایمان لائے اور مسلمان بھی، سب کے سب اللہ پر ایمان لائے اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر، ہم اس کے رسولوں میں (ایمان کے اعتبار سے) فرق نہیں کرتے)

---

(۱) تاریخ دعوت وعزیمت: ۵/۲۳۴، بحوالہ: حجة الله البالغة، باب حقيقة النبوة وخواصها: ۱/۱۷۶-۱۷۷

البتہ ان میں فرق مراتب ہے:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِّنْهُم مَّن كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ﴾ (البقرة: ۲۵۳)

(یہ وہ رسول ہیں جن میں بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دی، ان میں وہ بھی ہیں جن سے اللہ نے کلام فرمایا اور بعضوں کے درجات بڑھائے)

اسی طرح نبوت کے بعد یہ شرف صحابیت بھی وہ مقام ہے جہاں تک کسی بڑے سے بڑے ولی کی رسائی نہیں، بحیثیت صحابی رسول کے ہر ایک کا مرتبہ نبوت کے نیچے ہے، لیکن ولایت سے بلند ہے، جمہور مفسرین نے تصریح کی ہے کہ ﴿وَالَّذِينَ مَعَهُ﴾ عام ہے، اس آیت میں تمام صحابہ کرام شامل ہیں، یہ معیت خواہ تھوڑی دیر کے لیے ہی کیوں نہ ہو۔

اس کے آگے تورات وانجیل میں ان کے تذکرے کا بیان ہے، ارشاد ہے:

﴿ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾ (الفتح: ۲۹)

(ان کی یہ مثال تورات میں ہے اور انجیل میں ان کی مثال یہ ہے جیسے کھیتی ہو جس نے انکھوا نکالا پھر اس کو مضبوط کیا پھر وہ موٹا ہوا پھر اپنے تنے پر کھڑا ہو گیا، کھیتی کرنے والوں کو بھانے لگا تا کہ وہ ان سے انکار کرنے والوں کو جھلا دے، ان میں سے جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کیے ان سے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے)

ابو عروہ زبیریؒ کہتے ہیں:

"كنا عند مالك فذكروا رجلا ينتقص أصحاب رسول الله

صلى الله عليه وسلم فقرأ مالك هذه الآية ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاء عَلَى الْكُفَّارِ﴾ فقال مالك: من أصبح فى قلبه غيظ على أحد من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فقد أصابته الآية"(۱)

(ہم ایک روز امام مالک کی مجلس میں بیٹھے تھے، تو لوگوں نے ایک شخص کا ذکر کیا جو صحابہ کرام کو برا کہتا تھا، امام مالک نے یہ آیت ﴿لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ تک تلاوت فرمائی، پھر فرمایا کہ جس شخص کے دل میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کسی کے متعلق غیظ ہو، وہ اس آیت کی زد میں آتا ہے۔)

ایک آیت میں مہاجرین وانصار کا الگ الگ ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُواْ وَهَاجَرُواْ وَجَاهَدُواْ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَواْ وَّنَصَرُواْ أُوْلَـئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ﴾

(الأنفال: ۷۲)

(بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے پناہ دی اور مدد کی وہ سب ایک دوسرے کے دوست ہیں)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جا بجا صحابہ کے مقام کا تذکرہ فرمایا ہے، سورۂ فتح کی آخری آیتوں میں جہاں ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ﴾ (محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں) فرمایا، اس کے ساتھ ہی ارشاد فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاء عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاء بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَاناً سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ﴾ (الفتح: ۲۹)

---

(۱) حلية الأولياء: ۳۲۷/۶

(اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ انکاریوں پر زور آور ہیں آپس میں مہربان ہیں آپ انھیں رکوع اور سجدے کرتے دیکھیں گے، اللہ کا فضل اور خوشنودی چاہتے ہیں، ان کی علامتیں سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں)

بیعت رضوان میں شریک ہونے والوں کے مقام کا تذکرہ الگ سے موجود ہے

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحاً قَرِيباً﴾(الفتح: ۱۸)

(اللہ ان ایمان والوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے تو اس نے ان کے دلوں کو پرکھ لیا پھر ان پر سکون اتارا اور قریب ہی ایک فتح ان کو انعام میں دی)

سورۂ حجرات میں صحابہ کے بارے میں فرمایا:

﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُوْلَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ﴾(الحجرات: ۷)

(البتہ اللہ ہی نے تمہارے لیے ایمان میں رغبت پیدا فرما دی اور تمہارے دلوں میں اسے سجا دیا اور کفر اور گناہ اور معصیت سے تمہیں بیزار کیا، یہی لوگ ہیں جو سیدھے راستہ پر ہیں)

اور اس آیت کریمہ میں تو بات بالکل صاف کر دی:

﴿وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَى وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا﴾(الفتح: ۲۶)

(اور ان کو پرہیزگاری کی بات پر رکھا اور وہ اسی کے مستحق اور اس کے اہل تھے)

پروانۂ رضا الٰہی ان سب کو عطا ہوا، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾ (التوبة: ۱۰۰)

(اور مہاجرین وانصار میں سے پہلے سبقت کرنے والے اور جنھوں نے بہتر طریقہ پر ان کی پیروی کی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے)

آیت بتاتی ہے کہ شہادت الٰہی کے بموجب صحابہ ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

"الرضى من الله صفة قديمة فلا يرضى الا عن عبد علم أنه يوافيه على موجبات الرضى، ومن رضي الله عنه لم يسخط عليه أبدا"(۱)

(اللہ کی رضا ایک قدیم صفت ہے، خدا کسی ایسے ہی بندے سے راضی ہوگا، جس کے بارے میں اس کو معلوم ہو کہ وہ رضا کے تقاضوں کو پورا کرے گا اور اللہ جس سے راضی ہوگیا، اس سے کبھی ناراض نہیں ہوسکتا)

اللہ کے رسول ﷺ کو اپنے صحابہ سے جو محبت تھی، اس کا اظہار آپ ﷺ نے مختلف مواقع پر فرمایا، ارشاد ہوا:

"الله الله في أصحابي لا تتخذوهم غرضا من بعدي، فمن أحبهم فبحبي أحبهم، ومن أبغضهم فببغضي أبغضهم، ومن آذاهم فقد آذاني ومن آذاني فقد آذى الله، ومن آذى الله فيوشك أن يأخذه"(۲)

(میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، ان کو میرے بعد نشانہ مت بنانا، پس جو ان سے محبت کرتا ہے وہ میری محبت کی وجہ سے محبت کرتا ہے، اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھتا ہے، جس نے ان کو تکلیف پہنچائی، اس نے مجھے تکلیف دی، اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ کو تکلیف دی اور جس نے اللہ کو تکلیف دی، اللہ اس کی جلد ہی گرفت کرے گا۔)

---

(۱) الصارم المسلول: ۱/۵۷٤ (۲) سنن الترمذی: ٤٢٣٦

آپ ﷺ نے قرن اول کو سب سے افضل قرار دیا، یہ صحابہ تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت کے لیے منتخب فرمایا تھا، ارشاد ہے:

"خير الناس قرني، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم"(۱)

ترمذی شریف کی ایک روایت میں آتا ہے:

"اذا رأيتم الذين يسبون أصحابي فقولوا؛ لعنة الله على شركم"(۲)

(جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہتے ہیں تو کہو کہ تم میں جو برا ہے، اس پر خدا کی لعنت)

کھلی ہوئی بات ہے، برا وہی ہے جو صحابہ کو برا بھلا کہتا ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہوا:

"ان الله اختار أصحابي على جميع العالمين سوى النبيين والمرسلين واختار لي من أصحابي أربعة فجعلهم خير أصحابي؛ أبو بكر وعمر وعثمان وعلي"(۳)

(اللہ نے سوائے نبیوں اور رسولوں کے دنیا جہان میں میرے صحابہ کو منتخب فرمایا، اور میرے صحابہ میں بھی چار کو خاص طور پر میرے لیے چنا، اور ان کو میرا خاص ساتھی بتایا، اور فرمایا کہ میرے سب صحابہ میں خیر ہے۔)

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے امت میں ہونے والے تفرقہ کا ذکر فرمایا اور ارشاد ہوا

"ستفترق أمتي على ثلاث و سبعين ملة كلها في النار غير واحدة"

صحابہ نے پوچھا کہ اللہ کے رسول! حق پر کون ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

"ما أنا عليه اليوم و أصحابي"(٤)

اس حدیث میں آپ ﷺ نے صحابہ کو معیار حق قرار دیا، اور قیامت تک کے

---

(۱) سنن الترمذی: ۲۳۸۳ (۲) أيضا: ٤٢٤٠

(۳) كنز العمال: ۳۳۰۹٤ (٤) أيضا: ۱۰٦۰

لیے ان کو نمونہ بنا دیا۔

ائمہ حدیث نے اسی کو اصول قرار دیا، امام ابن الصلاح تحریر فرماتے ہیں:

"للصحابة بأسرهم خصيصة وهي أنه لا يسئل عن عدالة أحد منهم بل ذلك أمر مفروغ عنه لكونهم على الاطلاق معدلين بنصوص الكتاب والسنة واجماع من يعتد به في الاجماع من الأمة، قال الله تبارك و تعالى:﴿كنتم خير أمة أخرجت للناس﴾الآية. قيل اتفق المفسرون على أنه وارد في أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم"(۱)

(تمام صحابہ کرام کی ایک خصوصیت ہے اور وہ یہ ہے کہ ان میں سے کسی کی عدالت کے سلسلہ میں سوال بھی نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ یہ ایک طے شدہ مسئلہ ہے، قرآن وسنت کے نصوص اور جن لوگوں کا اجماع معتبر ہے، ان کے اجماع سے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم بہترین امت ہو، جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے، بعض علماء نے فرمایا کہ مفسرین حضرات کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت اصحاب رسول اللہ ﷺ کی شان میں آئی۔)

امام نووی فرماتے ہیں:

"الصحابة كلهم عدول من لابس الفتن وغيرهم باجماع"(۲)

(صحابہ سب کے سب عادل ہیں، جو فتنہ میں مبتلا ہوئے وہ بھی اور دوسرے بھی۔)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جن کو "خامس الخلفاء الراشدين" کہا جاتا ہے، انہوں نے اپنے ایک مکتوب میں امت کو حضرات صحابہ کے بارے میں جو تلقین فرمائی، وہ آب زر بلکہ خون جگر سے لکھے جانے کے قابل ہے، وہ فرماتے ہیں:

"فارض لنفسك ما رضي به القوم لأنفسهم، فانهم على علم

---

(۱) مقدمة بن الصلاح: ۱۱۹ (۲) تدريب الراوي: ۲/۲۱٤

وقفوا وببصر نافذ كفوا ولهم على كشف الأمور، كانوا أقوى وبفضل ما كانوا فيه أولى، فان كان الهدى ما أنتم عليه، لقد سبقتموهم اليه، ولئن قلتم انما حدث بعدهم، ما أحدثه الا من اتبع غير سبيلهم ورغب بنفسه عنهم، فانهم هم السابقون، فقد تكلموا فيه بما يكفي، ووصفوا منه ما يشفي، فما دونهم من مقصر وما فوقهم من محسر، وقد قصر قوم دونهم فجفوا، وطمح عنهم أقوام فغلوا وانهم بين ذلك لعلى هدى مستقيم"(۱)

(پس تمہیں چاہیے کہ اپنے لیے وہی طریقہ اختیار کرلو جس کو قوم (صحابہ کرام) نے اپنے لیے پسند کرلیا تھا، اس لیے کہ وہ جس حد پر ٹھہرے علم کے ساتھ ٹھہرے اور انہوں نے جس چیز سے لوگوں کو روکا، ایک دور بین نظر کی بنا پر روکا، اور بلاشبہ وہ ہی حضرات دقیق حکمتوں اور علمی الجھنوں کے کھولنے پر قادر تھے اور جس کام میں تھے اس میں سب سے زیادہ فضیلت کے وہی مستحق تھے، پس اگر ہدایت اس طریق میں مان لی جائے جس پر تم ہو تو اس کے یہ معنی ہیں کہ تم فضائل میں ان سے سبقت لے گئے، جو بالکل محال ہے، اگر تم یہ کہو کہ یہ چیزیں ان حضرات کے بعد پیدا ہوئی ہیں، اس لیے ان سے یہ طریقہ منقول نہیں تو سمجھ لو کہ ان کو ایجاد کرنے والے وہی لوگ ہیں جو ان کے راستہ پر نہیں ہیں اور ان سے علیحدہ رہنے والے ہیں، کیونکہ یہی حضرات سابقین ہیں جو معاملات دین میں اتنا کلام کر گئے ہیں جو بالکل کافی ہے اور اس کو اتنا بیان کر دیا جو شفا دینے والا ہے، پس ان کے طریقہ سے کمی و کوتاہی کرنے کا بھی موقع نہیں ہے، اور ان سے زیادتی کرنے کا بھی کسی کو حوصلہ نہیں ہے، اور بہت سے لوگوں نے ان کے طریقہ میں کوتاہی کی، وہ مقصد سے دور رہ گئے، اور بہت سے لوگوں نے ان کے

---

(۱) سنن أبي داؤد: ٤٦١٤

طریقہ سے زیادتی کا ارادہ کیا وہ غلو میں مبتلا ہو گئے اور یہ حضرات افراط و تفریط اور کوتاہی کے درمیان ایک راہ مستقیم پر تھے۔)(۱)

جمہور امت کے نزدیک صحابیت کی تعریف یہی ہے کہ جس نے بھی حالت ایمان میں آنحضور ﷺ کی زیارت کی اور ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوا وہ صحابی ہے، خواہ اس کو ایک وقت کی نماز پڑھنے کی نوبت بھی نہ آئی ہو، اسی طرح جو کسی وجہ سے آپ کو دیکھ نہ سکا لیکن آپ کی مجلس میں بیٹھا، وہ بھی اس تعریف میں شامل ہے۔ اصابہ میں ہے:

"الصحابي من لقي النبي صلى الله عليه وسلم مؤمنا به ومات على الاسلام، فيدخل فى من لقيه من طالت مجالسته له أو قصرت، ومن روى عنه أو لم يرو، ومن رآه رؤية ولو لم يجالسه، ومن لم يره لعارض كالعمى"(۲)

(صحابی وہ ہے جو اللہ کے رسول ﷺ سے ایمان کی حالت میں ملا ہو اور اسلام پر ہی اس کی وفات ہو، آپ ﷺ سے ملاقات کرنے والوں میں وہ بھی شامل ہے جس کو طویل صحبت ملی ہو اور وہ بھی جس نے مختصر صحبت اٹھائی، وہ بھی شامل ہے جس نے روایت کی اور وہ بھی جس نے روایت نہیں کی، اور وہ بھی شامل ہے جس نے آپ کو ایک نظر دیکھ لیا، خواہ آپ کے ساتھ بیٹھنے کا شرف نہ حاصل ہوا ہو، اور وہ بھی جو معذور ہو اور کسی عذر کی وجہ سے دیکھ نہ سکا ہو جیسے نابینا۔)

جس طرح نبی کے عمل کو کسی دوسرے کے عمل سے تولا نہیں جا سکتا، اسی طرح ایک صحابی کے عمل کو کسی غیر صحابی کے عمل سے تولا نہیں جا سکتا، یہاں مسئلہ اعمال کی کثرت یا کمیت کا نہیں بلکہ اس کے وزن اور کیفیت کا ہے جس کا تعلق ایمان سے ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر ہر صحابی کو ایمان کی جو گہرائی عطا کی، یہ صرف شرف صحبت رسول کا

---

(۱) ترجمہ: مفتی محمد شفیع صاحبؒ (۲) الاصابة فی تمییز الصحابة: ۱/۶

خاصہ ہے، کسی غیر صحابی کو یہ حاصل نہیں ہوسکتا، اور اس ایمان کے بعد بہت ہی معمولی عمل بڑے بڑے اعمال پر بھاری ہے، ارشاد نبوی ہے:

"لا تسبوا أصحابی فوالذی نفسی بیده لو أن أحدکم أنفق مثل أحد ذهبا ما أدرك مد أحدهم ولا نصیفه"(۱)

(تم میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہو، پس اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا بھی (راہ خدا میں) خرچ کردے تو بھی ان میں سے کسی ایک کے مد یا آدھے کو بھی نہیں پہنچ سکتا)

جو تقوی اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو دیا، وہ کسی امتی کو حاصل نہیں، بعض صحابہ نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات دریافت کیے تو ان کو خیال ہوا کہ آپ تو بخشے بخشائے ہیں، ہم کو عمل میں اپنے آپ کو فنا کردینا چاہیے، چنانچہ ان میں سے ایک صاحب نے کہا: میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھوں گا، دوسرے صاحب نے کہا: میں تو ہمیشہ روزہ رہا کروں گا، اور روزہ کبھی نہ چھوڑوں گا، تیسرے صاحب نے کہا: میں عورتوں سے الگ رہوں گا، کبھی شادی نہیں کروں گا، اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أنتم الذین قلتم کذا و کذا، أما واللّٰه انی لأخشاکم وأتقاکم له، لکنی أصوم و أفطر، وأصلی وأرقد، وأتزوج النساء، فمن رغب عن سنتی فلیس منی"(۲)

(تم ہی لوگ یہ سب باتیں کررہے تھے، سنو! میں تم میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں، تم میں سب سے زیادہ اللہ کی رضا کا پاس ولحاظ رکھتا ہوں، لیکن میں کبھی روزہ رکھتا ہوں اور کبھی نہیں رکھتا، نماز بھی پڑھتا ہوں، اور سوتا بھی ہوں، اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں، جو

---

(۱) سنن ابن ماجة: ۱٦٦ (۲) صحیح البخاری: ۵۰٦۳

ہمارے طریقہ سے منہ موڑے وہ ہم میں سے نہیں۔)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے ساتھ کلمۂ تقویٰ کو لازم فرمادیا، اعمال خواہ کم نظر آئیں لیکن ان کے ایمان اور تقویٰ کی شان بہت بلند ہے:

﴿وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَى وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا﴾(الفتح: ٢٦)

(اور ان کو پرہیزگاری کی بات پر رکھا اور وہ اسی کے مستحق اور اس کے اہل تھے)

اور کوئی استعجاب کی بات نہیں، یہ وہ جماعت تھی جس کو اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے لیے منتخب فرمایا تھا اور یہ آپ ﷺ کے وہ شاگرد تھے جن کو ساری امت کا معلم بننا تھا، امت کو جو بھی دین وقرآن حاصل ہوا وہ اسی قدسی جماعت کے واسطے سے حاصل ہوا، مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے:

"ان اللّٰہ نظر فی قلوب العباد فوجد قلب محمد صلی اللّٰہ علیه وسلم خیر قلوب العباد، فاصطفاه لنفسه فابتعثه برسالته ثم نظر فی قلوب العباد فجعلهم وزراء نبیه یقاتلون علی دینه فما رأی المسلمون حسنا فهو عند اللّٰہ حسن وما رأوا سیئا فهو عند اللّٰہ سیئ"(۱)

(اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو محمد ﷺ کے دل کو تمام دلوں میں سب سے بہتر پایا، اور ان کو اپنے لیے چن لیا اور اپنی رسالت کے لیے مقرر کردیا، پھر محمد ﷺ کے قلب کے بعد دوسرے قلوب پر نظر فرمائی، تو محمد ﷺ کے اصحاب کے قلوب کو دوسرے بندوں کے مقابل سب سے بہتر پایا، تو انہیں نبی کا معاون بنایا، جو ان کے دین کے لیے جہاد کرتے ہیں، تو مسلمان جس چیز کو اچھا سمجھیں، اللہ کے نزدیک وہ چیز اچھی ہے اور جس چیز کو برا سمجھیں، وہ چیز اللہ کے نزدیک بری ہے)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے جو روایت صحابہ کے سلسلہ

---

(۱)مسند أحمد: ٣٦٦٧

میں نقل فرماتے ہیں، اس سے بہتر تعریف امت میں شاید ہی کسی نے صحابہ کی کی ہو، وہ فرماتے ہیں:

"من كان متأسيا فليتأس بأصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فانهم أبر هذه الأمة قلوبا وأعمقها علما وأقلها تكلفا وأقومها هديا وأحسنها حالا، قوم اختارهم الله بصحبة نبيه واقامة دينه فاعترفوا لهم فضلهم واتبعوا آثارهم فانهم كانوا على الهدى المستقيم"(۱)

(جو شخص اقتدا کرنا چاہتا ہے، اسے چاہیے کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ کی اقتدا کرے، کیونکہ یہ حضرات ساری امت میں سب سے زیادہ پاک دل رکھنے والے، سب سے گہرا علم رکھنے والے، سب سے زیادہ سیدھا راستہ رکھنے والے، سب سے زیادہ بہتر حالات رکھنے والے تھے، یہ وہ قوم ہے جس کو اللہ نے اپنے نبی کی صحبت اور اقامت دین کے لیے منتخب فرمایا، تو تم ان کے فضل کے معترف رہو اور ان کے نقش قدم پر چلو، کیونکہ یہی لوگ راہ مستقیم پر ہیں۔)

حقیقت میں جماعت صحابہ آنحضور ﷺ کے فیض صحبت و تربیت کا شاہکار تھی، امام ابن تیمیہ تحریر فرماتے ہیں:

"ظهرت الدعوة فى جميع أرض العرب التى كانت مملوءة من عبادة الأوثان ومن أحبار الكهان وطاعة المخلوق فى الكفر بالخالق وسفك الدماء المحرمة وقطيعة الأرحام لا يعرفون آخرة ولا معادا فصاروا أعلم أهل الأرض وأدينهم وأعدلهم وأفضلهم حتى أن النصارى لما رأوهم حين قدموا الشام قالوا ما كان الذين صحبوا المسيح بأفضل من هؤلاء وهذه آثار علمهم وعملهم فى الأرض وآثار غيرهم يعرف العقلاء فرق ما بين الأمرين."(۲)

---

(۱) شرح السفارينى للدرة المضيئة: ۲/ ۲۸۰

(۲) الجواب الصحيح لمن بدل دين المسيح: ۶/ ۲۸۶

(اسی سرزمین عرب میں جہاں بت پرستی، کاہنوں کی جھوٹی سچی خبروں، خالق سے کفر اور مخلوق کی اطاعت، ناحق خوں ریزی اور قطع رحمی کا دور دورہ تھا، آخرت و معاد کا کوئی تصور نہ تھا' دعوت دین بلند ہوئی، پھر یہی لوگ اس گیتی کے سب سے بڑے عالم، سب سے زیادہ دین دار، سب سے زیادہ انصاف شعار اور سب سے زیادہ صاحب فضل و کمال بن گئے، حتی کہ جب یہ لوگ شام آئے اور وہاں کے نصاری نے انہیں دیکھا تو وہ بے اختیار چیخ پڑے: ''مسیح کے رفقاء ان سے اچھے نہ تھے'' دنیا میں ان حضرات کے علم و عمل کے اثرات اور غیروں کے نقوش بھی موجود ہیں، ایک ذی عقل سمجھ سکتا ہے کہ دونوں میں کس قدر فرق ہے۔)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے صحیح فرمایا ہے کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیغام اور اپنی دعوت کے ذریعہ سے جس فرد کو تیار کر کے کارگہ حیات میں اتارا تھا، وہ اللہ پر سچا ایمان رکھنے والا، نیک خوئی پسند کرنے والا، اللہ کے خوف سے ڈرنے والا اور لرزنے والا، امانت کا پاس کرنے والا، دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والا، مادہ کو حقیر سمجھنے والا اور اپنی روحانیت سے مادیت پر غالب آنے والا تھا، وہ اس بات پر دل سے یقین رکھتا تھا کہ دنیا تو میرے لیے بنائی گئی ہے، لیکن میں آخرت کے لیے پیدا کیا گیا ہوں، پس یہ فرد اگر تجارت کے میدان میں اترتا تو نہایت سچا اور ایمان دار ثابت ہوتا، اگر مزدوری کا پیشہ اختیار کرتا تو نہایت محنتی اور بہی خواہ مزدور ثابت ہوتا، اگر مال دار ہو جاتا تو ایک رحم دل اور فیاض دولت مند ثابت ہوتا، اگر غریب ہوتا تو شرافت کو قائم رکھتے ہوئے مصیبتوں کو جھیلتا، اگر کرسی عدالت پر بٹھا دیا جاتا تو نہایت سمجھ دار اور منصف جج ثابت ہوتا، اگر صاحب سلطنت ہوتا تو ایک مخلص اور بے

غرض حکمراں ثابت ہوتا، اگر آقا ہوتا تو رحم دل اور منکسر المزاج آقا ہوتا، اگر نوکر ہوتا تو نہایت چست اور فرماں بردار نوکر ہوتا اور اگر قوم کا مال و دولت اس کی تحویل میں آجاتا تو حیرت انگیز بیداری اور باخبری سے اس کی نگرانی کرتا۔"(۱)

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ اپنے بلیغ اسلوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"نبوت کے ان کارناموں میں جو زندگی کی پیشانی پر درخشاں اور تاباں ہے، سب سے روشن کارنامہ محمد رسول اللہ ﷺ کا کارنامہ ہے، جس کی سب سے زیادہ تفصیلات تاریخ میں محفوظ ہیں، مردم سازی اور آدم گری کے اس کام میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو کامیابی عطا فرمائی وہ آج تک کسی انسان کو حاصل نہیں ہوئی، آپ نے جس سطح سے تعمیر انسانیت کا کام شروع کیا اس سطح سے کسی پیغمبر، کسی مصلح اور کسی مربی کو شروع کرنے کی ضرورت کبھی پیش نہیں آئی تھی، یہ وہ سطح تھی جہاں حیوانیت کی سرحد ختم ہوتی تھی، اور انسانیت کی سرحد شروع ہوتی تھی، اور جس سطح پر آپ نے اس کام کو پہنچایا، اس سطح تک بھی کبھی تعمیر انسانیت کا کام نہیں پہنچا، جس طرح آپ نے انسانیت کی انتہائی پستی سے کام شروع کیا، اسی طرح انسانیت کی آخری بلندی تک اس کام کو پہنچایا۔

آپ کے تیار کیے ہوئے افراد میں سے ایک ایک فرد نبوت کا شاہکار ہے، اور نوع انسانی کے لیے باعث شرف وافتخار ہے، انسانیت کے مرقع میں بلکہ اس پوری کائنات میں پیغمبروں کو چھوڑ کر اس سے زیادہ حسین و جمیل، اس سے زیادہ دل کش و دل آویز تصویر نہیں ملتی، جو ان کی زندگی میں نظر آتی ہے، ان کا پختہ یقین، ان کا گہرا علم، ان کا سچا دل، ان کی بے

(۱) کاروان مدینہ: ۴۴

تکلف زندگی، ان کی بے نفسی، خدا ترسی، ان کی پاک بازی، پاکیزگی، ان کی شفقت ورافت، اوران کی شجاعت وجلادت، ان کا ذوق عبادت اورشوق شہادت، ان کی شہسواری اوران کی شب زندہ داری، ان کی سیم و زر سے بے پروائی اوران کی دنیا سے بے رغبتی، ان کا عدل، ان کا حسن انتظام دنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتا، نبوت کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے جوانسانی افراد تیار کیے، ان میں ایک ایک ردایسا تھا جواگر تاریخ کی متواتر شہادتیں نہ ہوتیں، تو ایک شاعرانہ تخیل اور ایک فرضی افسانہ معلوم ہوتا، لیکن اب وہ ایک تاریخی حقیقت اور ایک مسلم الثبوت واقعہ ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ایک ایسا انسانی مجموعہ تھا جس میں نبوت کے اعجاز نے متضاد انسانی کمالات پیدا کردیے تھے، علامہ اقبال کے الفاظ میں:

خاکی و نوری نہاد، بندۂ مولیٰ صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب اس کی نگہ دل نواز
نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل پاک باز
اس کے زمانے عجیب، اس کے فسانے غریب
عہد کہن کو دیا اس نے پیام رحیل
ساقی ارباب ذوق فارس میدان شوق
بادہ ہے اس کا رحیق تیغ ہے اس کی اصیل"(۱)

(۱) دو متضاد تصویریں: ۱۷-۱۹

البتہ صحابہ کرام میں فرق مراتب ہے، جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے اور احادیث میں بھی، ارشاد ہے:

﴿لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا﴾ (الحدید: ۱۰)

(تم میں جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ کیا اور قتال کیا وہ (بعد والوں کے) برابر نہیں، وہ ان کے مقابلہ میں بہت بلند مقام رکھتے ہیں جنھوں نے فتح کے بعد خرچ کیا اور قتال کیا)

لیکن یہ بھی ارشاد ہے کہ

﴿وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ﴾ (الحدید: ۱۰)

(اور بھلائی کا وعدہ تو اللہ کا ہر ایک سے ہے)

صحابہ کا تذکرہ فرق مراتب کے ساتھ دوسری آیت میں اس طرح بیان ہوا:

﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾ (التوبة: ۱۰۰)

(اور مہاجرین وانصار میں سے پہلے سبقت کرنے والے اور جنھوں نے بہتر طریقہ پر ان کی پیروی کی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے)

یہ اس علیم وخبیر کا پروانۂ رضامندی ہے جو آگے پیش آنے والے حالات سے خوب خوب واقف ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ صحابہ میں درجات کا بہت تفاوت ہے، ان میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جو مقام حاصل ہے وہ کسی کو حاصل نہیں، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ساری امت کے اعمال ایک پلڑے میں رکھ دیے جائیں اور صدیق اکبرؓ کے دوسرے پلڑے میں تو صدیق اکبر کا پلڑا جھک جائے، ان کے بعد حضرت عمر پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی کا مقام ہے، یہ چاروں حضرات صحابہ میں بھی افضل ترین

درجہ رکھتے ہیں، اور اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"علیکم بسنتی و سنة الخلفاء المهديين الراشدين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ"(۱)

(تم اپنے اوپر میرے اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کے طریقہ کی پیروی لازم کرلو، مضبوطی سے اس کو تھام لو اور دانتوں سے پکڑلو)

پھر سابقین اولین میں مہاجرین وانصار ہیں پھر وہ ہیں جو صلح حدیبیہ کے دوران ایمان لائے پھر مقام ہے ان حضرات کا جو فتح مکہ کے موقع پر اسلام میں داخل ہوئے۔

حضرت معاویہ کے مقابلہ میں حضرت علی کا مقام بہت بلند ہے، امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقیؒ فرماتے تھے کہ حضرت معاویہ کو حضرت علی کی صف نعال میں جگہ مل جائے تو بڑی بات ہے، لیکن جو بھی ہیں وہ سب کے سب امت کے سرتاج ہیں، اور ان میں سے ہر ایک کا مقام بڑے سے بڑے ولی سے بڑھ کر ہے۔

ان کے کام اور مقام کو امت کے دوسرے افراد کے کام اور مقام پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، رسول اللہ ﷺ کی صحبت کے ساتھ ایک لحہ کا ایمان ان کو اس بلندی پر پہنچا دیا کہ قرآن مجید نے درجنوں مقامات پر اس کو صاف کردیا، یہاں تک کہ ان میں جن حضرات سے غلطیاں ہوئیں ان کو بھی اللہ نے معاف کیا۔

اس کی ایک مثال حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کی ہے:

"صحیح بخاری میں ہے کہ حضور ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر حضرت علیؓ، حضرت مقداد بن اسودؓ اور اور حضرت زبیرؓ کو حکم دیا کہ تم لوگ روضہ خاخ تک جاؤ، وہاں تمہیں ایک عورت ملے گی جس کے پاس ایک خط ہے، تو تم لوگ وہ خط اس سے حاصل کرلو، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ تیزی سے گھوڑوں پر سوار ہوکر وہاں پہنچے، اور ہم نے وہاں اس عورت کو بھی پایا، تو ہم نے کہا: تمہارے پاس جو خط ہے اس کو ہمارے حوالہ کردو،

---

(۱) سنن أبی داؤد: ٤٦٠٩

عورت نے جواب دیا: میرے پاس کوئی خط نہیں ہے، ہم نے کہا: تم خط نکالتی ہو یا ہم خود تمہاری تلاشی لیں؟ یہ کہنے پر اس نے اپنی چوٹی سے خط نکال کر دیا، اور ہم اس خط کو حضور ﷺ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ اس خط کا راز یہ تھا کہ یہ حاطب بن ابی بلتعہ کی جانب سے بعض مشرکین مکہ کے نام تھا، جس میں رسول اللہ ﷺ کے بعض ارادوں کی اطلاع تھی۔ یہ خط دیکھ کر آپ ﷺ حاطب سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: حاطب! یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول! میرے بارے میں عجلت نہ فرمائیے، میرا قصہ یہ ہے کہ میں قریش کا حلیف تھا اور اس کے سوا ان سے میرا کوئی رشتہ نہیں ہے، اور میرے علاوہ جو دوسرے مہاجرین آپ کے ساتھ ہیں، تو ان کے اقرباء مکہ میں موجود ہیں، جو ان کے گھر والوں اور مال کی حفاظت کر سکتے ہیں، اس لیے میں نے نسبی تعلق نہ ہونے کی وجہ سے ان سے اس ذریعہ سے ان کی ہمدردی حاصل کرنا چاہی، اور سچی بات یہ ہے کہ میں نے نہ کوئی کفریہ عمل کیا ہے اور نہ ہی مرتد ہوا ہوں، اور نہ ہی اسلام کی دولت ہاتھ آنے کے بعد میں کفر سے رضا مند ہوا ہوں۔ حاطب کے اس جواب پر حضور ﷺ نے فرمایا: تم سچ کہتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے کہا: اے رسول خدا! آپ اجازت دیں تو میں اس منافق کا سر قلم کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ شرکائے بدر میں سے ہے، اور تم کو کیا معلوم شاید کہ اللہ نے اہل بدر کے ارادوں سے واقف ہو کر کہا ہو کہ تم جو چاہو کرو، میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔"(۱)

اسی طرح دوسرا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جب منافقین نے تہمت لگائی اور چند حضرات صحابہ کی زبانوں پر بھی غلطی سے نامناسب کلمات آگئے تو اللہ نے ان کو تنبیہ فرمائی، لیکن اس کے ساتھ دنیا و آخرت میں ان کے ساتھ اپنے فضل کا

(۱) صحیح البخاری: ۳۰۰۷

اعلان بھی فرمادیا، جو اللہ نے تمام صحابہ کے ساتھ طے کردیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ (النور: ١٤)

(اور اگر تم پر دنیا و آخرت میں اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس چیز میں تم پڑ گئے تھے اس میں تمہیں بڑے عذاب کا شکار ہونا پڑتا)

دوسری آیت میں بڑی تاکید کے ساتھ اس تفصیل کا ذکر ہے، ارشاد ہے:

﴿لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾

(الأنفال: ٦٨)

(اگر اللہ کی طرف سے کوئی نوشتہ نہ ہوتا جو پہلے (لکھا جا چکا) تھا تو تم نے جو کچھ لیا اس پر تمہیں ضرور بڑے عذاب کا سامنا کرنا پڑتا)

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے لیے فضل طے فرمادیا ہے اور ان کی غلطیوں کو معاف کردیا گیا ہے، اب اگر کوئی ان کو بیان کرتا ہے تو اپنے لیے گڑھا کھودتا ہے۔

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ لکھتے ہیں:

''اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صحابہ کرام بھی انسان تھے اور گناہوں کا صدور ان سے بھی ممکن تھا؛ بلکہ اسوہ کی تکمیل کے لئے ضروری اور معیاری توبہ رجوع وانابت الی اللہ کے لئے لازمی تھا۔

جن صحابہ سے گناہوں کا صدور ہوا پھر اس پر جو ان کو خلش اور اپنے کئے ہوئے پر جو ندامت ہوئی، وہ صرف انہی کا حصہ ہے۔ ماعز اور غامدیہ کے واقعات شاہد عدل ہیں کہ ان کو اپنے گناہ پر ایسی ندامت ہوئی اور اسکے لئے انھوں نے ایسی قربانی دی کہ رحمت الٰہی کو جوش آیا اور ان پر ایسی رحمت کی بارش ہوئی کہ اگر پورا شہر مدینہ اسکے ذریعہ اپنی بخشش کروانا چاہتا

تو ہو جاتی۔ ع

یہ وہ بندہ ہے جس پر ناز کرتا ہے کرم میرا

اللہ کے رسول ﷺ نے حد جاری کرتے وقت ایک صاحب کے نازیبا کلمات سن کر منع فرمایا اور ان کی توبہ کی قبولیت اور اس پر اللہ تعالیٰ کی مغفرت ورحمت کو اسطرح بیان فرمایا کہ گویا آپ ﷺ نے ان کی توبہ کو معیار قرار دیا کہ انھوں نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اہل مدینہ پر تقسیم کردی جائے تو ان سب کو اپنے سایہ میں لے لے۔ حضرت ابولبابہ سے لغزش ہوئی، مسجد کے کھمبے سے اپنے کو باندھ دیا اور ایک ہفتہ اسی طرح رہے یہاں تک کہ قبول توبہ کا مژدہ سنا اور پروانہ رحمت پالیا، ایسا گنہگار بندہ جو اس انداز کی توبہ کرنے والا ہو وہ تو محبوب خدا بن جاتا ہے۔

وحشی جن کے سر پر حضرت حمزہؓ کے قتل کا بوجھ تھا، اگرچہ انہوں نے کفر کی حالت میں ایسا کیا تھا پھر بھی مارے شرمندگی وندامت کے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہ آتے تھے، وہ بوجھ اس وقت اترا جب انھوں نے مسیلمہ کذاب کو جو دشمن خدا ورسول تھا، قتل کیا اور مسلمانوں کو بڑے امتحان سے بچالیا رضی اللہ عنہ وأرضاہ، نہ جانے کتنے واقعات ہیں ؛ ہمارے صحابہ کرام سے لغزشیں ہوئیں؛ لیکن ان پر ندامت کے ایسے آنسو بہائے اور اس کے کفارے کے لیے ایسے مجاہدات کیے کہ امت کے لئے قیامت تک کے لیے نمونہ چھوڑ گئے۔"(۱)

امام ابن حبانؒ لکھتے ہیں:

"اگر کوئی کہے: آپ نے صحابہ کے بعد والوں کی جرح کی، تو صحابہ کے تعلق سے اس معیار کو کیوں نہیں اپنایا؟ سہو وخطا کا، جس طرح بعد کے محدثین سے صدور ہوا، حضرات صحابہ سے بھی ہوا ہوگا؟ تو اس سے کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ

---

(۱) محبت صحابہ: ۳۱-۳۲

نے صحابہ کرام کے رتبے کو اس درجہ منزہ کر دیا ہے کہ کسی عیب جوئی کرنے والے کے لیے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی اور ان کو اس مقام پر پہنچا دیا کہ کوئی حرف گیری کرنے والا ان میں کوئی عیب نہیں نکال سکتا، ان کو ستاروں کے مانند، دوسروں کے لیے قابل اقتدا بنایا، اللہ پاک کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَـٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (آل عمران: ٦٨)

(ابراہیم کے زیادہ حقدار تو وہ لوگ ہیں جنھوں نے ان کی پیروی کی اور یہ نبی اور جو (ان پر) ایمان لائے اور اللہ ایمان والوں کا دوست ہے)

نیز فرمایا:

﴿يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ﴾ (التحریم: ٨)

(جس دن اللہ نبی کو اور ان کے ساتھ ایمان والوں کو رسوا نہیں فرمائے گا)

اب جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ خبر دے کہ قیامت کے دن اس کو رسوا نہ کرے گا اور ملت ابراہیمی پر اس کے گامزن ہونے کی شہادت دے، اس پر جرح کر کے اس کو جھوٹا قرار دینا جائز نہ ہوگا، اس لیے کہ یہ تو محال ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے ﴿يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ﴾ اور رسول اللہ ﷺ فرمائیں:

"من كذب على معتمدا فليتبوأ مقعده من النار"(١)

(جو جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے)

پھر نبی کریم ﷺ اس شخص کے بارے میں واجبی طور پر جہنم رسید ہونے کی بات کہیں، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کی خبر ہے کہ وہ قیامت میں اس کو رسوا نہ کرے گا، یہ کیسے ممکن ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ اس حدیث میں مخاطب صحابہ کے بعد کے لوگ ہیں، اس کے برخلاف جو لوگ نزول قرآن کے

---

(١) صحیح البخاری: ١/ ٢٠٢

وقت موجود تھے، ان کو نبی کی صحبت کا شرف ملا، ان کی برائی کرنا جائز نہیں، ان کو مجروح کرنا ایمان کی ضد ہے، ان میں سے کسی کی توہین و تذلیل کرنا ہی نفاق ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے بہتر لوگ یہی ہیں، یہ فیصلہ ہے اس ذات بابرکات کا جو اپنے نفس کی خواہش سے نہیں بولتا، اس کی بات وحی ہوتی ہے، جن لوگوں کو رسول اللہ ﷺ نے وہ امانت سپرد کی جس کی تشریح و وضاحت کا کام من جانب اللہ آپ ﷺ کو ملا تھا، وہ حضرات بدرجہ اولی اس بات کے اہل ہیں کہ ان کی جرح وقدح نہ کی جائے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو یہ پیغام محض اس وجہ سے سپرد کیا اور فرمایا:

"لیبلغ الشاهد الغائب"(۱)

(جو حاضر ہے غیر حاضر کو (میرا پیغام) پہنچادے)

کہ وہ آپ کے نزدیک سچے تھے، ان کی گواہی جائز تھی، اگر وہ اس قابل نہ ہوتے تو رسول اللہ ﷺ قطعاً یہ حکم نہ دیتے کہ جو لوگ حاضر ہیں، غیر حاضر لوگوں تک پہنچادیں، ورنہ خود رسالت مخدوش ہوجائے گی، یہ کیا کم شرف و اعزاز کی بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی کی تعدیل فرمائیں، صحابہ کرام کے بعد کے لوگ اس درجہ کے نہیں، اس لیے کہ صحابی نے جب اپنے بعد والے کو پہنچایا تو ممکن ہے کہ یہ دوسرا شخص منافق یا بدعتی یا گمراہ ہو، جو روایت میں کتر و بیونت کردے، لوگوں کو گمراہ کردے، اسی لیے ہم نے صحابہ اور غیر صحابہ میں فرق کیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے رتبوں کو بدعت و گمراہی سے محفوظ کردیا ہے۔"(۲)

یہی وجہ ہے کہ علمائے امت نے ہمیشہ صحابہ کی تنقیص کرنے والوں کے بارے میں سخت کلمات ارشاد فرمائے ہیں، میمونیؒ کہتے ہیں:

---

(۱) صحیح البخاری: ۱/۱۵۸ (۲) المجروحین لابن حبان: ۱/۳۳-۳۴

"سمعت أحمد يقول: "ما لهم ولمعاوية؟ نسأل الله العافية"
وقال لي: "يا أبا الحسن! اذا رأيت أحدا يذكر أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم بسوء فاتهمه على الاسلام"(۱)

(میں نے امام احمد کو یہ فرماتے ہوئے سنا: آخر کیا ہوگیا ہے کہ لوگ حضرت معاویہ کی برائی کرتے ہیں، ہم اللہ سے عافیت کے طلب گار ہیں، امام احمد نے مجھ سے کہا: جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ صحابہ کا ذکر برائی کے ساتھ کررہا ہے تو اس کے اسلام کو مشکوک سمجھو۔)

امام مسلم کے استاذ امام ابوزرعہؒ کہتے ہیں:

"اذا رأيت الرجل ينتقص أحدا من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فاعلم أنه زنديق وذلك أن الرسول صلى الله عليه وسلم عندنا حق والقرآن حق وانما أدى الينا هذا القرآن والسنن أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، وانما يريدون أن يجرحوا شهودنا ليبطلوا الكتاب والسنة والجرح بهم أولى وهم زنادقة."(۲)

(جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ کسی صحابی کی تنقیص کررہا ہے تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے، اس لیے کہ ہمارے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق ہیں، اور قرآن حق ہے، قرآن وسنت ہم تک پہنچانے والے یہی صحابہ کرام ہیں، یہ تنقیص کرنے والے ہمارے گواہوں کو مجروح کرنا چاہتے ہیں، تاکہ کتاب وسنت کو باطل ثابت کریں، لہٰذا خود ان کو مجروح کرنا زیادہ مناسب ہے، یہ زندیق ہیں۔)

حضرت ابراہیم بن سعید جوہریؒ نے حضرت ابوامامہ رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا

(۱)الصارم المسلول على شاتم الرسول: ۸۹/۶ (۲)الكفاية فى علم الرواية: ۴۹/۱

کہ حضرت معاویہؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ میں افضل کون ہے تو انہوں نے فرمایا:

"لا نعدل بأصحاب محمد صلى الله عليه وسلم أحدا."(۱)

(ہم اصحاب محمد ﷺ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے، افضل ہونا تو دور کی بات ہے)

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں:

"من طعن فيهم أو سبهم فقد خرج من الدين ومرق من ملة المسلمين لأن الطعن لا يكون الا عن اعتقاد مساويهم واضمار الحقد فيهم وانكار ما ذكره الله تعالىٰ فى كتابه من ثنائه عليهم وما لرسول الله صلى الله عليه وسلم من ثنائه عليهم وفضائله ومناقبهم وحبهم ولأنهم أرضى الوسائل من المأثور والوسائط من المنقول والطعن فى الوسائط طعن فى الأصل والازدراء بالناقل ازدراء بالمنقول هذا ظاهر لمن تدبره وسلم من النفاق ومن الزندقة والالحاد فى عقيدته."(۲)

(جس نے صحابہ پر طعن و تشنیع کی یا ان کو برا کہا، وہ دین سے نکل گیا، اور ملت اسلامیہ سے خارج ہوگیا، اس لیے کہ ان پر طعنہ زنی اسی وقت ممکن ہے جب ان کی برائی کا عقیدہ ہو، ان کے تئیں دل میں حسد و کینہ ہو اور کتاب و سنت میں وارد ان کے فضائل و مناقب کا انکار کر دیا جائے، نیز اس لیے کہ یہ حضرات شریعت ماثورہ کے نہایت پسندیدہ وسیلہ اور دین منقول کا واسطہ ہیں، واسطہ و ذریعہ کو مجروح کرنا اصل دین کو مجروح کرنا ہے، نیز اس لیے کہ ناقل کی تحقیر خود منقول کی تحقیر ہے، غور و فکر سے کام لینے والے اور نفاق والحاد و زندقہ سے پاک کسی شخص کے لیے یہ حقیقت بالکل عیاں ہے۔)

موصوف مزید لکھتے ہیں:

"من ذم أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم بشئ وتتبع

---

(۱) الروضة الندية شرح العقيدة الواسطية؛ ٤٠٥ (۲) الكبائر للذهبي: ١/٢٣٦

عثراتهم وذكر عيبا وأضافه اليهم كان منافقا بل الواجب على المسلم حب الله وحب رسوله وحب ما جاء به وحب من يقوم بأمره وحب من يأخذ بهديه ويعمل بسنته وحب آله وأصحابه وأزواجه وأولاده وغلمانه وخدامه وحب من يحبهم وبغض من يبغضهم"(۱)

(جس نے صحابہ کی کسی طرح سے مذمت کی، ان کی لغزش جوئی کی، ان کے عیب کو بیان کیا، ان کی طرف کسی عیب کو منسوب کیا، وہ منافق ہے، ہر مسلمان کا فریضہ ہے کہ وہ اللہ، اس کے رسول، آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین اور اقامت دین کا فریضہ انجام دینے والوں، آپ کا اسوہ اختیار کرنے والوں، آپ کی سنت پر عمل کرنے والوں، آپ کے صحابہ، ازواج، اولاد، غلاموں اور ان لوگوں سے محبت کرنے والوں سے محبت رکھے اور ان سے بغض رکھنے والوں سے بغض رکھے۔)

قاضی عیاضؒ شارح مسلم تحریر فرماتے ہیں:

"ومن توقيره -صلى الله عليه وسلم- وبره توقير أصحابه وبرهم ومعرفة حقهم والاقتداء بهم وحسن الثناء عليهم والاستغفار لهم والامساك عما شجر بينهم ومعاداة من عاداهم والاضراب عن أخبار المؤرخين وجهلة الرواة وضلال الشيعة والمبتدعين القادحة فى أحد منهم"(۲)

(آپ ﷺ کی توقیر و تعظیم میں یہ داخل ہے کہ آپ ﷺ کے صحابہ کی توقیر و تعظیم ہو، ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، ان کے حق کو پہچانا جائے، ان کی اقتدا کی جائے، ان کے لیے دعا و استغفار کیا جائے، ان کے آپسی نزاع سے کف لسان کیا جائے، ان کے دشمنوں سے دشمنی کی

---

(۱)أيضا (۲)الأساليب البديعة فى فضل الصحابة والشيعة: ۱/۲۲

جائے اور مؤرخین و جاہل راویوں اور گمراہ شیعوں اور اہل بدعت کی ان خبروں کو نظر انداز کیا جائے جو ان میں کسی کی بھی شان گھٹاتی ہوں۔)

ابن حزمؒ نے لکھا ہے:

"وأما الصحابة رضي الله عنهم فبخلاف هذا ولا سبيل الى أن يلحق أقلهم درجة أحد من أهل الأرض."(۱)

(صحابہ کا معاملہ اس کے برعکس ہے اور کوئی شکل نہیں کہ روئے زمین کا کوئی شخص ادنی صحابی کے درجے کو بھی پا سکے۔)

علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں:

"من صحب النبي صلى الله عليه وسلم ورآه ولو مرة فى عمره أفضل ممن يأتى بعده، وان فضيلة الصحبة لا يعدلها عمل."(۲)

(جس نے نبی کی صحبت پائی اور زندگی میں ایک بار بھی آپ کا دیدار کرلیا وہ بعد والوں سے افضل ہے، صحابیت کی فضیلت کے برابر کوئی عمل نہیں)

حضرات صحابہ کی عظمت و محبت کا تقاضا تھا کہ علماء امت نے ہمیشہ ان کے حالات کو قلمبند کرنے کا اہتمام کیا، مستقل جو کتابیں اس موضوع پر لکھی گئیں، ان میں ''الاصابہ'' علامہ ابن حجر کی، ''الاستیعاب'' علامہ ابن عبد البر مالکی، اور اخیر دور میں ''حیاۃ الصحابہ'' حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کی ممتاز اور مفید کتابیں ہیں، امام ذہبی جو فن رجال و تاریخ کے امام ہیں، ان کی مشہور و معرکۃ الآراء تصنیف ''سیر أعلام النبلاء'' کی ابتدائی جلدیں صحابہ کے حالات پر مشتمل ہیں، سید احمد شہید اکیڈمی کے لیے سعادت کی بات ہے کہ اکیڈمی کی طرف سے متعدد کتابیں اس موضوع پر شائع ہوئیں، برادر معظم حضرت مولانا سید عبد اللہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی ''محبت صحابہ'' اور ''محبت اہل بیت'' اور عزیز مکرم مولوی عبد العلیم ندوی رائے بریلوی کی دو کتابیں ''اخلاق صحابہ'' اور ''صحابہ کرام کا قبول اسلام'' کے واقعات اسی سلسلہ کی کتابیں ہیں۔

---

(۱) الفصل فى الملل والأهواء النحل: ۱۱۷/٤ (۲) الجامع لأحكام القرآن: ۱۷۱/٤

پیش نظر کتاب ''تاریخ اصلاح وتربیت'' کا دوسرا حصہ ہے، جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات کے لیے مخصوص ہے، اس کی جلد اول میں سیرت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے علاوہ خلفائے راشدین واہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کے حالات قلمبند ہوئے تھے، کتاب کے مصنف عزیز گرامی مولوی سید محمود حسن حسنی ندوی سلمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے تاریخ نویسی اور سوانح نگاری کا اچھا ذوق عطا فرمایا ہے، اور متعدد ضخیم کتابیں وہ ان موضوعات پر تصنیف کر چکے ہیں، ''تاریخ اصلاح وتربیت'' کی پہلی جلد شائع ہو کر مقبول ہو چکی ہے، امید ہے کہ یہ دوسری جلد بھی انشاء اللہ مقبول ہوگی اور یہ سلسلہ جلد تکمیل تک پہنچے گا، اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو قبول فرمائے، خاص طور پر اس جلد کو جو حضرات صحابہ کے حالات پر مشتمل ہے مفید تر بنائے۔

اخیر میں ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے جنھوں نے اس کتاب کی طباعت واشاعت میں حصہ لیا؛ خاص طور پر برادر محترم ضیاء عبداللہ صاحب زید لطفہ (صاحبزادہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ) کو جن کا خصوصی تعاون ادارہ کو حاصل ہوا، اللہ تعالیٰ سبھی معاونین کو بہتر سے بہتر جزا عطا فرمائے۔ آمین!

بلال عبدالحی حسنی ندوی

دائرہ شاہ علم اللہ، رائے بریلی

تاریخ: ۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مصنف

الحمد لله الذی بعث إلینا أشرف الرسل داعیاً إلی أقوم السبل وأنزل علیه الکتاب المجید وجعله فرقاناً بین الحق والباطل وهدیً للمتقین وبعثه لتعلیم کتابه وتبیین شرائعه وحکمه ولتربیة النفوس وتزکیة القلوب وجعل أصحاباً له وزراء ه فی عهده وخلفاء ه من بعده لتتم النعمة وتعم الرحمة وأرسله رحمة للعالمین وأشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمداً عبده ورسوله الذی لا نبی بعده والصلاة والسلام علیه وعلی آله وصحبه أجمعین وعلی من تبعهم بإحسان ودعا بدعوة الحق المبین إلی یوم الدین، أما بعد!

اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِیْ الْأُمِّیِّیْنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ یَتْلُوْ عَلَیْهِمْ آیَاتِهِ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ﴾

(وہی ذات اقدس ہے جس نے اَن پڑھوں میں ایک رسول بھیجا جو ان ہی میں سے ہے اور جو لوگوں پر اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک وصاف کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بنیادی مقصد ہدایت خلق، دعوت الی اللہ، تعلیم کتاب وحکمت، تبلیغ دین واحکام اسلام، تنفیذ شریعت، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ساتھ دین وشریعت کا رنگ چڑھانے کا وہ عظیم کام بھی انجام دیا جس کی

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خصوصیت سے دعا فرمائی تھی اور اللہ تعالیٰ نے وہ دعا قبول فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نسبت کو متعدی فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء واصحاب میں بھی یہ غیر معمولی تاثیر پیدا فرمائی کہ جو ان کی صحبت میں طلب صادق کے ساتھ بیٹھ جاتا وہ دل و دماغ کے تزکیہ اور نفس و روح کے تصفیہ کے ساتھ اٹھتا، اس طرح دین وشریعت کے علم کی برابر ایک جماعت عمل اور اتباع کی روح کے ساتھ حامل ہوتی رہی، اور جب جب دین میں زبان و ثقافت کے اثر اور عجم کے اختلاط اور قلعہ اسلام میں داخل ہونے والوں کی تہذیب اور فکر وعقیدہ اور عمل کے اثر سے فنی باتیں داخل ہونے لگیں جواز قبیل بدعات تھیں، ان کو ان ربانی اور نبوی نسبت رکھنے والوں نے دور کیا، اس میں سب سے زیادہ مؤثر چیز صحبت ثابت ہوئی، اور بیعت کا طریقہ بھی کارگر رہا، جس کے ذریعہ انسان اپنے کو اس عہد و پیمان کا پابند سمجھ لیتا ہے جو دین پر چلنے کے لیے باندھا جاتا ہے، اور اس کی ضرورت ان لوگوں کو زیادہ پڑتی ہے جن کو صحبت کے مواقع کم ملتے ہیں، تاکہ وہ غیبت اور دوری میں اس عہد و معاہدہ پر قائم رہیں، جو دین پر چلنے کا لیا گیا ہے، خلافت راشدہ چونکہ ظاہری و باطنی خلافت نبوت کی جامع حیثیت رکھتی تھی اور یہ کام خلیفہ راشد کے ذریعہ انجام پاتا تھا، خلیفۂ راشد کے بعد یہ نظام حکام اور صلحائے امت کے درمیان منقسم ہوگیا، اسلام میں اطاعت وانقیاد کی بڑی اہمیت وضرورت بیان کی گئی ہے، اس کا سب سے بڑا فائدہ نفس کی غلامی سے آزادی اور اللہ کی بندگی میں داخل ہونا ہے، کہ ارشاد ربانی ہے:

"أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ"

(اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے امیروں کی اطاعت کرو)

امیر کی اطاعت اسی صورت میں ہوگی جب اپنے معاملات میں انسان کسی کو امیر بنائے گا، دنیوی معاملات میں انتظامی طور پر امیر کی حیثیت حاکم کو حاصل ہوتی ہے، اور

تمدنی معاملات میں انسان کو اس کے احکام ونظام کا چاہے نہ چاہے پابند رہنا پڑتا ہے، اور اس کے لیے علماء امت نے سب سے اعلیٰ معیار یہ رکھا ہے کہ اس کی زندگی میں ربانیت اور اتباع سنت جلوہ گر ہو، اور ان میں اگر کئی ایسے ہیں تو جن سے قلب کو مناسبت ہو ان کا ساتھ پکڑ لیا جائے، جس طرح انسانوں کو اپنے قلب کی اصلاح اور زندگی کو شریعت کے مطابق گزارنے کے لیے کسی معیاری انسان کی رہنمائی کی ضرورت پڑتی ہے، جس نے کسی ربانی شخص کی رہنمائی میں رہ کر یہ مقام حاصل کیا ہو، دوسرے کی اصلاح، تعلیم وتبلیغ دین اور تزکیہ نفوس کے کام کے لیے بھی اسے اپنے سے بلند شخص کی ضرورت پڑتی ہے، تاکہ وہ اس میں حد سے تجاوز نہ کرے اور جو قدم اٹھائے اس میں وہ دوسرے ربانی شخص کا مجاز ہو کہ اجازت کے بغیر کوئی کام برکات کا حامل نہیں ہوتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونۂ حیات اہل ایمان کے لیے اللہ رب العالمین کے سامنے اپنے تقرب کا سب سے بڑا ذریعہ بنایا ہے اور چونکہ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تھی اور جو شریعت کے احکام نازل ہوتے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کو عملی طور پر مشاہدہ کر لیتے تھے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خود جو کرتے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا یا عدم رضا معلوم کر لیتے تھے اور وحی کے ذریعہ اس کا وزن و درجہ بھی ظاہر ہو جاتا تھا، اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہی جماعت وہ قدسی جماعت ہے جو معصوم تو نہیں لیکن اللہ کی محبوب اور معیار حق جماعت ہے، اور ان کی زندگی کے نمونوں میں ہدایت کا بڑا سامان اللہ نے رکھا ہے، عزیمت والوں کے لیے ان کی عزیمت کی زندگی، رخصت والوں کے لیے ان کی رخصت کی زندگی، توبہ والوں کے لیے ان کی توبہ، دعوت والوں کے لیے ان کی دعوت، جہاد والوں کے لیے ان کا جہاد، اہل محبت و درد کے لیے ان کا درد و محبت، اہل یقین و استقامت کے لیے ان کا صبر و استقامت اور یقین و ایمان، اہل حقوق کے لیے ان کے ادائے حقوق، اہل بیع و شراء کے لیے ان کا کاروبار، اہل

سیاست کے لیے ان کا نظام سیاست اور نظام معیشت، اہل صنعت وحرفت کے لیے ان کے پیشے اور کاریگری اور روحانی خلا پر کرنے کے لیے ان کا تعلق مع اللہ، ان کا ایمانی کردار اور ان کے اعلیٰ اور مثالی اخلاق اور اعلیٰ وامتیازی صفات ومحاسن نمونہ ہیں، اور درحقیقت یہ پوری جماعت منارۂ نور ہے، جس سے ہر دور میں اور ہر مقام پر روشنی حاصل کی جاتی رہے گی، اور یہ سب کچھ صحبت نبوی کا اعجاز اور تربیت نبوی کا پھل ہے، انھیں سمجھے بغیر اور ان کی روشنی حاصل کیے بغیر قرآن وحدیث اور دین وشریعت کو صحیح طور پر سمجھا نہیں جاسکتا اور جب جب ان کے بغیر اس کا تصور کیا گیا تو اس کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑا، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرت واخلاق اور شمائل مبارکہ کو پیش کرنے کے ساتھ آپ کے اصحاب وخلفاء کی سیرت کے بھی نقوش اور عائلی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے ضروری تھا کہ اہل بیت کرام (ازواج مطہرات وذریت طیبہ) رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بھی نقوش سیرت پیش کیے جائیں، جس کا بیشتر حصہ "تاریخ اصلاح وتربیت" کے پہلے حصہ میں قارئین ملاحظہ کرچکے ہیں، مزید اس کے دوسرے حصہ میں ہدیۂ ناظرین ہے، اسلام کے اس عہد اول کے ساتھ ضروری سمجھا گیا کہ اس کے عہد دوم وعہد سوم پر نظر پڑ جائے کہ اس پر بھی خیر القرون کا اطلاق ہوتا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی بھی ہے:

"خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ"

(سب سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر ان لوگوں کا جو میرے بعد ہیں، پھر ان لوگوں کا جو ان کے بعد ہیں)

مصنف کو اپنے اس تصنیفی سفر میں جن بزرگوں کی رہنمائی حاصل ہوئی، ان میں پہلا نام اپنے اور اپنے خاندان کے سرپرست اور ملت اسلامیہ کی پاسبان ہستی مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی قدس سرہ کا ہے، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم اور حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی نور اللہ

مرقدہ کی ہر ہر قدم پر رہنمائی رہی، پہلی جلد میں ان دونوں بزرگوں اور خال مکرم حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریظات شامل ہیں، پیش نظر جلد کے لیے حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی زیدہ مجدہم سے تقریظ کی گذارش کی تھی مگر انہوں نے کتاب کے اہم اجزاء ملاحظہ فرما کر جلد اول کی تقریظات کو کافی سمجھا کہ یہ جلد بھی گذشتہ جلد کے تتمہ کی حیثیت رکھتی ہے، جس میں سیرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین اور حضرات اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کا تفصیلی تذکرہ مستند حوالوں کے ساتھ آچکا ہے۔ فجزاهم الله تعالى خير الجزاء.

جہاں تک پیش نظر تصنیف اور سلسلۂ تاریخ اصلاح وتربیت کی دوسری کڑی کا تعلق ہے، بقیہ عشرۂ مبشرہ اور جماعت صحابہ کے مختلف صفات اور صلاحیتوں کے نمائندہ افراد کا تذکرہ ناظرین باتمکین کی خدمت میں پیش ہے۔ خال محترم مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی دام مجدہ کے پیش لفظ کے ساتھ سامنے ہے، اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسے شرف قبولیت عطا فرمائے اور جو خطا اور چوک ہوئی ہو اس سے درگذر فرمائے۔ آمین

مولانا اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی (نبیرہ حضرت مولانا احتشام الحسن کاندھلوی نور اللہ مرقدہ) اور مولانا سید محمد غفران ندوی (نواسہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندوی قدس سرہ) عزیز مکرم مولوی محمد نفیس خاں ندوی کا تعاون بھی غیر معمولی رہا، اس تناظر میں اگر عزیز گرامی مولوی محمد ارمغان ندوی بدایونی کا تذکرہ نہ کیا جائے تو بڑی ناانصافی ہوگی، انہوں نے کتاب کے آخری مرحلہ میں جو گرانقدر تعاون دیا، اس کے لیے مصنف کے پاس شکریہ کے الفاظ نہیں، سبھی کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے اور اس عمل کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین.

راقم آثم کے لیے بڑے عزوشرف کی بات یہ ہوئی کہ کتاب کا بڑا حصہ خانوادۂ

شرف (حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیری) کے بزرگ ہمارے مخدوم بزرگ مولانا شاہ تقی الدین فردوسی زیدہ مجدہ، اور ایک حصہ فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی زیدہ مجدہ اور برادر مکرم مولانا عبدالسبحان ناخدا ندوی حفظہ اللہ کی نظر عنایت سے گذرا، اور آپ نے حوصلہ افزا کلمات ارشاد فرمائے، جس کے لیے مصنف سراپا ممنون ومشکور ہے، اور اپنا یہ کام محض توفیق الٰہی کا نتیجہ واثر سمجھتا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ أنیب.

محمود حسن حسنی ندوی
دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

دوشنبہ ۲۸/ جمادی الاولی ۱۴۴۰ھ
۴/ فروری ۲۰۱۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز (☆)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین وعلی آلہ وصحبہ أجمعین ومن تبعھم بإحسان إلی یوم الدین، أما بعد!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت اور تاریخ اس قوت ایمانی اور جوش اسلامی کے طاقتور ترین سرچشموں میں سے ہے جس کو امت مسلمہ نے دل کی انگیٹھیوں کو سلگانے اور دعوت ایمان کے شعلہ کو تیز کرنے میں استعمال کیا ہے، جو مادیت کی تیز وتند آندھیوں سے بار بار سرد ہو جاتی ہیں اور اگر یہ انگیٹھیاں سرد ہو جائیں تو ملت اسلامیہ کے پاس قوت وتاثیر اور امتیاز کا سرمایہ نہ رہے اور یہ لاشہ بے جان ہو کر رہ جائے جس کو زندگی اپنے کاندھوں پر اٹھائے پھر رہی ہو۔

یہ ان مردان خدا کی تاریخ ہے کہ جب ان کے پاس اسلام کی دعوت پہنچی تو انھوں نے اس کو دل وجان سے قبول کیا اور اس کے تقاضوں کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔

"رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِياً يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا"

(اے ہمارے رب ہم نے ایک منادی کو سنا جو ایمان کی ندا لگا رہا ہے کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ، تو ہم ایمان لے آئے)

(☆) ماخوذ از: حیاۃ الصحابہ مؤلفہ: حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ، ترجمہ عربی: حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ، ترجمہ اردو: حضرت مولانا احسان الحق رائے ونڈ۔

اور اپنا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دے دیا، چنانچہ ان کے لیے اللہ کے راستہ کی مشقتیں معمولی اور جان و مال کی قربانی آسان ہوگئی، حتی کہ اس پر ان کا یقین محکم اور پختہ ہوگیا، اور بالآخر دل و دماغ پر چھا گیا، غیب پر ایمان، اللہ اور اس کے رسول کی محبت، اہل ایمان پر شفقت، کفار پر شدت، نیز آخرت کو دنیا پر، ادھار کو نقد پر، غیب کو شہود پر اور ہدایت کو جہالت پر ترجیح اور ہدایت عامہ کے بے پناہ شوق کے عجیب و غریب واقعات رونما ہونے لگے، اللہ کے بندوں کو غلامی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں لانے، مذاہب کے ظلم و جور سے اسلام کی عدل گستری میں پہنچانے، دنیا کی تنگیوں سے اس کی وسعتوں میں لے جانے اور دنیوی مال و متاع اور زیب و زینت سے بے پرواہ ہوجانے، اللہ سے ملنے اور جنت میں داخل ہونے کے شوق کے محیر العقول واقعات سامنے آنے لگے، انھوں نے اسلام کی نعمت کو ٹھکانے لگانے، اس کی برکتوں کو اقصائے عالم میں عام کرنے اور چپے چپے کی خاک چھاننے کے بے پایاں جذبات میں بلند ہمتی و دقیقہ رسی کے باعث اپنے گھر بار کو چھوڑا، راحت و آرام کو خیر باد کہا اور اپنی جان و مال کی قربانی سے بھی دریغ نہ کیا، حتی کہ دین کی بنیادیں قائم ہوگئیں، دل اللہ کی طرف مائل ہوگئے، اور ایمان کے ایسے مبارک، جانفزا اور طاقتور جھونکے چلے جس سے توحید و ایمان اور عبادت و تقویٰ کی سلطنت قائم ہوگئی، جنت کا بازار گرم ہوگیا، دنیا میں ہدایت عام ہوگئی، اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔

تاریخ کی کتابیں یہ واقعات اور قصے اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں، واقعات کے مجموعے ان سچے قصوں کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہیں، کیونکہ یہ واقعات اور قصے اپنے اندر مسلمانوں کے لیے حیات نو کا پیغام اور تجدید کا سامان رکھتے ہیں، اسی لیے اسلام کے اہل دعوت و اصلاح ان واقعات پر اپنی قوت و توجہ صرف کرتے رہے اور مسلمانوں کے اندر جوش ایمان کو بیدار کرنے، حمیت اسلامی پیدا کرنے اور ان کی ہمتوں پر مہمیز کا کام کرنے کے لیے استعمال کرتے رہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمدیؐ درس گاہ کے پروردہ وتربیت یافتہ (☆)

حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ

آیئے! ذرا مختلف انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرتوں پر غور کریں، بقول حضرت مسیح علیہ السلام: ''درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔'' (۱) درس گاہیں اپنے معنوی فرزندوں اور شاگردوں سے پہچانی جاتی ہیں، تعلیم انسانی کی ان درس گاہوں کا جن کے اساتذہ انبیاء علیہم السلام ہیں، جائزہ لیں تو پہلے تو کہیں دس بیس، کہیں ساٹھ ستر، کہیں سو دوسو، کہیں ہزار دو ہزار، کہیں پندرہ بیس ہزار طالب علم آپ کو ملیں گے، لیکن جب مدرسہ نبوت کی آخری تعلیم گاہ کو دیکھیں گے تو آپ کو ایک لاکھ سے زیادہ طالب علم بیک وقت نظر آئیں گے، پھر ان دوسری نبوت گاہوں کے طلباء کو اگر جاننا چاہیں کہ وہ کہاں کے تھے؟ کیسے تیار ہوئے؟ اور ان کے اخلاق وعادات، روحانی حالات اور دیگر سوانح زندگی کیا تھے؟ اور ان کی تعلیم وتربیت کے عملی نتائج کیسے ثابت ہوئے؟ تو آپ کو ان سوالات کا کوئی جواب نہیں مل سکتا، مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی درس گاہ میں ہر چیز آپ کو معلوم ہوسکتی ہے، اس کے ہر ایک طالب کا نام ونشان، حالات وسوانح، نتائج تعلیم و تربیت ہر چیز تاریخ اسلام کے اوراق میں ثبت ہے۔

آگے بڑھیے! نبوت اور دعوت مذہب کی ہر ایک درس گاہ کا آج یہ دعویٰ ہے کہ اس کے دروازے ہر قوم کے لیے کھلے ہوئے ہیں، مگر اس درس گاہ کے بانی اور معلم کی

(☆) ماخوذ از خطبات مدراس ص ۹۴-۱۰۲ مطبوعہ دار الکتاب دیوبند (۱) لوقا: باب: ۷، جملہ: ۴۳-۴۵

سیرت پڑھیے کہ کیا اس کے عہد میں کسی ایک ہی ملک، ایک ہی نسل، ایک ہی خاندان کے طالب علم اس میں داخل ہوئے اور ان کو داخلہ کی اجازت دی گئی، یا ان کی دعوت میں یہ عموم، جامعیت اور عالمگیری تھی کہ نسل آدم کا ہر ایک فرزند اور ارض خاکی کا ہر ایک باشندہ اس میں عملاً داخل ہو سکا یا اس کو داخل ہونے کے لیے آواز دی گئی؟ تورات کے تمام انبیاء ملک عراق یا ملک شام یا ملک مصر سے آگے نہیں بڑھے، یعنی اپنے وطن میں جہاں وہ رہتے تھے، محدود رہے، اور اپنی نسل وقوم کے سوا غیروں کو انھوں نے آواز نہیں دی، زیادہ تر ان کی کوششوں کا مرکز صرف اسرائیل کا خاندان رہا، عرب کے قدیم انبیاء بھی اپنی اپنی قوموں کے ذمہ دار تھے، وہ باہر نہیں گئے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مکتب میں بھی غیر اسرائیلی طالب علم کا وجود نہ تھا، وہ صرف ''اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش میں تھے'' (۱) اور غیروں کو تعلیم دے کر وہ ''بچوں کی روٹی کتوں کے آگے ڈالنا پسند نہیں کرتے تھے۔'' (۲) ہندوستان کے داعی پاک آریہ ورت سے باہر جانے کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتے تھے، اگرچہ بدھ کے پیرو بادشاہوں نے اس کے پیغام کو باہر کی قوموں تک پہنچایا، مگر یہ عیسائیوں کی طرح بعد کے پیروؤں کا فعل تھا، خود داعی مذہب کی سیرت اس عالمگیری اور جامعیت کی مثال سے خالی ہے۔

اب آیئے! ذرا عرب کے اس امی معلم کی درس گاہ کا مطالعہ کریں کہ یہ کون طالب ہیں؟ یہ ابوبکر وعمر، علی وعثمان، طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم وغیرہ مکہ کے قریشی طالب علم ہیں۔ یہ کون ہیں؟ ابوذر اور انیس رضی اللہ عنہما ہیں، یہ مکہ سے باہر تہامہ کے غفاری قبیلہ کے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ ابوہریرہ اور طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہما ہیں، یمن سے آئے ہیں اور دوسی قبیلہ کے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ ابوموسی اشعری اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما ہیں، یہ بھی یمن سے آئے ہیں اور دوسرے قبیلوں کے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ ضماد بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ ہیں، قبیلہ ازد کے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ خباب بن الارت رضی اللہ عنہ قبیلہ تمیم کے ہیں۔ یہ منقذ بن حبان اور منذر بن عائذ رضی اللہ عنہما ہیں، قیس کے

---

(۱) متی باب: ۷، آیت: ۲۴ (۲) انجیل

قبیلہ کے ہیں اور بحرین سے آئے ہیں۔ یہ عبید و جعفر رضی اللہ عنہما عمان کے رئیس ہیں، یہ فروہ رضی اللہ عنہ ہیں، یہ معان یعنی حدود شام کے رہنے والے ہیں۔ یہ کالے کالے کون ہیں؟ یہ بلال رضی اللہ عنہ ہیں، ملک حبش والے۔ یہ کون ہیں؟ یہ صہیب رومی رضی اللہ عنہ کہلاتے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ ایران کے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ سخبت اور مرکبود رضی اللہ عنہما ہیں، نسلاً ایرانی ہیں۔

حدیبیہ کی صلح ۶ھ میں وہ عہد نامہ مرتب کراتی ہے جو اسلام کا عین منشاء ہے، یعنی قریش اور مسلمان دونوں فریق جنگ موقوف کریں اور مسلمان جہاں چاہیں اپنے مذہب کی دعوت دیں، اس دل خواہ کامیابی کے بعد پیغمبر اسلام علیہ السلام نے کیا کیا؟ اسی سال ۶ھ میں تمام قوموں کے سلاطین اور امراء کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے اور ان کو خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچایا۔ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ ہرقل قیصر روم کی بارگاہ میں، حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ خسرو پرویز شہنشاہ ایران کے دربار میں، حضرت حاطب بن بلتعہ رضی اللہ عنہ مقوقس عزیز مصر کے یہاں، حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ حبش کے بادشاہ نجاشی کے پاس، حضرت شجاع بن وہب الاسدی رضی اللہ عنہ شام کے رئیس حارث غسانی اور حضرت سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ رؤسائے یمامہ کے درباروں میں پیغمبر اسلام کے خطوط لے کر جاتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی درسگاہ میں داخلہ کا اذن عام ہے۔

حضرات! اس واقعہ سے درسگاہ محمدی کی جامعیت کا یہ پہلو نمایاں ہے کہ اس میں داخلہ کے لیے رنگ روپ، ملک و وطن، قوم و نسل اور زبان و لہجہ کا سوال نہ تھا، بلکہ وہ دنیا کے تمام خانوادوں، تمام قوموں، تمام ملکوں اور تمام زبانوں کے لیے عام تھی۔ ع

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

اب آیئے! اس درسگاہ کی حیثیت اور درجہ کا پتہ لگائیں، کیا وہ اسکول اور کالج ہے جہاں ایک ہی فن کی تعلیم ہوتی ہے یا اس کی حیثیت ایک جامع اور عمومی درسگاہ اور عظیم الشان یونیورسٹی کی ہے، جہاں ذوق، مناسبت طبع اور استعداد کے مطابق ہر ملک

کے لوگوں کو اور ہر قوم کے افراد کو الگ الگ تعلیم ملتی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم گاہ کو دیکھئے، وہاں صرف فوج کے سپاہی اور یوشع جیسے فوجی افسر اور قاضی اور کچھ مذہبی عہدہ دار پائے جاتے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے طالب علموں کو تلاش کریئے، چند زہد پیشہ فقراء فلسطین کی گلیوں میں ملیں گے، مگر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں کیا نظر آئے گا؟ ایک طرف اصحمہ رضی اللہ عنہ حبش کا نجاشی بادشاہ، فروہ رضی اللہ عنہ معان کا رئیس، ذوالکلاع رضی اللہ عنہ حمیر کا رئیس، عامر بن شہر رضی اللہ عنہ قبیلہ ہمدان کا رئیس، فیروز دیلمی اور مرکبود رضی اللہ عنہما یمن کے رئیس، عبید و جعفر رضی اللہ عنہما عمان کے رئیس۔ دوسری طرف بلال، یاسر، صہیب، خباب، عمار اور ابوفکیہہ رضی اللہ عنہم کے غلام اور سمیہ، لبینہ، زنیرہ، نہدیہ اور ام عبیس رضی اللہ عنہن کی سی لونڈیاں ہیں۔ غور سے دیکھئے، امیر و غریب، شاہ و گدا، آقا و غلام دونوں ایک صف میں کھڑے ہیں۔

ایک طرف عقلائے روزگار، اسرار فطرت کے محرم، دنیا کے جہانباں اور ملکوں کے فرمانروا اور اس درسگاہ سے تعلیم پا کر نکلے ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں، حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ہیں، جنھوں نے مشرق سے مغرب تک، افریقہ سے ہندوستان کی سرحد تک فرماں روائی کی اور ایسی فرماں روائی جو دنیا کے بڑے سے بڑے شہنشاہ اور حکمراں کی سیاست و تدبیر اور نظم و نسق کے کارناموں کو منسوخ کر دیتی ہے، ان کے عدل و انصاف کے فیصلے ایرانی دستور اور رومی قانون کو بے اثر کر دیتے ہیں اور دنیا کی سیاسی و انتظامی تاریخ میں وہ درجہ حاصل کر لیتے ہیں جن کی مثال نہیں پیش کی جا سکتی۔

دوسری طرف حضرت خالد بن ولید، سعد بن ابی وقاص، ابوعبیدہ بن جراح، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم پیدا ہوتے ہیں، جو مشرق و مغرب کی دو ظالم و گناہگار اور انسانیت کے لیے لعنت سلطنتوں کا چند سال میں مرقع الٹ دیتے ہیں اور دنیا کے وہ فاتح اعظم اور سپہ سالار اکبر ثابت ہوتے ہیں، جن کے فاتحانہ کارناموں کی دھاک

آج بھی دنیا میں بیٹھی ہوئی ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عراق وایران کا تاج شہنشاہی اتار کر اسلام کے قدموں پر ڈال دیا۔ حضرت خالد اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما نے رومیوں کو شام سے نکال کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی موعودہ زمین کی امانت مسلمانوں کو سپرد کردی۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرعون کی سرزمین وادیٔ نیل رومن شہنشاہی کے ہاتھوں سے زبردستی چھین لی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر اور ابن ابی سرح رضی اللہ عنہما نے افریقہ کا میدان دشمنوں سے جیت لیا، یہ وہ مشہور فاتح اور سپہ سالار ہیں جن کی قابلیتوں کو زمانہ نے تسلیم کیا ہے اور تاریخ نے ان کی بزرگی کی شہادت دی ہے۔

تیسری طرف باذان بن ساسان رضی اللہ عنہ (یمن)، خالد بن سعید رضی اللہ عنہ (صنعاء)، مہاجر بن امیر رضی اللہ عنہ (کندہ)، زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ (حضرموت)، عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ (نجران)، یزید بن ابی سفیان (تیماء) اور علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہما (بحرین) وغیرہ بیسیوں وہ صحابہ ہیں جنھوں نے صوبوں اور شہروں کی کامیاب حکومت کی اور خلق خدا کو آرام پہنچایا۔

چوتھی طرف علماء اور فقہاء کی صف ہے، حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت عمرو ابن العاص، حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ، حضرت ابی بن کعب، حضرت معاذ بن جبل، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہ ہیں، جنھوں نے اسلام کے فقہ وقانون کی بنیاد ڈالی اور دنیا کے مفتین میں انھوں نے خاص درجہ پایا۔

پانچویں صف عام ارباب روایت وتاریخ کی ہے، مثلاً حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت انس بن مالک، حضرت ابوسعید خدری، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرات براء بن عازب رضی اللہ عنہم وغیرہ

سیکڑوں صحابہ ہیں جو احکام و وقائع کے ناقل اور راوی ہیں۔

چھٹی جماعت ان ستر صحابہ (اہل صفہ) کی ہے جن کے پاس سر رکھنے کے لیے مسجد نبوی کے چبوترہ کے سوا کوئی جگہ نہ تھی، بدن پر کپڑوں کے سوا دنیا میں ان کی کوئی ملکیت نہ تھی، وہ دن کو جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور ان کو بیچ کر خود کھاتے، کچھ خدا تعالیٰ کی راہ میں دیتے اور رات کو طاعت و عبادت میں بسر کرتے تھے۔

ساتواں رخ دیکھئے! حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ہیں، جن کے مانند آسمان کے نیچے ان سے زیادہ حق گو کوئی پیدا نہیں ہوا، ان کے نزدیک آج کا کھانا کل کے لیے اٹھا رکھنا بھی شان توکل کے خلاف تھا، ان کو دربار رسالت نے ''مسیح الاسلام'' کا خطاب عنایت کیا تھا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں جو زہد و تقویٰ کی تصویر ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں جنھوں نے تیس برس کامل طاعت و عبادت میں گزارے اور جب ان کے سامنے خلافت پیش ہوئی تو فرمایا کہ اگر اس میں مسلمانوں کا ایک قطرہ بھی خون گرے تو مجھے منظور نہیں۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ہیں جو اسلام سے پہلے قاقم و حریر کے کپڑے پہنتے اور ناز و نعمت میں پلے تھے اور جب اسلام لائے تو ٹاٹ اوڑھتے تھے اور پیوند لگے کپڑے پہنتے تھے اور جب شہادت پائی تو کفن کے لیے پورا کپڑا تک نہ ملا، پاؤں پر گھاس ڈال کر دفن کیے گئے۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ جو اسلام کے پہلے صوفی کہلاتے ہیں۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ جو فتنہ کے زمانہ میں کہتے تھے کہ اگر کوئی مسلمان تلوار لے کر میرے حجرے میں میرے قتل کرنے کو داخل ہو جائے تو میں اس پر وار نہ کروں گا۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ ہیں جن کی راتیں نمازوں میں اور دن روزوں میں گزرتے تھے۔

ایک اور طرف دیکھئے! یہ بہادر کارپردازوں اور عرب کے مدبرین کی جماعت ہے، اس میں حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت مغیرہ، حضرت مقداد، حضرت سعد بن معاذ، حضرت سعد بن عبادہ، حضرت اسید بن حضیر، حضرت اسعد بن زرارہ، حضرت

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ کاروباری دنیا میں دیکھئے تو مکہ کے تاجر اور بیوپاری اور مدینہ کے کاشتکار اور کسان بھی ہیں، اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن زبیر رضی اللہ عنہما جیسے دولت مند بھی ہیں۔

ایک جماعت، حق کے شہیدوں اور بے گناہ مقتولوں کی ہے، جنھوں نے خداتعالیٰ کی راہ میں اپنی عزیز جانیں قربان کیں، مگر حق کا ساتھ چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر سے فرزند حضرت ہالہ رضی اللہ عنہ تلواروں سے قیمہ کیے گئے۔ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ، ابوجہل کی برچھی کھا کر ہلاک ہوئیں۔ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کفار کے ہاتھ سے اذیت اٹھاتے اٹھاتے مر گئے، حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے سولی پر جان دے دی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے تلوار کے سامنے گردن پیش کر دی۔ حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ اور ان کے ۶۹ رفقاء نے بیر معونہ پر عصیہ، رعل اور ذکوان کے قبائل کے ہاتھوں بے کسی کے ساتھ جام شہادت پیا۔ واقعہ رجیع میں حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اور ان کے سات رفیقوں کے بدن بنولحیان کے سو تیر اندازوں کے تیروں سے چھلنی ہوئے۔ ۷ھ میں ابن ابی العوجاء رضی اللہ عنہ کے ۴۹ رساتھی قبیلہ بنوسلیم کے ہاتھوں شہید ہوئے، حضرت کعب بن عمر غفاری مع اپنے ساتھیوں کے ذاتِ اطلاع کے میدان میں شہید ہوئے۔

دنیا کے ایک مشہور مذہب کو صرف ایک سولی پر ناز ہے، لیکن دیکھو کہ اسلام میں کتنی سولیاں، کتنے مذبح اور کتنے مقتل ہیں۔ تلوار کی دھار ہو کہ برچھی کی انی، یا سولی کی لکڑی، بہرحال یہ ایک آنی تکلیف ہے، اس سے زیادہ استقلال اور اس سے زیادہ صبر و آزمائش کی وہ زندگیاں ہیں جو سالہا سال حق کی مصیبتوں میں گرفتار ہیں، جنھوں نے آگ کے شعلوں اور گرم ریت کے فرش پر آرام کیا اور پتھر کی سلوں کو اپنے سینوں پر رکھا، جن کے گلوں میں رسیاں ڈال کر گھسیٹی گئیں اور جب پوچھا گیا تو وہی حضرت

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ ان کی زبانوں پر تھا، شعب ابی طالب کی قید میں تین برس تک جنھوں نے طلح (ایک درخت) کے پتے کھا کھا کر زندگی بسر کی، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک رات ایک سوکھا چمڑا مل گیا، بھوک کی شدت کی وجہ سے اسی کو دھو کر آگ پر بھون کر کھایا، حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم سات مسلمان تھے، ان غیر فطری غذاؤں کو کھا کھا کر ہمارے منہ زخمی ہو گئے۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ جب اسلام لائے تو کافروں نے ان کو دہکتے ہوئے کوئلوں پر لٹایا، یہاں تک کہ یہ دہکتے ہوئے انگارے ان کی چربی سے بجھ گئے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ دوپہر کی جلتی ریت پر لٹائے جاتے اور سینہ پر پتھر کی سل رکھ دی جاتی، ان کے گلے میں رسی باندھی جاتی اور گلی گلی ان کو گھسیٹا جاتا۔ حضرت ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ کو ان کے پاؤں میں رسی باندھ کر زمین پر گھسیٹا جاتا، ان کا گلا دبایا جاتا، ان کے سینہ پر اتنا بھاری پتھر رکھا گیا کہ زبان نکل پڑی۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ جلتی ریت کے فرش پر لٹائے جاتے اور مارے جاتے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ان کا چچا چٹائی میں لپیٹ کر ناک میں دھواں دیتا۔ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ رسیوں میں باندھ کر پیٹے جاتے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے چچا نے رسی میں باندھ کر مارا۔ یہ سب کچھ تھا، مگر جو نشہ چڑھ چکا تھا وہ اترتا نہ تھا؟ یہ کیسا نشہ تھا؟ یہ ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وسلم کے خم خانۂ جاوید کا نشہ تھا۔

عزیزو! غور کا مقام ہے، یہ وہی وحشی عرب، وہی بت پرست عرب، وہی بداخلاق عرب ہیں، یہ کیا انقلاب ہو گیا تھا؟ ایک امی کی تعلیم، جاہل عربوں کو عاقل، روشن دل، روشن دماغ اور مقنن کیونکر بنا گئی؟ ایک نہتے پیغمبر کا ولولۂ تبلیغ، کسمپرس عربوں کو سپہ سالار اور بہادر بنا کر نئے زور و قوت کا خزانہ کیسے عطا کر گیا؟ جو خدا کے نام سے بھی آشنا نہ تھے، وہ ایسے شب زندہ دار، عابد، متقی اور اطاعت گزار کیونکر ہو گئے؟ تم نے درسگاہ محمدی یا مدینہ یونیورسٹی کی پوری سیر کر لی، ہر رنگ اور ہر مذاق

کے طالب علم دیکھے، عالم بھی دیکھے، مقنن بھی دیکھے، فوجی بھی دیکھے، قاضی عدالت بھی دیکھے، حکام اور والی بھی دیکھے، غریب و مسکین بھی دیکھے، شاہ و امیر بھی دیکھے، غلام بھی دیکھے، آقا بھی دیکھے، لڑنے والی بھی دیکھے، مرنے والے بھی دیکھے، راہ حق کے شہیدوں کو بھی دیکھا، تم نے کیا فیصلہ کیا؟

اس کے سوا کیا فیصلہ ہوسکتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات، انسانی کمالات اور صفات حسنہ کا ایک کامل مجموعہ تھی، اور یہ سب ان ہی کی جامعیت کی نیرنگیاں اور جلوہ آرائیاں تھیں، جو کبھی صدیق و فاروق ہوکر چمکتی تھیں، کبھی ذوالنورین اور مرتضیٰ ہوکر نمایاں ہوتی تھیں، کبھی خالد اور ابوعبیدہ اور کبھی سعد و جعفر طیار ہوکر سامنے آتی تھیں، کبھی ابن عمر اور ابوذر اور سلمان اور ابودرداء ہوکر مسجد و محراب میں نظر آتی تھیں، کبھی ابن عباس، ابی بن کعب، زید بن ثابت اور عبداللہ بن مسعود کی صورت میں علم و فن کی درسگاہ اور عقل و حکمت کا دبستاں بن جاتی تھیں، اور کبھی بلال و صہیب اور عمار و خبیب کی امتحان گاہوں میں تسلی کی روح اور تسکین کا پیام بن جاتی تھیں، گویا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک آفتاب عالمتاب تھا، جس سے اونچے پہاڑ، ریتیلے میدان، بہتی نہریں، سرسبز کھیت، اپنی اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق تابش اور نور حاصل کرتے تھے، یا ابر باراں تھا جو پہاڑ اور جنگل، میدان اور کھیت، ریگستان اور باغ ہر جگہ برستا تھا اور ہر ٹکڑا اپنی اپنی استعداد کے مطابق سیراب ہو رہا تھا اور قسم قسم کے درخت اور رنگارنگ پھول اور پتے جم رہے تھے اور اُگ رہے تھے۔

ان نیرنگیوں کے ساتھ اور اس اختلاف استعداد کے باوجود ایک چیز تھی جو مشترک طور سے سب میں نمایاں تھی، وہ ایک بجلی تھی جو سب میں کوند رہی تھی، ایک روح تھی جو سب میں تڑپ رہی تھی، وہ بادشاہ ہوں یا گدا، امیر ہوں یا غریب، حاکم ہوں یا محکوم، قاضی ہوں یا گواہ، افسر ہوں یا سپاہی، استاذ ہوں یا شاگرد، عابد و زاہد ہوں یا کاروباری، غازی ہوں یا شہید، توحید کا نور، اخلاص کی رَو، قربانی کا ولولہ، خلق

کی ہدایت اور رہنمائی کا جذبہ اور بالآخر ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا طلبی کا جوش ہر ایک کے اندر کام کر رہا تھا، وہ جو کچھ بھی ہوں، جہاں بھی ہوں اور جو بھی کر رہے ہوں، یہ فیضان حق سب میں یکساں اور برابر تھا، راستوں، رنگتوں اور مذاقوں کا اختلاف تھا، مگر خدا ایک تھا، قرآن ایک تھا، رسول ایک تھا، اور قبیلہ ایک تھا، ہر رنگ، ہر راستہ اور ہر کام سے مقصود دنیا کی درستی، خلق کی ہمدردی، خدا تعالیٰ کے نام کی اونچائی اور حق کی ترقی تھی اور اس کے سوا کوئی چیز ان کے پیش نظر نہ تھی۔

اللهم صلّ عليه وسلم وعلى آله وأصحابه أجمعين.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

آیات مبارکہ

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَاناً سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْراً عَظِيماً﴾ (الفتح:۲۹)

(محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر زور آور ہیں اور آپس میں مہربان ہیں آپ انھیں رکوع اور سجدہ کرتے دیکھیں گے، اللہ کا فضل اور خوشنودی چاہتے ہیں ان کی علامتیں سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں ان کی یہ مثال تورات میں ہے اور انجیل میں ان کی مثال یہ ہے جیسے کھیتی ہو جس نے اکھوا نکالا پھر اس کو مضبوط کیا پھر وہ موٹا ہوا پھر اپنے تنے پر کھڑا ہو گیا

کھیتی کرنے والوں کو بھانے لگا تا کہ وہ ان سے انکار کرنے والوں کو جھلادے، ان میں سے جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کیے ان سے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے)

اور ارشاد ہے:

﴿وَالسَّابِقُونَ الأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّهُ عَنْهُمْ وَرَضُواْ عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَداً ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ (التوبة: ۱۰۰)

(اور مہاجرین وانصار میں سے پہلے سبقت کرنے والے اور جنھوں نے بہتر طریقہ پر ان کی پیروی کی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسی جنتیں تیار کر رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، اسی میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے یہی بڑی کامیابی ہے)

اور ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُواْ وَهَاجَرُواْ وَجَاهَدُواْ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَالَّذِينَ آوَواْ وَّنَصَرُواْ أُوْلَـئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ (الانفال: ۷۲)

(بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے پناہ دی اور مدد کی وہ سب ایک دوسرے کے دوست ہیں)

اور آگے ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُواْ وَهَاجَرُواْ وَجَاهَدُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَالَّذِينَ

آوَواْ وَّنَصَرُواْ أُولَـئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقّاً لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ﴾ (الانفال:٧٤)

(اور جو ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستہ میں جہاد کیا اور جنھوں نے پناہ دی اور مدد کی وہی حقیقت میں ایمان والے ہیں ان کے لیے مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے)

اور ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُواْ مِن بَعْدُ وَهَاجَرُواْ وَجَاهَدُواْ مَعَكُمْ فَأُوْلَـئِكَ مِنكُمْ﴾ (الأنفال:٧٥)

(اور جو بعد میں ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور آپ کے ساتھ جہاد کیا تو وہ بھی آپ میں شامل ہیں)

اور ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحاً قَرِيباً﴾ (الفتح: ١٨)

(اللہ ایمان والوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے تو اس نے ان کے دلوں کو پرکھ لیا پھر ان پر سکون اتارا اور قریب ہی ایک فتح انعام میں دی)

اور ارشاد ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْماً يُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءهُمْ أَوْ أَبْنَاءهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُوْلَـئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُوْلَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (المجادلة:۲۲)

(جولوگ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو ایسا نہیں پائیں گے کہ وہ ان لوگوں سے دوستیاں کرتے ہوں جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے قبیلے کے لوگ ہوں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش کر دیا ہے اور اپنی خاص رحمت سے ان کی تائید فرمائی ہے اور وہ ان کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ان ہی میں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، یہ لوگ ہیں اللہ کی جماعت، یاد رکھو! اللہ کی جماعت ہی مراد کو پہنچنے والی ہے)

اور مہاجرین کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَاناً وَيَنصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُوْلَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ﴾ (الحشر:۸)

(یہ مال فئے) ان وطن چھوڑنے والے مفلسوں کا بھی ہے جن کو ان کے گھروں سے اور مالوں سے نکالا گیا، وہ صرف اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں)

اور انصار کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّؤُوا الدَّارَ وَالإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ

إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (الحشر:۹)

(اور جو ایمان کے ساتھ پہلے ہی سے اس جگہ (یعنی مدینہ) میں مقیم ہیں، جو ان کی طرف ہجرت کر کے آتا ہے اس سے محبت کرتے ہیں اور جو ان کو دیا جاتا ہے یہ اپنے جی میں اس کی خواہش بھی محسوس نہیں کرتے اور وہ اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں خواہ خود تنگدستی کا شکار ہوں اور جو بھی اپنے جی کی لالچ سے بچالیا گیا تو ایسے لوگ ضرور کامیاب ہیں)

اور ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (الحشر:۱۰)

(اور جو ان کے بعد آئے، وہ یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہماری مغفرت فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرما جو ایمان میں ہم سے آگے گئے اور ایمان والوں کے بارے میں ہمارے دلوں میں کچھ بھی کپٹ نہ رکھ، یقیناً تو بڑا مہربان نہایت رحم فرمانے والا ہے)

مذکورہ بالا آیات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اللہ رب العالمین کے یہاں مقرب و برگزیدہ اور دین کا ناصر و حامی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فدائی و جاں نثار ہونے اور آپس میں ایک دوسرے کے لیے نہایت رحم دلی، خیر خواہی، ایثار و تعاون اور محبت والفت سے پیش آنے کے لیے شاہد عدل ہیں، اور یہ پیغام دیتی ہیں کہ سبھی صحابہ کے دل بالکل صاف اور ان کے نفوس بالکل شفاف اور ان کا ایمان و یقین بڑا قوی و کامل تھا۔

احادیث مبارکہ

احادیث مبارکہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جو فضائل ومناقب معلوم ہوتے ہیں وہ مجموعی طور پر تمام صحابہ پر منطبق ہوتے ہیں، اور عہد بہ عہد افراد کے مجموعہ پر بھی صادق آتے ہیں، اور انفرادی طور پر بھی بعض اعمال میں سبقت لے جانے کے نتیجہ میں اور سبقت الی الاسلام کے باعث الگ الگ بھی کسی ایک کے متعلق ظاہر کیے گئے، اور کسی سبب اور پس منظر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی فضیلت ظاہر فرمائی، جیسے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ نے اشارہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"ولما كان لأبي بكر الصديق رضي الله عنه من مزية الصحبة ما تميز به على جميع الصحابة خصه بذلك في الحديث الصحيح الذى رواه البخاري عن أبي الدرداء أنه كان بين أبي بكر وعمر كلام فطلب أبوبكر من عمر أن يستغفر له فامتنع عمر وجاء أبوبكر إلى النبي صلى الله عليه وسلم فذكر له ما جرى ثم إن عمر ندم فخرج يطلب أبا بكر في بيته فذكر له أنه كان عند النبى صلى الله عليه وسلم فلما جاء عمر أخذ النبي صلى الله عليه وسلم يغضب لأبي بكر وقال: أيها الناس إنى جئت إليكم فقلت: إني رسول الله إليكم، فقلتم: كذبت، وقال أبو بكر: صدقت، فهل أنتم تاركوا لي صاحبي، فهل أنتم تاركوا لي صاحبي؟"(۱)

(حدیث صحیح سے جو صحیح بخاری کی روایت حضرت ابوبکر صدیقؓ کا سبھی صحابہ پر امتیاز ظاہر ہوتا ہے، حضرت ابو درداءؓ سے مروی ہے کہ

(۱) مجموع فتاوی ابن تیمیہ ۳۵/۶۱ ط: ریاض

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے درمیان کچھ بات ہوگئی تھی تو حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے معافی مانگی، حضرت عمر نے کوئی جواب نہیں دیا، اس پر حضرت ابوبکرؓ نے آنحضور ﷺ کو ماجرا سنایا، حضرت عمر کو ندامت ہوئی اور وہ حضرت ابوبکر کو تلاش کرتے ہوئے حضرت ابوبکر کے گھر پہنچے، معلوم ہوا حضرت ابوبکرؓ تو رسول اللہ ﷺ کے پاس ہیں، وہاں حضرت عمر حاضر ہوئے تو آنحضور ﷺ کو دیکھا کہ حضرت ابوبکر کے لیے ناراض ہیں اور وہاں لوگوں سے مخاطب ہیں کہ اے لوگو! میں تمہارے پاس آیا، میں نے تم لوگوں سے کہا کہ میں اللہ کا رسول ہوں، تم لوگوں نے کہا کہ آپ صحیح نہیں کہتے، اور ابوبکر نے کہا کہ صحیح کہتے ہیں، تو کیا تم میرے ایسے ساتھی کو چھوڑ دو گے، تو کیا: میرے ایسے ساتھی کو چھوڑ دو گے)

اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے سلسلہ میں حدیث ذکر کی ہے:

"وقد ثبت في الصحيحين عن أبي سعيد الخدري عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: لا تسبوا أصحابي، فوالذي نفسي بيده لو أنفق أحدكم مثل أحد ذهبا ما بلغ مد أحدهم ولا نصيفه."

(صحیحین بخاری و مسلم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے نبی کریم ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے ساتھیوں کو برا نہ کہو، بخدا (جس کے قبضہ میں میری جان ہے) تم میں اگر کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے ان کے (یعنی شروع کے ساتھیوں کے) ایک مد اور (بلکہ) آدھے مد کے برابر جو انہوں نے خرچ کیا، اس کو نہیں پا سکے گا)

اور پھر لکھا ہے کہ:

"قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی حدیث أبی سعید المتقدم لخالد بن الولید لما اختصم ھو وعبد الرحمن "یا خالد لا تسبوا أصحابی فوالذی نفسی بیدہ لو أنفق أحدکم مثل أحد ذھبا ما بلغ مد أحدھم ولا نصیفہ، فإن عبد الرحمن بن عوف ھو و أمثالہ من السابقین الأولین من الذین أنفقوا قبل الفتح فتح الحدیبیة، وخالد بن الولید وغیرہ ممن أسلم بعد الحدیبیة وأنفقوا وقاتلوا دون أولئك قال تعالیٰ:﴿لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُوْلَـئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى﴾والمراد بالفتح فتح الحدیبیة لما بایع النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم أصحابہ تحت الشجرة وکان الذین بایعوہ أکثر من ألف وأربع مائة، وھم الذین فتحوا خیبر وقد ثبت في الصحیح عن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم أنہ قال: "لا یدخل النار أحد بایع تحت الشجرة"(۱)

(نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو سعید خدری والی روایت میں جو گذری، حضرت خالد بن ولید سے کہی تھی جب ان سے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف سے نوک جھونک ہوگئی تھی، اس لیے کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف اور ان جیسے دوسرے صحابہ سابقین اولین میں اور ان لوگوں میں ہیں جنہوں نے صلح حدیبیہ سے پہلے دین کے لیے خرچ کیا تھا، اور حضرت خالد بن الولید حدیبیہ کے بعد ایمان لائے، قرآن کریم نے ان دونوں طبقوں کے بارے میں واضح فیصلہ فرمادیا ہے کہ فتح سے پہلے راہ خدا میں خرچ کرنے اور جہاد کرنے والے اور

(۱) بحوالہ سابق ص/ ۵۸-۶۰

بعد والے برابر نہیں ہو سکتے، جب کہ اللہ کا دونوں سے اچھا وعدہ ہے، فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے، جب درخت کے نیچے صحابہ نے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، اور وہ ۱۴ سو سے زیادہ تھے، اور یہی خوش نصیب حضرات فاتح خیبر ہیں اور نبی کریم ﷺ کی حدیث صحیح ہے درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں کسی کو آگ نہیں چھوئے گی)

اسی طرح امام ابن تیمیہؒ نے یہ واقعہ بھی ذکر کیا ہے کہ جب حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کی شان میں کسی نے سخت بات کہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"كذبت، إنه شهد بدرا والحديبية"

(تم نے غلط کہا، وہ تو بدر اور حدیبیہ میں ساتھ رہے ہیں)

اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے تعلق سے لکھا کہ:

"وكما ثبت عنه أيضا في الصحيح أنه قال عن الحسن ابنه: "إن ابني هذا سيد وسيصلح الله به بين طائفتين عظيمتين من المسلمين" فأصلح الله به بين شيعة علي وشيعة معاوية، وأثنى النبي صلى الله عليه وسلم على الحسن بهذا الصلح الذي كان على يديه وسماه سيدا بذلك، لأجل أن ما فعله الحسن يحبه الله ورسوله ويرضاه الله ورسوله"(۱)

(صحیح کی روایت سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے نواسہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ میرا یہ بیٹا سید (سردار) ہے، اور وہ وقت دور نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا، (چنانچہ ایسا ہی ہوا) کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گروہ اور حضرت

(۱) ایضاً ص/۷۰

معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ کے درمیان ان کے ذریعہ صلح کرائی، اور نبی کریم ﷺ نے اسی تعلق سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی تعریف فرمائی ہے، اور ان کو اسی تعلق سے ''سید'' کا خطاب دیا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا عمل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو خوش کرنے والا اور پسندیدہ تھا)

شرف صحابیت کے لیے امام ابن تیمیہؒ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھوڑی دیر کی صحبت کو بھی کافی سمجھتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

"إن الصحبة فيها خصوص وعموم، وعمومها يندرج فيه كل من رآه مؤمنا به، ولهذا يقال صحبته سنة، وشهرا، وساعة، ونحو ذلك"(۱)

(جہاں تک صحابیت کا تعلق ہے وہ خاص بھی ہے اور عام بھی، عام میں ہر وہ شخص داخل ہے جس نے حالت ایمان میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی، اسی لیے کہا گیا: مجھے سال بھر کی صحبت ملی، مہینہ بھر کی ملی اور چند لمحات کی ملی، اسی سے ملتی جلتی باتیں ملتی ہیں)

اور مشاجرات صحابہ میں کسی صحابی کے ایمان پر شبہ کرنے کو غلط ٹھہراتے ہیں، کہتے ہیں:

"ومعاوية وعمرو بن العاص وأمثالهم من المؤمنين لم يتهمهم أحد من السلف بنفاق، بل قد ثبت في الصحيح أن عمرو بن العاص لما بايع النبي صلى الله عليه وسلم قال: على أن يغفر لي ما تقدم من ذنبي، فقال: يا عمرو أما علمت أن الإسلام يهدم ما كان قبله."

(حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

---

(۱) بحوالہ سابق ص/۷۲

اوران کے ہم پلہ صحابیوں پر سلف میں کسی بزرگ نے نفاق کی تہمت نہیں لگائی، اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ صحیح میں مذکور ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ بیعت اسلام کی تو یہ عرض کیا کہ میرے پچھلے سب گناہ اللہ معاف کردے گا، حضور ﷺ نے فرمایا: اے عمرو! تمہیں یقین نہیں کہ اسلام لانا ہی مغفرت کا ذریعہ ہوجاتا ہے)

اس کا نتیجہ بتاتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"ومعلوم أن الإسلام الهادم هو إسلام المؤمنين، لا إسلام المنافقين"(۱)

(معلوم ہونا چاہیے کہ مومن کا اسلام لانا تو باعث مغفرت ہوتا ہے، منافق کا اسلام لانا نہیں)

بلکہ اس کے آگے ان صحابہ پر چاہے وہ جس عہد کا ایمان لانے والا ہو لعنت بھیجنے والے کو سخت سزا کا مستحق گردانتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

"من لعن أحدا من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم كمعاوية بن أبي سفيان وعمرو بن العاص ونحوهما، ومن هو أفضل من هؤلاء كأبي موسى الأشعري وأبي هريرة ونحوهما، أو من هو أفضل من هؤلاء كطلحة والزبير وعثمان وعلى بن أبى طالب أو أبي بكر الصديق وعمر أو عائشة أم المؤمنين وغير هؤلاء من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، فإنه مستحق للعقوبة البليغة باتفاق أئمة الدين وتنازع العلماء، هل يعاقب بالقتل أو ما دون القتل"(۲)

(جس نے کسی بھی صحابی پر لعنت کی، چاہے حضرت معاویہ ہوں یا

---

(۱) ایضا ص/۶۲-۶۳ (۲) بحوالہ سابق صفحہ: ۸۵

حضرت عمرو بن العاص اور دوسرے یا ان سے بڑھ کر ہوں جیسے حضرت ابوموسی اشعری اور حضرت ابو ہریرہ اور ان جیسے دوسرے صحابی یا ان سے بڑھ کر ہوں جیسے حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عثمان، حضرت علی یا ان سے بھی بڑھ کر جیسے حضرت ابو بکر وعمر یا حضرت عائشہ ام المومنین ہوں، اور کوئی بھی صحابی اور صحابیہ ہو، ان کو لعنت کرنے والا بڑی سزا کا سزاوار ہے، اس پر تمام ائمہ دین کا اجماع ہے، علماء کا اختلاف اس میں ہے کہ اسے قتل کی سزا دی جائے گی یا اس کے علاوہ کوئی دوسری سزا تجویز کی جائے گی)

اور آگے لکھتے ہیں:

"وأصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم خيار المؤمنين كما ثبت أنه قال: "خير القرون القرن الذي بعثت فيهم ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم" وكل من رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم مؤمنا به فله من الصحبة بقدر ذلك"(۱)

(اور صحابہ رسول اللہ ﷺ دوسرے اہل ایمان میں افضل ہیں، جیسا کہ حدیث پاک سے ثابت بھی ہے کہ سب سے بہتر زمانہ کے لوگ میرے زمانہ کے اہل ایمان ہیں، پھر جو اہل ایمان ان سے متصل ہوں گے، پھر جو ان سے متصل ہوں گے، اور جن صاحب ایمان کو جس درجہ زیارت و دیدار کا شرف ملا اس کے ایمان و یقین کو اسی درجہ کا مقام حاصل ہوا)

مجموعی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے سلسلہ میں خبردار کر دیا تھا، سنن ترمذی کی روایت ہے:

"عن عبد الله بن مغفل قال: قال رسول الله صلى الله عليه

---

(۱) أيضا:۵۹

وسلم: اللّٰه، اللّٰه في أصحابي، لا تتخذوهم غرضا بعدي، فمن أحبهم فبحبي أحبهم ومن أبغضهم فببغضي أبغضهم، ومن آذاهم فقد آذاني، ومن آذاني فقد آذى اللّٰه، ومن آذى اللّٰه يوشك أن يأخذه"(۱)

(اللہ کا لحاظ کرو میرے صحابہ کے بارے میں، میرے بعد انہیں ہدف ملامت نہ بنانا، جو ان سے محبت و تعلق رکھے گا وہ میری وجہ سے رکھے گا اور جو ان سے دوری بنائے گا، وہ مجھ سے دوری کی وجہ سے دوری بنائے گا، ان کو جس نے اذیت اور تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف پہنچائی، اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی اس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف پہنچائی، اور جو اللہ کو تکلیف دے گا، قریب ہے کہ وہ پکڑ میں آجائے)

اتنے واضح ارشادات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سب و شتم اور لعنت و ملامت وہی کرے گا جس کے دل کفر و نفاق سے زنگ آلود ہوں گے اور ان سے بغض وہی رکھے گا جن کے دلوں سے ایمان نکل چکا ہوگا، اسی لیے حضرت امام مالک بن انس رحمہ اللہ نے قرآن مجید کی سورہ فتح کی آخری آیت جس میں صحابہ کے اوصاف و امتیازات بیان کرنے کے بعد "لیغیظ بهم الكفار" کہا گیا ہے صحابہ کرام سے بغض و غیظ رکھنے والوں کے کفر پر استدلال کیا ہے۔

اسی طرح یہ سمجھنا کہ صحابہ کا آپس میں اختلاف بر بنائے عداوت تھا اور اس کی کوئی دینی اساس نہ تھی یہ بھی قرآنی اصول کے صریح خلاف ہے کہ قرآن مجید انھیں "رحماء بينهم" اور ایک جگہ "بعضهم أولياء بعض" کہہ رہا ہے، یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ تاریخی افتراءات کی قرآنی فیصلوں کے آگے کوئی حقیقت نہیں ہے۔

انبیاء کے بعد سب سے بہتر جماعت اور اللہ کے محبوب و مقرب بندے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ترین نبی و رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چنا تھا

---

(۱) جامع ترمذی، کتاب المناقب باب فی من سب أصحاب النبی ﷺ

یہی صحابہ ہیں، ان کے دل نہایت پاکیزہ اور ان نفوس نہایت مصفّٰی و مزکّٰی تھے، جن کی تربیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلاواسطہ فرمائی تھی اور ان میں سے ہر ایک کچھ مجموعی صفات وامتیازات کے اشتراک اور بعض الگ الگ انفرادی خصوصیات کے ساتھ سامنے آئے، اور اس سے بڑھ کر کیا کہ ان کی تعریف خود اللہ رب العالمین نے کی ہے جو کہ ان کا خلاّق اور خلاّق عالم اور علیم بذات الصدور ہے اور خود اس کا اعلان ہے:

﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ (الملك: ١٤)

(کیا وہ اپنی مخلوق سے بے خبر رہے گا اور وہ تو بڑی باریکی سے خبر رکھنے والا ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اجتماعی دعا بھی دی اور الگ الگ انفرادی دعاؤں سے بھی نوازا اور جس کو جس دعا سے نوازا وہ پوری ہو کر رہی اور اس کا اعجاز ظاہر ہو کر رہا، جی چاہتا ہے کہ اس کا انتخاب بھی پیش کیا جاتا لیکن یہ خود مستقل کتاب کا موضوع ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اجتماعی خصوصیات پر جو روشنی ڈالی ہے، ڈاکٹر عبدالرحمٰن رافت پاشا کی کتاب ''صورٌ من حیاۃ الصحابہ'' کے مترجم مولانا محمود احمد غضنفر نے ''حیات صحابہ کے درخشاں پہلو'' کے آغاز میں ''عہد صحابہ کی دلکش تصویر'' کے عنوان سے اس کو جگہ دی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''قرآن مجید نے صحابہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: ''أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ'' (الفتح: ٢٩) (وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں نہایت رحم دل ہیں) ان کی زندگی ان کے آپس کے تعلقات، ان کا ایک دوسرے کے ساتھ سلوک، باہمی محبت و اکرام، احترام و پاسداری اور ادائے حقوق کے واقعات اس آیت قرآنی کی تائید کرتے ہیں، اس کے خلاف جو بھی بیان کیا گیا ہے یا بیان

کیا جائے وہ قرآن کی تکذیب، تاریخ کی تغلیط اور تربیت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں بدگمانی اور تشکیک کے مترادف ہے۔

.....ان خصوصیات کی بناء پر یہ پہلا اسلامی معاشرہ جس کی بنیاد صحبت نبوی، تربیت ایمانی اور تعلیمات قرآنی پر پڑی تھی، ایک بے خار انسانی گلدستہ بن گیا، جس کا ہر پھول اور ہر پتی اس کے لیے باعث زینت تھی، مختلف قبائل، مختلف خاندانوں اور مختلف حیثیتوں کے افراد ایک خوش اسلوب متحد القلوب خاندان میں تبدیل ہو گئے اور اسلام کی انقلاب انگیز تعلیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معجزانہ صحبت نے ان کو شیر و شکر بنا دیا۔

.....قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور مستند تاریخ کی روشنی میں اسلامی معاشرہ کے جو خدوخال اس کا جو سراپا اور نقشہ اور اس سے آگے بڑھ کر جو مزاج و مذاق سامنے آتا ہے اس سے نہ صرف اولین مسلمانوں اور آغوش محبت کے پروردہ اور درسگاہ نبوی کے تربیت یافتہ لوگوں کی ایک ایسی بڑی تعداد میں افراد انسانی کی ایک حسین اور دلکش تصویر سامنے آتی ہے، جس سے بہت کم تعداد میں بھی اور صدیوں کے فرق اور مکان و زمان کے تفاوت سے بھی کوئی ایسی معیاری اور مثالی جماعت نظر نہیں آتی، اس سے انسانی فطرت کی خیر قبول کرنے کی صلاحیت، اس کی ترقی، پاکیزگی، بلند پروازی کے ایسے وسیع امکانات جہاں تک انسانوں کی ذہانت پہنچنی مشکل ہے، مخلص اور مؤید من اللہ مصلحین و مربیوں کی کوشش و محنت کی کامیابی کا ثبوت ملتا ہے اور انسانیت کو خود اپنے اوپر ناز کرنے اور ہر دور کے انسانوں کو فخر و مباہات کا حق حاصل ہوتا ہے کہ ان کی جنس اور نوع میں ایسے بلند پایہ انسان

پیدا ہوئے ہیں، جن میں ہر ایک بقول اقبال علیہ الرحمہ ع

خاکی و نوری نہاد، بندۂ مولیٰ صفات

کا مصداق تھا، اس سے فرد انسانی احساس کمتری، مردم بیزاری اور مایوسی کے امراض سے شفا پاتا ہے، صحیح خطوط پر کام کرنے والوں کا حوصلہ بلند ہوتا ہے اور انبیاء مرسلین (صلوات اللہ علیہم) سے عمومیت کے ساتھ اور سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے خصوصیت کے ساتھ عظمت وعزت راسخ ہوتی ہے، آپ کی تعلیم و تربیت کے نتائج کو دیکھ کر ایمان بالغیب ایمان شہودی بن جاتا ہے۔

امام ابن تیمیہؒ نے بہت صحیح لکھا ہے:

''مجموعی حیثیت سے انبیاء علیہم السلام کے بعد افراد انسانی کا کوئی مجموعہ اور انسانوں کی کوئی نسل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہتر سیرت وکردار کی نظر نہیں آتی۔''(۱)

اور ممتاز اہل حدیث عالم ومحقق مولانا سید ابوبکر غزنوی نے بڑی گہری بات لکھی ہے، اسے بھی مولانا محمود احمد غضنفر (مدیر جامعۃ الفیصل الاسلامیہ) نے جگہ دی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''صحابہ کرام وہ نفوس قدسیہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے سید الاولین والآخرین کی صحبت کے لیے چن لیا تھا، اور جن کے بارے میں اللہ کی یہ مشیت ہوئی کہ وہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست فیض حاصل کریں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کا روحانی تزکیہ کریں اور خود کتاب وحکمت کی انھیں تعلیم دیں، ان کی شان میں گستاخی سراسر موجب حرمان ہے، ان کے بارے میں دل میں بغض رکھنا سراسر باعث خسران ہے، آخر میں اختصار کے ساتھ عرض ہے

(۱) حیات صحابہ کے درخشاں پہلو: ص: ۱۷-۲۰

کہ صحابہ کرام کا ادب واحترام ملحوظ رکھنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔

۱-اس لیے کہ آفتاب نبوت کی شعاعیں براہ راست ان کے سینوں پر پڑی تھیں اور اس سعادت عظمیٰ میں کوئی طبقۂ امت ان کا سہیم و شریک نہیں ہے۔

۲-صحابہ کرام نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر اپنا مال، گھر بار، اپنی جانیں، اپنی اولاد سب کچھ نچھاور کر دیا۔

۳-حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے درمیان صحابہ کرام ہی وہ واسطہ اور رابطہ ہیں جن کے ذریعہ اطراف عالم میں کتاب وسنت کی تمام تعلیمات کا ابلاغ ہوا، اگر ان کی شخصیت بے داغ نہ ہوتو دین کی حفاظت کا کوئی امکان نہ تھا۔"(۱)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کی تعریف کی ہے اور دنیا وآخرت میں ان پر جو انعامات ہوتے ہیں، ان کا بھی تذکرہ فرمایا ہے، اور ایک حدیث قدسی میں ان سے معادات رکھنے والوں، عداوت رکھنے اور ایذاء پہنچانے والوں سے اعلان جنگ بھی کیا ہے، وہ حدیث قدسی ہے، جسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے:

"مَنْ عَادَیٰ لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ آذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ"(۲)

(جس نے میرے ولی (محبت رکھنے والے) سے عداوت رکھی تو اس سے میرا اعلان جنگ ہے)

انبیاء کرام کے بعد اولیاء کا درجہ ہے، نبی کی لائی ہوئی شریعت پر چلنے اور نبی کے طریقہ کو اختیار کر کے زندگی گزارنے سے ولایت کے راستہ پر چلنا آسان ہوتا ہے، جس کا پہلا مرحلہ علم ہے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ علم شریعت اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً، فعلاً اور تقریراً حاصل کیا، اور جب کسی ایک صحابی کو کوئی بات معلوم نہ ہوسکی تو اسی جماعت صحابہ میں دوسرے فرد سے اس نے معلوم کر لی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) ص:۱۶ (۲) صحیح بخاری، باب التواضع

کی سیرت پاک کو دیکھ کر جو مشاہدہ سے علم حاصل کیا اور نزول آیات قرآنی اور ارشادات رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے غیب کا علم، یقین کے اس درجہ میں حاصل کیا جو اس کے درجات میں سب سے اعلیٰ درجہ حق الیقین کا ہے، اس کا اندازہ معراج واسراء کے واقعہ سے کیا جاسکتا ہے کہ جیسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ایک ہی شب کے فرش زمین سے عرش معلیٰ تک کے واقعات بیان کیے تو کسی نے بھی ایک لمحہ کا بھی شک نہ کیا، گو سب سے پہلی تصدیق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کی، جن کے حصہ میں دعوت ایمان پر بھی نبوت ورسالت کی سب سے پہلی تصدیق آئی تھی، اسی لیے یہ بات کہی گئی کہ سب کا ایمان ایک پلڑے میں رکھا جائے اور ایک پلڑے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پلڑہ بھاری رہے گا، اور ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

"لو كنت متخذا خليلاً لاتخذت أبا بكر خليلاً"(۱)

(میں اگر کسی کو اپنا خلیل (گہرا دوست) بناتا تو ابوبکر کو بناتا)

اور یہ بھی ایک کلیہ ہے کہ "المرء على دين خليله" (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر کے طریقہ پر نہیں ہوسکتے تھے اور اس سے وہ لازم آتا ہے، لیکن یہ بتا کر یہ اشارہ فرمادیا کہ اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ واسوہ پر مزاج واخلاق میں سب سے زیادہ کوئی ہوسکتا ہے تو وہ حضرت ابوبکر ہی ہیں، اور اس حقیقت کا سبھی نے مشاہدہ بھی کرلیا، اس لیے ان کی ولایت سب سے اعلیٰ قرار دی گئی اور پھر جو جتنا قریب رہا، ان میں علیٰ ترتیب الخلافہ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم کی فضیلت مسلّم ہے اور وہ صحابہ جو شروع سے ساتھ رہے اور پھر وہ جو رفتہ رفتہ شریک قافلہ ہوتے گئے، ان میں سابقین اولین کا درجہ سب سے اونچا ہے، امام ذہبی نے جس ترتیب سے نام دیئے ہیں، وہ درج ذیل ہیں، پھر ہجرت کا شرف حاصل کرنے والے

---

(۱) صحيح البخاري، رقم الحديث: ٣٤٥٦، مسلم، رقم الحديث: ٦٣٢٢

(۲) مستدرك حاكم: ١٨٨/٤، رقم الحديث: ٧٣١٩

صحابہ، بدری صحابہ، دوسرے مشاہد وغزوات میں شریک صحابہ، صلح حدیبیہ کے وقت بیعت رضوان کرنے والے صحابہ جسے ''فتح مبین'' کہا گیا اور یہ حقیقت ظاہر ہوئی کہ اس مدت میں جو صلح کی تھی، اس تیزی سے لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے، جو ماقبل اٹھارہ سال کی مدت میں نہ ہوئے تھے، اور یہ تحقیق امام زہری جیسے عظیم عالم ومحقق کی ہے پھر فتح مکہ کے موقع پر مکہ معظمہ پہنچنے والے اور پھر وہاں ایمان لانے والے صحابہ اور پھر وفود کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوا، اور ایمان لانے والوں کی تصدیق قرآن مجید نے یہ کہہ کر کردی

﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ☆ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ☆ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا﴾

(النصر: ۱-۳)

(جب اللہ کی مدد آجائے اور فتح (ہوجائے) اور آپ دیکھیں کہ لوگ دین میں فوج در فوج داخل ہورہے ہیں، تو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے اور استغفار کیجیے یقیناً وہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو احساس ہوگیا کہ اب زیادہ دن دنیا میں رہنا نہیں ہے، حج کا زمانہ آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری اجتماعی خطبہ دیا، عرفہ کا دن اور عرفات کا مقام تھا، اور یہ بھی فیصلہ سنا دیا گیا کہ دین وشریعت مکمل ہوگئی:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (المائدة: ۳)

ایک لاکھ سے اوپر صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھے، ایک لاکھ چودہ ہزار سے ایک لاکھ تیس ہزار تک تعداد بیان کی گئی ہے، بدر میں تین سو تیرہ، حدیبیہ میں چودہ سو، فتح مکہ کے موقع پر یہی تعداد دس ہزار کو پہنچ گئی اور ابھی دو سال ہی گزرے تھے کہ ایک لاکھ سے تجاوز کرگئی، صحابہ پھر دین کو لے کر ایک جگہ بیٹھے نہیں، دنیا بھر میں پھیل گئے، جہاں خود جاسکے گئے، ورنہ ان سے دین وہدایت کی روشنی لے کر دوسرے لوگ گئے، اور اسلام کا نور پھیلتا چلا گیا، اور آغوش اسلام میں آنے والے

صرف عرب نہ رہے، عجم کی قومیں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے لگیں، کبھی بربر قوم نے جن کی بربریت ضرب المثل بن گئی تھی، لبیک کہا، پھر وہ وقت بھی آیا کہ تاتاری قوم جن کی فتح وغلبہ نے سب کو عالم تحیر میں ڈال دیا تھا، اور یہ محاورہ بن گیا کہ ''اگر کہا جائے کہ تاتاری شکست کھا گئے تو یقین نہ کرنا'' اس قوم نے بھی اسلام کی آغوش میں جگہ پائی، افغان قوم نے بھی اپنے عقیدہ وعمل سے توبہ کی اور سب کے سب مشرف بہ اسلام ہو گئے، ہندوسند کی باری آئی، آج اس خطہ کے تین ملکوں میں دو ملک مسلمان ملک ہیں، اور تیسرا ملک بھی مسلمانوں کی وہ تعداد رکھتا ہے جو تعداد دوسرے کسی ملک میں نہیں ہے، سچ یہ ہے جہاں اسلام کا صحیح طریقہ اور خالص دعوت پہنچ گئی، اس نے اپنے گہرے نقوش واثرات چھوڑے، سچ یہ ہے کہ یہ جو کچھ دنیا میں بہار آئی ہوئی ہے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فیضان ہے، صحابہ کرام نوع بہ نوع صلاحیتوں کے حامل تھے، اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اپنی صلاحیتوں کو ٹھکانہ لائے، اور سسکتی ہوئی انسانیت کو حیاتِ نو کا جام پلایا، آج امت کے مختلف طبقات اور مختلف طبائع اور حالات اور الگ الگ صلاحیت ولیاقت کے افراد اسی جماعتِ صحابہ کے افراد میں سے کسی ایک کو رہنما بنا کر نور ہدایت حاصل کر سکتے ہیں اور خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر یہ راستہ بھی آسان کر دیا کہ:

"أصحابی کالنجوم بأیهم اقتدیتم اهتدیتم"

جی چاہتا تھا مشعل ہر ایک طرف لے جائی جائے، علامہ ابن حجر "الاصابة" میں، علامہ ابن الاثیر "أسد الغابة" میں، علامہ ابن عبدالبر "الاستیعاب" میں یہ کر چکے ہیں، کتاب کے موضوع کے پیش نظر چند تابناک نمونے یہاں بھی دیکھنے کو ملیں گے، خلفائے راشدین کے احوال کتاب کے پہلے حصہ میں پیش کیے جا چکے ہیں اور ان ہی کے جلو میں باغ نبوت کے دو پھول حضرات حسنین بھی ہیں اور یہاں آغاز بقیہ عشرۂ مبشرہ سے ہے، اور پھر دوسرے صحابہ اور صحابیات بھی رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

اسوۂ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

زندگی گزارنے کے لیے کسی نہ کسی کو نمونہ بنانا پڑتا ہے، جس قوم کے سامنے جس کا نمونہ رہا وہ قوم اسی کی کہلائی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نمونہ بنایا، ان کا انتساب ان ہی نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوا، احکام اترتے رہے، ارشادات نبوی سامنے آتے رہے، صحابہ کی زندگی اسی کے مطابق ڈھلتی رہی، جس کام کے کرنے کو کہہ دیا گیا وہ اس میں ایک دوسرے سے آگے بڑھے جارہے ہیں، جس بات سے روک دیا گیا، اس سے رکنے کی وہ تیز رفتاری، کہ ہر صحابی یہ سمجھ رہا ہے کہ اللہ کے فضل سے سب سے پہلے میں رک گیا، صدقات وخیرات کی ترغیب دی جارہی ہے، ہر ایک جو لاسکتا ہے لا کے پیش کیے جارہا ہے، کوئی ہے کہ اپنا سب کچھ قربان کیے جارہا ہے، ایمان ویقین اور تصدیق کا یہ حال کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو فرمادیں بعینہٖ وہ تسلیم، جو بتادیں بے کم وکاست اس پر یقین، اور جو عمل میں لے آئیں اس کی اسی وقت تصدیق، ایمان ہو تو ایسا، محبت ہو تو ایسی، تعلق ہو تو اس قدر، محبت اپنی ذات سے اور اپنے اہل وعیال سے اور ماں باپ سے کسے اور خوب تر کیوں نہ ہو، حضرات صحابہ کو بھی تھی، لیکن جب دین کا مسئلہ آجاتا تو پھر یہ سب کچھ بالائے طاق رکھ دیتے، جنگوں میں ایسے کتنے واقعات سیرت وتاریخ کا مطالعہ کرنے والے پائیں گے مگر یہ دیکھ کر انگشت بدنداں ہوئے بغیر رہا نہ جائے گا

کہ ان کی ایسی تربیت ہوئی کہ اعلائے کلمۃ اللہ کی راہ میں وہ کسی محبت و تعلق کو حائل نہیں ہونے دیتے تھے، کمال ایمان کا ایسا شوق کہ جب یہ سننے کو مل گیا کہ محبت پیغمبر خدا سے ہو تو اس کے سامنے ماں باپ بیوی بچوں مال و متاع سب کی محبت ہیچ اور لحہ بھر میں یہ حال ہوتا دکھائی دینے لگا کہ یہ ساری محبتیں اس محبت کے آگے ہیچ ہو گئیں، اور کیوں نہ ہو محبت اس ذات پاک سے جو کہ محبوب رب العالمین بنے اور صرف ایک خاندان، قبیلہ یا علاقہ اور اہل ایمان ہی کا محسن نہیں بلکہ پوری انسانیت کا محسن ہے، جو ظالموں کو بھی بدعا نہیں دیتا ان کے لیے بھی دعا کرتا ہے، جو مخالفت کرنے والوں کو نوازتا رہا، زخم خوردوں کے زخم سیتا رہا ہے، اس کو مولانا محمد ثانی حسنیؒ نے یوں پیش کیا ہے ؎

گالیاں جس نے دیں اس کو تحفے دیئے
زخم جس کے لگے زخم اس کے سیے

اسی ذات بابرکت سراپائے تقدس کے تربیت یافتہ و صحبت یافتہ ''صحابہ'' کہلائے، ان کا حال مولانا حالی نے خوب بیان کیا ہے ؎

جہاں کردیا نرم نرما گئے وہ
جہاں کردیا گرم گرما گئے وہ

ان کی نیازمندیاں، سرفروشیاں، فرمانبرداریاں، اخلاق مندیاں، دلداریاں، قربانیاں، اولوالعزمیاں ان کا ایک ایک باب ایسا ہے کہ جس کے لیے صفحات کے صفحات نہیں دفتر کے دفتر نذر کر دیئے جائیں تو بھی کم۔

یہ صحابہ تھے سب سے بلند حوصلہ و کردار کی جماعت، سب سے اونچے اخلاق کا مقدس گروہ، ہاں مگر گروہ انبیاء سے نہ تھے، عصمت تو انبیاء ہی کو حاصل ہے، اس میں کسی کو ان کی برابری نہیں، مگر ہم کیوں کہیں کہ ان سے چوکیں ہوئیں اور اگر ہوئیں بھی تو ہمارے لیے، کہ ہم ایسے موقعوں پر وہ کریں جو کہ یہ کر کے دکھلا گئے، اللہ اللہ! توبہ اور کیسی زبردست توبہ! انابت کیسی عظیم انابت! رجوع کیسا سچا رجوع! اور پھر ندامت

ایسی کہ وہ عظیم نیکی بن جائے، جس کے آگے ہزاروں نیکیاں ہیچ ہو جائیں، وہ نیکی کرنا سکھلا گئے، بدی کو بدی سمجھنا بتلا گئے، توبہ وانابت اور رجوع الی اللہ کا طریقہ سمجھا گئے، دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی ابدیت و دوام پر یقین بٹھلا گئے اور اپنے رب کو راضی کر کے چلے گئے، ایک ایک کر کے جاتے رہے، وفات نبوی کو سو سال پورے ہونے کو ہوئے تو روئے زمین پر کسی ایک کا دیدار بھی حد امکان سے باہر ہو گیا۔

آج صدقہ ہے انھیں کی قربانیوں کا کہ قرآن کی دولت ہمارے پاس ہے، حدیث و سیرت نبوی کا ذخیرہ ان ہی کی مرہون منت ہے، یہی فاتح روم و ایران اور مصر و شام ہیں، ان ہی کی فتوحات کا صدقہ ترکستان، خراسان، ماوراء النہر، ہندو سندھ، پورب افریقہ کی فتوحات ہیں اور پھر اب جہاں اسلام کا پیغام پہنچ چکا ہے سب ان ہی کی صدقات میں ہیں، انھوں نے نظام تعلیم دیا، نظام حکومت و سیاست بھی دیا، دنیا کی ترقی کا راز کس میں مضمر ہے اس کو عملی شکل دے کر بتایا، مسلمانوں کی حقیقی کامیابی کن امور پر منحصر ہے ایک ایک کو واضح کر کے یقین مضبوط کیا، یہ جماعت علمی بھی تھی، فکری بھی تھی، روحانی بھی تھی، جس کا مشن دعوت تھا، جہاں رہے داعیانہ کردار کے ساتھ رہے اور عالمانہ وقار پر آنچ نہیں آنے دی، یہ وہ مقدس جماعت تھی جس کے پسندیدہ ہونے کی سند رب العالمین نے دی، اور ان کے حسن کردار اور آئیڈیل ہونے کو دو جملوں میں صاف کر دیا ''رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ'' اس جماعت کے سرفہرست صدیق اکبر ہیں، ان ہی سے اس جماعت کا آغاز بھی ہوتا ہے، ان میں فاروق اعظم بھی ہیں جن سے وقت کی بڑی بڑی دنیوی طاقتیں تھراتی تھیں، یہ وہ جماعت تھی جس کے مرد تو مرد خواتین بھی علم و فہم میں اتنی بڑھ گئیں کہ ان سے بھی مسئلے پوچھے جانے لگے، اور مشکلات حل کی جانے لگیں، حضرت عائشہ ام المومنینؓ تو اپنی مثال آپ ہی رہیں، جن کا تقدس ایسا بے مثال کہ جب دشمنوں نے عیب جوئی کی تو عرش حرکت میں آ گیا اور عرش بریں سے پارسائی کی شہادت اتری، اور آپس کا ایمانی اتحاد و اتفاق ایسا

اور اسلامی تعلق و ارتباط ایسا مضبوط کہ جب جب دشمنوں نے مزاجی اختلاف اور اجتہادی فرق کو دیکھ کر رخنہ ڈالنے کی کوشش کی تو یہ سارے کے سارے ایسی سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر شریعت و دین محمدی کی حفاظت، حق کے غلبہ اور اللہ کے نام کی سربلندی کے لیے کھڑے ہوگئے کہ دشمنوں کو سر چھپانے کا موقع نہ ملا، اس جماعت کا ہر فرد اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سرشار، دینی حمیت میں ڈوبا ہوا، اور ایسا کیوں نہ ہوتا ان کی ہر ادا عاشقانہ، ان کا طرز فدائیانہ، ان کا خیال و اعتقاد مومنانہ تھا، تو کیا اہل ایمان کا حق نہیں بنتا کہ ان کی قربانیوں کا احسان مانیں اور ان کا ادب و احترام دل سے کریں، اور ان کی شان میں کوئی گستاخی نہ ہونے پائے، نہ زبان سے نہ قلم سے، وہ سب کے سب اللہ کے محبوب تھے، اللہ کے یہاں ان کا مقام بہت بلند ہے، ان کی شان میں گستاخی کرنے والا خود اپنی آخرت بگاڑنے والا ہے۔

"والحق انهم هم المؤمنون حقا و كلهم عدول"

امین الامت

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ

(وفات ۱۸ھ)

نام ونسب

عامر بن عبداللہ بن الجراح بن ہلال بن أہیب بن ضبۃ بن الحارث بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان قرشی مکی ثم مہاجر مدنی۔

امتیازی صفت

ان چند گنے چنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ میں ہیں جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند کلمات ارشاد فرمائے اور آپ کی وفات کے سانحہ عظیم کے بعد آپ کی خلافت کا بار امانت اٹھانے کے لیے آپ کے رفیق ہجرت اور سب سے زیادہ معتمد صحابی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں موزوں سمجھ کر پیش کر دیا تھا، مؤرخ اسلام علامہ ذہبی انھیں ان الفاظ میں یاد کرتے ہیں:

"أحد السابقين الأولين، وَ مَن عَزَم الصديق على توليته الخلافة، وأشار به يوم السقيفة، لكمال أهليته عند أبي بكر،

يجتمع في النسب هو والنبي صلى الله عليه وسلم في فهر، شهد له النبي صلى الله عليه وسلم بالجنة وسماه أمين الأمة، ومناقبه شهيرة جمة"(۱)

(سابقین اولین میں سے ایک ہیں، اور وہ ہستی ہیں جنھیں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خلافت کا اہل سمجھا تھا، اور یوم سقیفہ میں اس کا اشارہ بھی دیا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسب میں فہر پر جمع ہوتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی اور امین الامت کا خطاب دیا، آپ کے مناقب مشہور اور بے شمار ہیں)

امام ذہبی نے رجال اسلام سے متعلق اپنی سب سے معرکۂ آراء اور بے نظیر کتاب ''سیر اعلام النبلاء'' کا آغاز ان کے مبارک تذکرہ سے کیا ہے، اور حضرات خلفائے راشدین سے متعلق الگ تصنیف کر کے ان کو رجال اسلام میں سرفہرست رکھا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب تھے، سنن ترمذی کی روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ صحابہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب کون تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''أبو بکر پھر عمر پھر ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالی عنہم''(۲)

حلیہ

آپ کا حلیہ مالک بن مُخامِر نے اس طرح بیان کیا ہے:

"كان رجلا نحيفا، معروق الوجه، خفيف اللحية، طوالاً، أحنى، أثرم الثنيّتين"(۳)

(کمزور جسم کے آدمی تھے، چہرہ بھی بھرا ہوا نہیں تھا، داڑھی ہلکی تھی،

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۱/۵-۶

(۲) سنن الترمذی، ابواب المناقب، باب أبي عبيدة بن الجراح (۳) سیر أعلام النبلاء: ۱/۷

ذرا لمبے اور کچھ جھکے ہوئے تھے، سامنے کے اوپر نیچے کے دانت ٹوٹے ہوئے تھے)

اسلام لانے میں سبقت

حضرت عثمانؓ بن مظعون اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے ساتھ شروع ہی میں اسلام میں داخل ہوگئے تھے، ذہبی کہتے ہیں:

"انطلق ابن مظعون، وعبيدة بن الحارث، وعبدالرحمن بن عوف، وأبو سلمة بن عبدالأسد، وأبو عبيدة بن الجراح، حتى أتوا رسول الله صلى الله عليه وسلم فعرض عليهم الإسلام وأنبأهم بشرائعه، فأسلموا في ساعة واحدة، وذلك قبل دخول رسول الله صلى الله عليه وسلم دار الأرقم"(۱)

(عثمان بن مظعون، عبیدہ بن الحارث، عبدالرحمٰن بن عوف، ابوسلمہ بن عبدالاسد، ابوعبیدہ بن الجراح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ان پر اسلام پیش کیا، اور احکام شریعت بتائے، یہ سب اسی وقت ایک ساتھ اسلام لے آئے، یہ واقعہ آپ کے دارارقم میں داخلہ سے پہلے کا ہے)

اللہ اور رسول کی محبت کو خاندانی محبت پر ترجیح

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے اللہ اور اس کے رسول کی محبت حاصل کی، لیکن وہ اس میں سخت امتحان سے اس وقت گزرے جب معرکہ بدر میں ان کا سامنا اپنے والد سے ہوا، اور اسی طرح اور بعض صحابہ کا اپنے بعض نہایت قریبی خاندانی افراد سے، جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کے بیٹے عبداللہ تھے، جو بعد میں اسلام کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۱/۸

نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ اور حضرت علی بن ابی طالب، حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور حضرت عبیدہ ابن الحارث رضی اللہ عنہم نے اپنے قریبی اعزہ واقارب، عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ کا خاتمہ کیا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اللہ کی محبت کو دوسری تمام محبتوں پر ترجیح دیئے جانے پر ان لوگوں کی تعریف کی، اور ان کے لیے جو انعامات آخرت میں رکھے ہیں اس کے وعدے سنائے، ارشاد فرمایا:

﴿لَا تَجِدُ قَوْماً يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ، أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِّنْهُ، وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الأَنْهَارُ، خَالِدِينَ فِيهَا، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ، أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ، أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (المجادلة:۲۲)

(آپ نہ پائیں گے ایسے لوگوں کو جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان ویقین رکھتے ہیں کہ وہ تعلق رکھیں ان لوگوں سے جو اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھتے ہوں، اگرچہ وہ ان کے باپ یا اولاد یا بھائی بند یا عزیز واقارب ہی کیوں نہ ہوں، ان کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے، اور ان کی مدد وتائید اپنے غیب کے فیض سے کی ہے، اور اللہ ایسے لوگوں کو جنتوں میں داخل کرے گا، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ہمیشہ ان میں وہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں، وہ اللہ کا گروہ ہیں، یاد رکھو کہ اللہ کا گروہ ہی فلاح یاب ہے)

امام بیہقی عبداللہ بن شوذب کی حدیث نقل کرتے ہیں کہ ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے والد اپنے معبودوں کی قصیدہ خوانی بدر کی لڑائی میں کررہے تھے، حضرت ابوعبیدہ ان سے گریز کرکر جاتے، وہ بار بار ان کا رخ کرتے، بالآخر حضرت ابوعبیدہ نے ان پر وار کیا اور خاتمہ کردیا، تو اللہ نے یہ آیت ﴿لَا تَجِدُ قَوْماً﴾ نازل فرمائی۔(۱)

قرطبی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی۔

"قال ابن مسعود: نزلت في أبي عبيدة بن الجراح قتل أباه عبد الله بن الجراح"(۲)

(حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی، ان کے والد ان کے سامنے آئے تو پھر انھوں نے ان کو چھوڑا نہیں)

امام ذہبی نے بدر و احد میں حضرت ابن الجراح رضی اللہ عنہ کے ایمانی کارناموں کو چند جملوں میں اس طرح بیان کیا ہے:

"وقد شهد أبوعبيدة بدرا، فقتل يومئذ أباه، وأبلى يوم أحد بلاءً حسناً، ونزع يومئذ الحلقتين اللتين دخلتا من المغفر في وجنة رسول الله صلى الله عليه وسلم من ضربة أصابته، فانقلعت ثنيّتاه، فحسن ثغره بذهابهما، حتى قيل: ما رؤى هتم قط أحسن من هتم أبي عبيدة"(۳)

(حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے بدر میں اپنے جوہر دکھائے، اس معرکہ میں اپنے والد کو ختم کیا، اور احد میں کارہائے نمایاں انجام دیئے، خود کے دو حلقے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار میں داخل ہوگئے تھے ان کو اپنے دانتوں سے کھینچا جس سے ان کے سامنے کے

(۱) تفسیر ابن کثیر (۲) احکام القرآن قرطبی: ۱۷/ ۳۰۷ (۳) سیر أعلام النبلاء: ۱/ ۸

دو دانت اکھڑ گئے، مگر اس سے چہرہ کا حسن دوبالا ہو گیا، یہاں تک کہ کہا گیا کہ سامنے ٹوٹے ہوئے دانت ابوعبیدہ سے زیادہ حسین نہیں دیکھے گئے)

فاتحانہ کارناموں میں جنگ یرموک میں ان کا قائدانہ کردار بھی ناقابل فراموش ہے، ذہبی نقل کرتے ہیں:

"كان أبو عبيدة رأس الإسلام في وقعة اليرموك، التي استأصل الله فيها جيوش الروم، وقتل منهم خلق عظيم"(۱)

(جنگ یرموک میں ابوعبیدہ سردار اسلام تھے، جس میں اللہ نے رومیوں کی شوکت کا خاتمہ کیا اور ان کی بڑی تعداد ماری گئی)

اخلاق ومحاسن

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور اوامر الٰہی کی بجا آوری میں اپنی طبیعت کی نرمی اور دوسروں کی رعایت کے ساتھ امتیازی شان رکھتے تھے، ذہبی کہتے ہیں:

"وكان رجلا حسن الخلق، ليّن الشيمة، متّبعا لأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم وعهده"(۲)

(بڑے بااخلاق تھے، نرم خو تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے متبع اور عہد کا پاس ولحاظ کرنے والے تھے)

دوسروں کی عزت کا پاس رکھنے کا یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ غزوہ ذات السلاسل جسے غزوہ عمرو بن العاص کہا گیا ہے، موسیٰ بن عقبہ نے کتاب المغازی میں لکھا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی طلب پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کمک ومدد کے لیے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھ مہاجرین کی ایک

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۱/۲۲ (۲) سیر أعلام النبلاء: ۱/۹

جماعت بھیجی اوران پر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کو امیر بنایا، وہ لوگ حضرت عمرو بن العاص کے پاس پہنچے، حضرت ابن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تمہارا امیر ہوں، مہاجرین نے کہا آپ اپنی جماعت کے امیر ہیں، ہمارے امیر تو ابوعبیدہ ہیں، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا تو وہ اپنی امارت سے دست بردار ہوگئے اور سب کو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے جھنڈے تلے رہنے کو کہا۔(۱)

فنائیت وتواضع

فنائیت اور تواضع کا یہ حال تھا کہ فرماتے:

"وددت أني كنت كبشا فيذبحني أهلي فيأكلون لحمي ويحسون مرقي"

(کاش میں ذبیحہ جانور ہوتا اور میرے گھر والے مجھے ذبح کر کے میرا گوشت کھاتے اور شوربہ پیتے)

اور کبھی فرماتے:

"وددت أني كنت رمادا تسفيني الريح"(۲)

(کاش میں ریت ہوتا اور تیز ہوا مجھے اڑاتی پھرتی)

مردِ امین

جب نجران کا وفد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ وہاں دین کی تعلیم کے لئے کسی کو خلیفہ بنا کر بھیج دیجئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کا اس کے لئے انتخاب کیا، اور معلم و ہادی، حاکم و عامل بنا کر نجران بھیجا، ان لوگوں نے درخواست کی تھی کہ ایک مرد امین بھیجئے، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا تھا کہ:

"لأبعثن إليكم رجلاً أميناً حق أمين فاستشرف لها الناس،

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۱/۹ (۲) سیر أعلام النبلاء: ۱/۹

فقال: قم یا أبا عبیدہ! فأرسلہ معھم"(۱)

(آپ نے فرمایا میں ایک ایسے مرد امین کو تمہارے لئے مقرر کروں گا جو سچا پکا امین ہوگا، تو لوگ اس کے لئے متوقع اور خواہش مند ہوئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اٹھو اے ابوعبیدہ! پھر انھیں اہل نجران کے ساتھ بھیج دیا)

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کے اندر قیادت ومسئولیت اور امارت وخلافت کے کام کو انجام دینے کی غیر معمولی صلاحیتیں تھیں، ان صلاحیتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاڑ لیا تھا، اسی لئے ان صلاحیتوں سے دین وامت کے اندر انسانیت کی فلاح وکامیابی کے لئے فائدہ اٹھانا چاہا، اور بعد میں بھی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے اپنے اپنے دور میں ان کی ان صلاحیتوں کی قدر کی یہاں تک کہ شام میں طاعون عمواس میں، جو وبا کی شکل میں پھیل گیا تھا، جس کے نتیجہ میں بڑی اموات واقع ہورہی تھیں، آپ کی بھی شہادت ہوئی آپ اس وقت حاکم شام اور وہاں نائب خلیفۃ المسلمین تھے، یہ ۱۸ھ کا واقعہ ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے سانحہ عظیم کے بعد خلافت کا مسئلہ اٹھا اور سقیفہ بن ساعدہ میں انصار ومہاجرین نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلیفۂ رسول اللہ چنا اور ان کے دست حق پرست پر بیعت کی تو دوسرا نام انہی حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کا سامنے آیا تھا، اور یہ بات یوں ہی نہیں تھی اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس بارے میں جب دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد اگر کسی کو اپنا خلیفہ مقرر فرماتے تو وہ کون ہوتے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر کا نام لیا، حضرت ابوبکر کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لیا، اور حضرت عمر بن خطاب کے بعد کے لئے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کا نام لیا تھا۔(۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک خلافت کے لیے سب سے بڑی صفت

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۱/۱۲ (۲) صحیح مسلم، باب فضائل أبی بکر الصدیقؓ

امانت ہے، اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کے لئے اس کی شہادت زبان نبوت دے چکی تھی، اسی لئے جب وہ شام کی طرف نکلے اور طاعون میں ہلاکتیں ہو رہی تھیں لوگوں نے آپ کو وہاں جانے سے روکنا چاہا تا کہ آپ محفوظ و مامون رہیں، مگر آپ اپنے ارادے پر جمے رہے اور فرمایا کہ:

"إن أدركني أجلي وأبو عبيدة حيّ استخلفته فإن سألني الله عزّ وجلّ لِمَ استخلفته على أمة محمد صلى الله عليه وسلم قلت: إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إنّ لكل أمة أميناً وأمين هذه الأمة أبو عبيدة بن الجراح، وإن أدركني أجلي وقد توفى أبو عبيدة أستخلف معاذ بن جبل فإن سألني ربي قلت: إني سمعت نبيك يقول: إنه يحشر يوم القيامة بين يدي العلماء برتوة"(۱)

(اگر میرا وقت آجاتا ہے اور ابوعبیدہ حیات ہوتے ہیں تو میں انھیں اپنا خلیفہ بناتا ہوں، اس پر اگر اللہ مجھ سے سوال کرے گا کہ ان کا انتخاب کیوں کیا؟ میں عرض کروں گا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر امت کا ایک امین رہا ہے اور اس امت کے امین ابوعبیدہ بن الجراح ہیں، اور اگر ابوعبیدہ بھی نہ رہے تو میں معاذ بن جبل کو خلیفہ بناتا ہوں، اس پر اگر میرا رب مجھ سے سوال کرے گا تو میں عرض کروں گا کہ میں نے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ یہ قیامت کے روز علماء کے آگے آگے ہوں گے)

مگر اللہ کو یہ دکھانا تھا کہ کارساز حقیقی وہی ہے، اور جس سے چاہتا ہے کام لیتا ہے، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح طاعون میں مبتلا ہوئے اور اس میں وفات بلکہ شہادت پائی، حضرت عمر شام کے سفر سے بخیریت واپس آئے اور کنز العمال میں ایک

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۱/ ۹-۱۰

دوسری روایت ہے کہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دوسرے موقع پر (بظاہر وفات کے قریب) فرمایا تھا:

"لو أدركت أبا عبيده بن الجراح لاستخلفته وما شاورت، فإن سئلت عنه قلت استخلفت أمين هذه الأمة وأمين رسوله"

(اگر ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ نامزد کر دیتا اور کسی سے مشورہ بھی نہ کرتا، اگر کوئی اعتراض کرتا تو کہہ دیتا کہ میں نے اس امت اور اس امت کے رسول کے امین کو خلیفہ بنایا ہے)

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کا احساس امانت، دین وحیات کے تمام پہلوؤں میں جلوہ گر تھا، حقوق اللہ، حقوق العباد، عبادات، معاملات، مسئولیت، امارت و حکومت، اور چھوٹے بڑے امور میں وہ اس تعلق میں بڑے حساس واقع ہوئے تھے اور ایک ایک چیز کا لحاظ وخیال کرتے تھے، ان کی دینی زندگی بڑی پاکیزہ تھی اور دوسروں کی زندگیوں کو بھی پاکیزہ بنانے والی تھی۔

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے جانشین حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہوئے، اور ان کے جانشین حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہوئے، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید سیف اللہ رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے شام بھیجا تھا، اور ان کا یہ فیصلہ عقیدہ توحید کی حفاظت اور لوگوں کے دلوں میں انسان پر اعتماد کے بجائے خدا پر اعتماد کو راسخ کرنے کے لیے تھا، اسی لیے حضرت خالد بن ولیدؓ جن کے لیے فتوحات اصل نہیں تھیں ایمان و عقیدہ کی حفاظت اور لوگوں کی اس سے صحیح وابستگی مقدم اور اصل الاصول تھی خوشی خوشی امیر المومنین کا فیصلہ تسلیم کیا، اور اہل شام کو ان کی تشریف آوری سے مطمئن کیا اور کہا:

"بعث عليكم أمين هذه الأمة"

(اس امت کے امین تم پر والی بنا کر بھیجے گئے ہیں)

اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی تعریف کی (تا کہ اہل شام یہ نہ سمجھیں کہ وہ کسی کمزوری کی وجہ سے معزول کیے گئے ہیں) اور ارشاد نبوی سنایا کہ خالد اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار اور مرد آہن ہیں، فرمایا:

"سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: خالد سيف من سيوف الله ونعم فتى العشيرة"(۱)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے اس صورت حال کو جس میں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے بار قیادت سنبھالا، بڑے بلیغ انداز میں بیان کیا ہے، وہ رقم طراز ہیں:

"جب مسلمان رومیوں کے مقابلہ میں سب سے عظیم جنگ، جنگ یرموک کے میدان میں صف آراء تھے اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو قیادت کی ذمہ داری سونپی گئی، یہ ایسا نازک وقت تھا کہ اچھے اچھوں کے قدم ڈگمگا سکتے تھے۔"(۲)

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ایسے موقع پر جب حضرت خالدؓ کا فاتحانہ اقبال چڑھ کر بول رہا تھا، اسلامی فوج کی قیادت سنبھالی اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے رابطہ رکھا، مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ ان کی اس حکمت عملی اور بالغ نظری کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"یرموک کی جنگ شام کے معرکوں میں سب سے اہم تھی، اس جنگ میں کامیابی پر شام کی دوسری فتوحات کا انحصار تھا، حضرت ابوعبیدہ نے ایک پیام رساں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ انھیں مطلع کرے کہ روم کے فوجیوں کا ایک امڈتا ہوا سیلاب ہے، جو بری اور بحری دونوں راستوں سے مسلمانوں کی طرف بڑھ رہا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انصار و مہاجرین کو جمع کیا، اور ان کو

---

(۱) استیعاب لابن عبدالبر: ۲/۳۴۲ (۲) المرتضی، ص: ۱۶۰ (لاہور)

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا خط پڑھ کر سنایا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ سن کر بڑے متاثر ہوئے اور کچھ لوگوں کے آنسو نکل آئے، کچھ لوگوں نے جوش میں آکر کہا کہ ہم امیر المومنین کو خدا کا واسطہ دے کر کہتے ہیں کہ ہمیں شام جا کر اپنے بھائیوں کے لیے اپنے دل و جان نچھاور کرنے کی اجازت دیں۔"(۱)

بہر حال معرکہ کارزار گرم ہوا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جو پہلے افسر تھے وہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی افسری میں اسی جوانمردی سے اپنے جوہر دکھاتے رہے، مسلمان آگے بڑھتے گئے، اور جھنڈا گاڑ دیا، رومیوں کو سخت ہزیمت اٹھانی پڑی، پھر بیت المقدس بھی فتح ہوا، اور اس سعادت میں امیر المومنین بھی بمشورہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بنفس نفیس شریک ہوئے۔(۲)

وفات

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اسلام کے عظیم فاتح بن کر ابھرے، اور وقت کی سپر پاور کو شکست دی، جنگوں اور معرکوں میں زبردست کارنامے انجام دیئے، لیکن میدان جنگ میں شہادت مقدر نہ تھی، البتہ وبا کی موت کی شہادت مقدر تھی، چنانچہ طاعون عمواس میں ہزاروں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ وہ شہید ہوئے، مؤرخ اسلام علامہ شبلی نعمانی رقم طراز ہیں:

"۱۸ھ/ ۶۳۹ء اس سال شام و مصر و عراق میں سخت وبا پھیلی اور اسلام کی بڑی بڑی یادگاریں خاک میں چھپ گئیں، وبا کا آغاز ۱۷ھ کے اخیر میں ہوا، اور کئی مہینے تک نہایت شدت رہی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اول جب خبر پہنچی تو اس کی تدبیر اور انتظام کے لیے خود

---

(۱) المرتضیٰ، ص/۱۷۴ (لاہور)

(۲) تفصیل کے ملاحظہ ہو: الفاروق، از: علامہ شبلی نعمانی والمرتضیٰ از: مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

روانہ ہوئے، سرغ پہنچ کر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ وغیرہ سے جو ان کے استقبال کو آئے تھے، معلوم ہوا کہ بیماری کی شدت بڑھتی جا رہی ہے، مہاجرین اولین اور انصار کو بلایا اور رائے طلب کی، مختلف لوگوں نے مختلف رائیں دیں، لیکن مہاجرین نے یک زبان ہو کر کہا کہ آپ کا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ پکار دیں کہ کل کوچ ہے، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ چونکہ تقدیر کے مسئلہ پر نہایت سختی کے ساتھ اعتقاد رکھتے تھے، ان کو غصہ آیا اور طیش میں آ کر کہا:

"أفراراً من قدر الله؟" (اے عمر! تقدیر الٰہی سے بھاگتے ہو؟)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی سخت کلامی کو گوارا کیا اور کہا:

"نعم! أفر من قضاء الله إلى قضاء الله"

(ہاں! تقدیر الٰہی سے بھاگتا ہوں مگر بھاگتا بھی تقدیر الٰہی کی طرف ہوں)

غرض خود مدینہ چلے آئے، اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ مجھ کو تم سے کچھ کام ہے، کچھ دنوں کے لیے یہاں آ جاؤ، ابوعبیدہ کو خیال ہوا کہ وبا کے خوف سے بلایا ہے، جواب میں لکھ بھیجا کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا ہے وہ ہوگا، میں مسلمانوں کو چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لیے یہاں سے ٹل نہیں سکتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ خط پڑھ کر روئے اور لکھا کہ فوج جہاں اتری ہے وہ نشیب اور مرطوب جگہ ہے، اس لیے کوئی عمدہ موقع تجویز کر کے وہاں اٹھ جاؤ، ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اس حکم کی تعمیل کی اور جابیہ میں جا کر مقام کیا، جو آب و ہوا کی خوبی میں مشہور تھا۔

جابیہ پہنچ کر (حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بیمار پڑے، جب زیادہ شدت ہوئی تو لوگوں کو جمع کیا، اور نہایت پر اثر الفاظ میں وصیت کی، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کیا، اور چونکہ نماز کا وقت آچکا تھا، حکم دیا کہ وہی نماز پڑھائیں، ادھر نماز ختم ہوئی، ادھر انھوں نے داعی اجل کو لبیک کہا، بیماری اسی طرح زوروں پر تھی، اور فوج میں انتشار پھیلا ہوا تھا۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا کہ یہ وبا انھیں بلاؤں میں سے ہے جو بنی اسرائیل کے زمانہ میں مصر پر نازل ہوئی تھی، اس لیے یہاں سے بھاگ چلنا چاہیے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے سنا تو منبر پر چڑھ کر خطبہ پڑھا، اور کہا کہ یہ وبا بلا نہیں ہے، بلکہ خدا کی رحمت ہے۔"(۱)

بعد میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی اولاد اور خود ان کو بھی رحمت الٰہی نے اپنی آغوش میں لے لیا، اور بڑے اطمینان و مسرت سے انھوں نے جان جان آفریں کے سپرد کی، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ان کے جانشین ہوئے، انھوں نے اسلامی فوج کو اس سے بچانے کے لیے تدبیریں سوچیں اور ادھر ادھر پہاڑوں پر پھیلا دیا۔

علامہ شبلی نعمانی کی تحقیق کے مطابق ۲۵ ہزار مسلمان جو آدھی دنیا فتح کرنے کے لیے کافی ہو سکتے تھے موت کے مہمان ہوئے، اللهم اغفر لهم و أكرم نزلهم وأدخلهم في شآبيب رحمته.

علامہ ذہبی کہتے ہیں: ابوحفص فلاس نے کہا کہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ۱۸ھ میں وفات پائی، اور وہ ۵۸ سال کے تھے۔(۲)

---

(۱) الفاروق حصہ اول (عمواس کی وبا) از علامہ شبلی نعمانی (۲) سیر أعلام النبلاء: ۱/۲۳

سید المسلمین

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

(المتوفی ۳۲ھ)

نام ونسب اور ولادت

عبدالرحمٰن بن عوف بن عبدعوف بن عبدالحارث بن زہرۃ بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی أبومحمد القرشی الزہری عام الفیل کے دس سال بعد پیدا ہوئے۔

حارث بن زہرہ کے عبد اور عبداللہ دو بیٹے تھے، اور ان دونوں کی والدہ قیلہ تھیں، عبد کی اولاد میں عبدالرحمٰن بن عوف ہیں۔

والدہ کا نام شفاء تھا، جو ان کے والد عوف کی چچازاد بہن تھیں، یعنی شفاء بن عبدالحارث بن زہرہ۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا نام جاہلیت میں عبدعمرو تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسلام کی دعوت دینی شروع کی اور جو آٹھ دس لوگ ایمان لائے، ان میں ایک عبدعمرو بن عوف زہری بھی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نام تبدیل کر کے عبدالرحمٰن رکھا، کنیت ابومحمد تھی۔

فضائل ومناقب

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جلیل القدر، عظیم المرتبت اور نہایت خوش نصیب صحابہ میں سے ایک ہیں، ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی نماز میں امامت کا شرف حاصل کیا، اور جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ پر نماز کی حالت میں وار ہوا، اور وہ اس قابل نہ رہے کہ نماز جاری رکھ سکتے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے نماز پوری کرائی، سابقین اولین میں اور مکی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سخت ترین حالات دیکھے، اور دین کے خاطر بڑی مشقتیں اٹھائیں، پھر وہ وقت آیا کہ ان سے دین کو بڑی تقویت پہنچی، اور مختلف موقعوں پر ان کے ذریعہ بڑے پیچیدہ مسائل بآسانی حل ہوئے، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے بعد امیر المومنین وخلیفۃ المسلمین کے انتخاب کا مسئلہ درپیش ہوا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بنائی ہوئی چھ رکنی کمیٹی میں تین حضرات کا نام واپس لے لینے کے بعد یہی ثالث ثلاثہ تھے، آپ نے ثالثی کا کام بڑی دور بینی، حزم اور تدبیر سے انجام دیا، اور الگ الگ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے گفتگو کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ کو منظور کیا، اور پہلے کثرت رائے اور پھر بہ اتفاق واجماع امت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ امیر المومنین قرار پائے، اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان کا بھرپور ساتھ دیا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ احد کے موقع پر شدید زخمی بھی ہوئے، اکیس زخم لگے اور پاؤں کا زخم اپنا اثر چھوڑ گیا، جس کی وجہ سے لنگڑا کر چلتے تھے۔(۱)

ہجرت، مواخات، کاروبار اور نکاح کا واقعہ

روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دو ہجرتیں کیں، ایک حبشہ کی اور وہ مدینہ منورہ ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ آئے تھے، مکہ

---

(۱) ابونعیم وابن عساکر عن ابراہیم بن سعد

معظمہ سے پھر مدینہ منورہ ہجرت کی، اسی طرح ان کی دو مواخات ہوئیں، ایک مواخات جو انصار اور مہاجرین کے درمیان کرائی گئی تھی، یہ حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ سے ہوئی جو زیادہ مشہور ہے، اور ایک مواخات وہ ہے جو مہاجر مہاجر کے درمیان ہوئی تھی، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مواخات حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کرائی تھی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے اندر گوناگوں خصوصیات جمع تھیں، اور خودداری اس قدر تھی کہ جب ان کے اور حضرت سعد بن الربیع کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مواخات کرائی اور حضرت سعد بن الربیع کو آپ سے اس قدر تعلق ہو گیا کہ آپ کی خاطر اپنی بیویوں میں سے ایک کو آپ کے لئے چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے، اور آمدنی اور جائداد میں برابر کا معاملہ کرنے لگے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے بازار کا راستہ پوچھا، اور اس سلسلہ میں صحیح رہنمائی چاہی، حضرت سعدؓ بن الربیع نے ایسا ہی کیا، اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے بازار سے سامان کی لین دین شروع کر دی، اور بہت جلدی ترقی کر لی، کہ مکہ سے ہجرت کے سبب جو دنیوی خسارہ اٹھایا تھا اس کی تلافی کر لی، اور یہ حیثیت بنائی کہ اغنیاء صحابہ میں شمار ہونے لگے، وہ اپنی دولت کا استعمال دین کو تقویت کو پہنچانے میں کرتے، اور محتاجوں کی مدد کرتے، انہوں نے اپنا نکاح باوجود مال و دولت کی فراوانی کے نہایت سادگی سے کیا، اور مدینہ منورہ میں کیا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تقریب نکاح میں مدعو نہیں کیا، کہ بلاوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں زحمت دی جائے، البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے بعد ملے اور خلاف معمول خوشبو کے زیادہ اثر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمایا کہ آپ نے نکاح کر لیا ہے، لیکن کوئی ایسی بات نہیں فرمائی جس میں شکوہ شکایت یا اس پر افسوس و ملال ہوتا کہ اس قدر تعلق اور قدیم روابط اور ایک قبیلہ کے ہونے کے باوجود بھی اطلاع نہیں کی، البتہ دعوت ولیمہ کی طرف توجہ دلائی، بکری ذبح

کرنے کی طرف اشارہ فرمایا، جس میں ان کی حیثیت و وجاہت کا بھی خیال تھا فرمایا:

"أولم ولو بشاة" الحديث(۱)

(ولیمہ کرنا خواہ ایک بکری سے ہی کیوں نہ ہو)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا جو رتبہ تھا اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ام کلثوم بنت عقبہ بن أبی معیط زوجہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے استفسار کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے یہ کہا تھا کہ:

"انكحي سيد المسلمين عبد الرحمن بن عوف، قالت: نعم"(۲)

(سید المسلمین عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے نکاح کرنا، کہا: جی ہاں)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی زوجہ اولیٰ کا نام ام کلثوم بنت عقبہ تھا جن سے زمانہ جاہلیت میں انھوں نے نکاح کیا تھا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی خاص دعا

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابوالہیاج نے بتایا کہ میں نے ایک شخص کو بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا اور وہ یہ دعا مانگ رہا تھا:

"اللهم قني شحّ نفسي"(۳)

(الٰہی مجھے میرے نفس کے حرص و ہوس سے محفوظ فرما)

میں نے لوگوں سے اس شخص کے بارے میں پوچھا، لوگوں نے کہا یہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہیں۔

ملی و دینی مہمات میں ان کا کردار اور مشورے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی ایک

---

(۱) صحيح البخاري، رقم: ۳۷۸۱، كتاب مناقب الأنصار، باب إخاء النبي بين المهاجرين والأنصار (۲) ابن مندہ و ابن عساکر (۳) استیعاب: ۲/۳۸۹

خصوصیت ان کے مردِ امین ہونے کی بتائی تھی اور فرمایا تھا:

"عبد الرحمن بن عوف أمين في السماء و أمين في الأرض"(۱)

(عبدالرحمٰن بن عوف آسمان میں امین ہیں اور زمین میں بھی امین ہیں)

چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلیفہ کے انتخاب کے لیے چھ رکنی شوریٰ بنائی تو وہ ان لوگوں پر مشتمل تھی جو عشرہ مبشرہ میں بقید حیات تھے۔(۲) اور بطور مشاہدا اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو بھی رکھا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اہل شوریٰ سے کہا تھا:

"هل لكم أن أختار لكم وانتقى منها؟ قال علي رضي الله عنه: أنا أول من رضي فإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: أنت أمين في أهل السماء وأمين في أهل الأرض"(۳)

(میں تمہارے لیے خلیفہ کا انتخاب کروں، تم لوگ راضی ہوگے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سب سے پہلے میں راضی ہوں گا، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے، آپ آسمان والوں اور زمین والوں میں امین ہیں)

چنانچہ ملت اسلامی کی تاریخ کے فیصلہ کن اور نازک ترین موڑ پر انھوں نے نہایت خوش اسلوبی اور کمال امانت و دیانت سے اس مہم کو سر کرنے کا آغاز اس طرح کیا، مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ رقم طراز ہیں:

---

(۱) استیعاب: ۲/ ۳۸۸ (۲) حضرت سعید بن زید کو مستثنیٰ کر کے غالباً ان کا نام اس لیے شامل نہیں کیا کہ وہ خاندان کے فرد تھے، یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی تھے، اور انھیں ڈر تھا کہ اس رشتہ کی وجہ سے ان کو ترجیح نہ دے دی جائے۔ (۳) استیعاب: ۲/ ۳۸۸

"حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ دونوں میں سے کون اپنے حق سے دست بردار ہوتا ہے کہ میں اس کے سپرد یہ کام کردوں، کہ وہ دو میں سے کسی ایک کو منتخب کردے، اور اس کو خدا کا اور اسلام کا واسطہ ہے کہ بقیہ دو میں سے جو افضل ترین ہو اس کے ذمہ خلافت سپرد کردے، اس پر شیخین حضرت علی مرتضٰی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما خاموش رہے، لہٰذا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اپنا حق چھوڑتا ہوں، (حضرت زبیر، حضرت طلحہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہم پہلے بالترتیب ان تینوں کے حق میں اپنا نام واپس لے چکے تھے) اور کہا: مجھے اللہ کی اور اسلام کی قسم ہے کہ میں مخلصانہ اجتہاد اور امکانی صواب دید سے کام لوں گا، اور اپنی عقل و دانست میں آپ دونوں میں جس کو افضل سمجھوں گا، اس کے سپرد یہ خدمت کردوں گا، دونوں نے کہا بہتر ہے، پھر دونوں سے علاحدہ علاحدہ بات کی، اور ان کے مرتبہ اور فضائل کا اعتراف کیا، اور یہ قول و قرار لیا کہ اگر ان کو ولی الامر بنایا گیا تو وہ عدل سے کام لیں گے، اور اگر دوسرے کو بنایا گیا تو اس کی اطاعت کریں گے، دونوں نے رضامندی کا اظہار کیا۔

پھر حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اٹھے، ان دونوں کے بارے میں لوگوں سے رائے معلوم کیں، لوگوں سے علاحدہ علاحدہ بھی مشورے لیے اور علانیہ مجمعوں میں بھی رائے معلوم کی، رازداری کے طور پر بھی کچھ لوگوں کے رجحانات کا پتہ چلایا، اور برملا بھی، یہاں تک کہ خواتین سے پردوں کے پیچھے سے بات کی، یہی نہیں بلکہ دوسرے شہروں سے آنے والے بدوؤں اور قافلہ والوں سے بھی ان کے

خیالات معلوم کیے، یہاں تک کہ مکتب کے بچوں تک سے ان کی خواہشات اور رجحانات کا پتہ چلایا، تین دن اور رات ان کا یہی مشغلہ اور وظیفہ رہا، انھوں نے کسی دو کو بھی حضرت عثمان کی افضیلت کا منکر نہیں پایا، وہ ان دنوں اور راتوں میں بہت کم سوئے، نماز و استخارہ میں اور اہل رائے کی رائیں معلوم کرنے میں مشغول رہے۔

چوتھے روز (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے چوتھے دن) اہل شوریٰ اسی جگہ جمع ہوئے، جہاں پہلے روز ان کا اجتماع ہوا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلایا، جب یہ دونوں حضرات آ گئے تو فرمایا: میں نے لوگوں کی آراء معلوم کیں، کسی کو بھی ایسا نہیں پایا جو آپ دونوں پر کسی کو فوقیت دیتا ہو، یا آپ کے برابر کسی کو سمجھتا ہو، پھر ان دونوں سے عہد لیا کہ اگر ان کو خلیفہ منتخب کیا گیا تو وہ عدل کریں گے، اور اگر ان کے اوپر دوسرے کو والی قرار دیا گیا تو سمع وطاعت کا معاملہ کریں گے۔

اس عہد اور قول وقرار کے بعد پھر دونوں کو ساتھ لے کر مسجد چلے گئے، جمعہ کی اذان ہوئی، اس روز حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے وہ عمامہ باندھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عطا فرمایا تھا، تلوار حمائل کی، مہاجرین و انصار میں سے اہم شخصیات کو خصوصی طور پر آدمی بھیج کر بلایا، جمعہ کی اذان ہوئی، مسجد کھچا کھچ بھر گئی، اور لوگ ایک دوسرے سے پیوست ہو کر بیٹھے، یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے بیٹھنے کی جگہ بھی نہ رہی، تو وہ آخری صف میں جا کر بیٹھ گئے، کیونکہ ان کے اندر حیا کا مادہ زیادہ تھا، پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے اور دیر تک کھڑے

رہے، اور ایک طویل دعا کی، جو بہت سے لوگوں نے ازدحام کی وجہ سے نہیں سنی، پھر حاضرین سے مخاطب ہو کر بولے:

حضرات! میں نے آپ سے تنہائیوں میں آپ کی آراء معلوم کیں اور علانیہ طور پر بھی میں نے آپ میں سے کسی کو ایسا نہیں پایا جو ان دونوں کے برابر کسی اور کو خلافت کا اہل سمجھتا ہو، علی ہوں یا عثمان۔

لہٰذا علی آپ کھڑے ہو جایئے اور میرے قریب آ جایئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے قریب جا کر کھڑے ہوئے، حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا:

''کیا آپ میرے ہاتھ پر عہد کرتے ہیں کہ میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے طریقہ پر خلافت کا کام انجام دوں گا؟''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کا وعدہ نہیں کرتا، لیکن اپنے امکان بھر خلافت کا حق ادا کرنے کی کوشش و جدوجہد کروں گا۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ چھوڑ دیا، پھر کہا: عثمان میرے پاس اٹھ کر آیئے، وہ آئے تو ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا:

''کیا آپ میرے ہاتھ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے طریقہ پر چلنے کا عہد کرتے ہیں؟''

انھوں نے کہا: ہاں! (کرتے ہیں)۔

پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا (وہ اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے تھے) اور کہا:

''اے اللہ! تو سن لے اور گواہ رہنا، اے اللہ! تو سن لے اور گواہ رہنا کہ میری گردن میں جو قلادۂ (خلافت) تھا وہ میں اتار کر عثمان رضی اللہ عنہ کی گردن میں ڈالتا ہوں۔''

اس کے بعد لوگوں کی بھیڑ ہوگئی، اور سبھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی، حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست پر بیٹھے رہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو منبر کی دوسری سیڑھی پر بٹھایا، لوگ آ آ کر بیعت کرتے رہے، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت کی۔''(۱)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی وجہ ترجیح کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے بڑی حکیمانہ بات تحریر فرماتے ہیں، وہ رقم طراز ہیں:

''حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے طرز خلافت سے سب لوگ مانوس تھے، اور اس طریقہ کو پسند کرتے تھے، اور ان کو اطمینان تھا کہ ان کا طرز عمل وہ بہترین طرز عمل تھا جو خلافت نبوت کے لیے موزوں ہے، اور اس راستہ میں تمام خطرات سے امان ہے، اور اس میں انحراف اور کسی خطرہ کا اندیشہ نہیں، اس لیے جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد طریقۂ شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کا نام لیا گیا تو وہ راضی ہوگئے، اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بھی مطمئن ہوگئے۔

دوسری طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جو خود کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند پایہ عالم اور اجتہاد کے اہل تھے، کو پورا حق تھا کہ وہ اس شرط کو قبول نہ کریں، لیکن یہ بات لوگوں کو مطمئن

---

(۱) المرتضیٰ، ص/۱۹۳-۱۹۴ لاہور

کرنے کے لیے کافی نہ تھی، وہ شیخین کے طریقۂ عمل کے خوگر اور شیدائی تھے، اسی لیے انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ترجیح دی، کیونکہ انھوں نے کتاب وسنت کے ساتھ اسوۂ شیخین کی پیروی کی شرط قبول کرلی۔"(۱)

خلاصہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو امین کی صفت سے جو متصف فرمایا تھا، وہ دنیا میں اس طرح پوری ہوئی اور آخرت میں اس کے ثمرات کے ساتھ آپ اس صفت سے اہل جنت میں بھی معروف وموصوف ہوں گے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں جہاں میں آپ کو اس صفت سے موصوف فرمایا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا یہ وصف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں پوری طرح واضح تھا، اور وہ ان کی انسانیت کی خیر خواہی اور ملت کی فلاح و بہبود میں فکرمندی اور ان کے عدل وانصاف اور فہم وفراست اور ربانیت صادقہ سے اچھی طرح واقف تھے، اور ان کی مقبولیت عنداللہ اور محبوبیت عندالخلق سے بھی خوب واقف تھے، اور آخر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جن حالات کا سامنا تھا وہ ان حالات میں بھی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو لوگوں کی امارت وخلافت اور اپنی ولی عہدی کے لیے بہت موزوں اور اسلام اور مسلمانوں اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے زیادہ مناسب سمجھ رہے تھے لیکن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اپنے کو اس ذمہ داری سے دور رکھنا چاہتے تھے، اسی لیے جب ان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ منشا معلوم ہوا تو انھوں نے اس امر کے واقع ہونے سے پہلے اپنے اٹھ جانے کی دعائے مستجاب کرڈالی۔

اور ان کی یہ دعا ایسی قبول ہوئی کہ چھ مہینے بھی نہیں گزرے اور وہ دنیا سے گزر گئے۔

امام ذہبی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

"إن عثمان رضي الله عنه اشتكى رعافاً فدعا حمران، فقال: أكتب لعبد الرحمن العهد من بعدي، فكتب له، فانطلق

---

(۱) المرتضیٰ ص/۱۹۳-۱۹۴ لاہور

حمران إلى عبد الرحمن، فقال: "لك البشرى، إن عثمان كتب لك العهد من بعده، فقام بين القبر والمنبر فقال: "اللهم إن كان من تولية عثمان إياي هذا الأمر فأمتني قبل عثمان." فلم يعش إلا ستة أشهر"(۱)

(حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو (اپنے غلام) حمران کو بلایا اور فرمایا: تم عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو میرا ولی عہد لکھ دو، انھوں نے لکھ دیا، اس کے بعد حمران حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور عرض کیا: خوشخبری ہے آپ کے لیے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کو اپنا ولی عہد نامزد کر دیا ہے، یہ سنتے ہی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے روضہ اقدس اور منبر کے درمیان میں کھڑے ہو کر یہ دعا کی کہ اے اللہ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھے خلیفہ نامزد کر دیا ہے تو مجھے ان سے پہلے ہی موت دے دے، چنانچہ وہ اس دعا کے بعد صرف چھ ماہ زندہ رہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پہلے وفات پا گئے)

وفات

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے خلافت کا بار اپنے سر لینے سے بچنے کے لیے جو دعا کی تھی وہ قبول ہوئی اور وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ہی ۳۲ھ میں وفات پا گئے، ان کی عمر شریف اس وقت ۷۵ سال تھی، اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔(۲)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو سلسبیل جنت سے سیراب کیے جانے کی دعاء دی تھی، ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

(۱) الخلفاء الراشدون للذھبی: ص/ ۱۴۵، بیروت لبنان (۲) أیضاً ص/ ۱۴۵

بھی یہی دعا دیتی تھیں، ذہبی کہتے ہیں:

''حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک زمین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ چالیس ہزار دینار میں فروخت کر کے اس سے حاصل شدہ رقم (اپنے خاندان) بنوزہرہ کے ضرورت مندوں اور مہاجروں اور امہات المومنین کی ضروریات کے لیے لگائی تھی، تو حضرت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دعاء دی:

"سقى الله ابن عوف من سلسبيل الجنة"(۱)

(اللہ تعالیٰ عبدالرحمٰن بن عوف کو جنت کی سلسبیل پلائے)

ذہبی امام زہری کی روایت نقل کرتے ہیں کہ:

''حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے شرکاء بدر کے لیے اپنے مال کی وصیت فرمائی تھی، ان کو گنا گیا، اس وقت شرکائے بدر سو کی تعداد میں موجود تھے، ہر ایک کے لیے چار سو دینار کی رقم آئی، اور راہ خدا میں ایک ہزار گھوڑوں کی وصیت فرمائی۔''(۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور اس کی برکات

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف جود وسخا، فیاض دلی اور حسن سلوک خاص طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت کرام کے ساتھ حسن سلوک میں بڑے ممتاز واقع ہوئے تھے، اور اس بات کو قبل از وقوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرما کر بعض امہات المومنین سے فرمایا تھا:

"ان الذى يحثو عليكنّ بعدي هو الصادق البارّ، اللهم اسق عبد الرحمن بن عوف من سلسبيل الجنة"(۳)

---

(۱) الخلفاء الراشدون للذهبي؛ ۴۴/۲۰۴، رقم؛ ۲۶۵۸۰، طبع بيروت

(۲) أيضا، ص/۱۴۵

(۳) مسند احمد بن حنبل

(کہ جو شخص میرے بعد تمہاری بھرپور خدمت کرے گا وہ ہے صادق الایمان صاحب احسان بندہ، اے اللہ! عبدالرحمٰن بن عوف کو جنت کی سلسبیل سے سیراب فرما)

یہ روایت ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور اس کی اہمیت یوں زیادہ ہو جاتی ہے کہ نبوت میں وراثت چلا نہیں کرتی، درہم و دینار کے فیض کے بجائے انبیاء کے علم و عمل کے نور کا فیض جاری ہوتا ہے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے اس نزاکت کو سمجھا اور اپنی دولت سے اہل بیت کو فائدہ پہنچایا۔(۱)

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو معارف الحدیث ۸/ ۴۲۸-۴۲۹

فیاض المسلمین

حضرت طلحہ بن عبید اللہ القرشی رضی اللہ عنہ

(وفات ۳۶ھ)

نام ونسب اور مقام ومرتبہ

طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب القرشی رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دس افضل ترین صحابہ میں ان کا نام سب کے ساتھ لیا، جنھیں ایک ساتھ جنت کی بشارت سنائی گئی، اور دوسرے موقع پر تنہا بھی لیا۔

سنن ترمذی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ پر ایک نظر ڈالی اور (موجود لوگوں کے سامنے) فرمایا:

"من سره أن ينظر إلى شهيد يمشي على وجه الأرض فلينظر إلى طلحة"

(جو زمین پر چلتے شہید کا دیدار کر کے خوشی حاصل کرنا چاہتا ہو وہ طلحہ کو دیکھ لے)(۱)

---

(۱) سنن ترمذی، کتاب المناقب: ۳۷۴۱

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو شہادت ایک معرکہ میں حاصل ہوئی، اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی صداقت کھل کر سامنے آئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

''طلحہ وزبیر جنت میں میرے پڑوسی ہیں''۔(۱)

جہاد میں آپ کا فدائیانہ کردار

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غایت درجہ کا تعلق تھا، اور یہ تعلق فدائیانہ تھا، اُحد کے موقع پر ان کا ایک ہاتھ یوں شل ہو گیا تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آکر تیروں کو اپنے ہاتھ پر لے رہے تھے، یہ غیر معمولی فدائیت ان کے حصہ میں آئی۔

حضرت قیس بن ابی حازم کہتے ہیں:

"رأیت ید طلحة شلّاء وقیٰ بها النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یوم أحد"(۲)

ذہبی نے حضرت طلحہ سے خود ان کا حال یہ نقل کیا ہے کہ:

"عقرت یوم أحد فی جمیع جسدی حتی فی ذکری"

(کہ احد میں میرے جسم کا ظاہری حصہ اور مستور حصہ دونوں ہی زخمی ہوا)(۳)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ شام میں کاروبار کی وجہ سے گئے ہوئے تھے، اس لئے بدر میں موجود نہیں تھے، لیکن ان کو نیت وارادے اور ان کی قربانیوں کی وجہ سے مثل شریک مانا گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا حصہ نکالا، غزوۂ احد جو کہ بدر کے بعد پیش آیا، انہوں نے اس طرح سے بڑھ چڑھ کر پوری اولوالعزمی کے ساتھ حصہ لیا کہ حجت تمام کردی، اور امام ذہبی نے مسند طیالسی کے حوالہ سے حضرت معاویہ

---

(۱) ایضا (۲) صحیح البخاری، رقم: ٤٠٦٣، کتاب المغازی، باب "إذ همت طائفتان منکم" (۳) سیر أعلام النبلاء: ۱/۳۹

رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: "طلحة ممن قضى نحبه"(۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کی تفصیل حضرت طلحہ بن عبید اللہ کی صاحبزادیوں کی اس حقیقت بیانی سے ہو جاتی ہے، جیسا کہ امام ذہبی نے نقل کیا ہے، کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی دو صاحبزادیاں عائشہ اور ام اسحاق رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں:

"جرح أبونا يوم أحد أربعاً وعشرين جراحة، وقع منها في رأسه شجة، وقطع نساه وشلّت أصابعه"(۲)

(ہمارے والد کو احد میں ۲۴ زخم آئے، سر میں چوٹیں آئیں، اور ٹخنے سے اوپر والی رگ کٹی اور انگلیاں کام کی نہ رہیں)

حضرت طلحہ اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کے مطالبہ کے لئے سامنے آ گئے تھے، اور بات اتنی بڑھ گئی تھی کہ جنگ کی صورت حال پیدا ہو گئی، اور اسی میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما شہادت سے سرفراز ہوئے، واقعہ یہ ہے کہ حضرت طلحہؓ پر حضرت عثمانؓ کے واقعہ شہادت اور ان کی مظلومانہ حالت کا اس لئے بھی زیادہ اثر پڑا کہ وہ ان کی زندگی میں جب وہ محصور تھے کھل کر نصرت کے لئے نہ آ سکے تھے، امام ذہبی نے اس حقیقت سے پردہ اس طرح اٹھایا ہے اور لکھا ہے کہ:

"قال طلحة رضي الله عنه: كان مني شيئ في أمر عثمان رضي الله عنه مما لا أرى كفارته إلا سفك دمي، وطلب دمه، قلت الذي كان منه في حق عثمان تمغفل وتأليب، فعله باجتهاد، ثم تغير عندما شاهد مصرع عثمان رضي الله عنه، فندم على ترك نصرته رضي الله عنهما.

وقال: إنا وهَنّا في أمر عثمان رضي الله عنه فلا نجد اليوم

(۱) الخلفاء الراشدون من تاریخ الاسلام ص/ ۲۰۱ (۲) الخلفاء الراشدون من تاریخ الاسلام ص/ ۲۰۱

أمثل من أن نبذل دمائنا فيه، اللهم خذ لعثمان رضي الله عنه منى اليوم حتى ترضى"(۱)

(حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں مجھ سے جو کوتاہی ہوئی اس کا کفارہ میرا قتل اور ان کے قصاص کا مطالبہ ہے، (ذہبی کہتے ہیں) میں عرض کرتا ہوں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں جہاں تک ان کی کوتاہی کی بات ہے وہ بس اتنی ہے کہ انھوں نے اس کی سنگینی کو نہیں سمجھا اور لوگوں کو جمع ہونے دیا، یہ ان کا اپنا اجتہاد تھا، پھر جب انھوں نے جائے حادثہ کا معائنہ کیا تو ان کی سوچ بالکل ہی بدل گئی اور مدد کے لیے نہ پہنچنے پر وہ بڑے ہی نادم ہوئے۔

اور انھوں نے کہا کہ درحقیقت ہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کے معاملہ میں بڑی کمزوری دکھائی تھی تو آج سے اچھا موقع نہیں ملے گا کہ ہم ان کے لیے اپنا خون بہادیں، اے اللہ! حضرت عثمان کی شہادت کے بدلے میری جان کو قبول فرما تا کہ تو راضی ہو جائے)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اسی جذبہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے بدلہ کے لیے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہوئے، اور طلب قصاص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مسئلہ میں حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ بھی ان کے دوش بدوش تھے، البتہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعض متعلقین ان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرہ کے وقت سامنے نہ آنے اور مدد کے لیے نہ پہنچنے کی وجہ سے باغیوں کا حامی سمجھ رہے تھے، اور مؤرخین کے نزدیک اسی غلط فہمی نے مروان کو اس بات پر ابھارا کہ وہ ان ہی پر وار کردے، جبکہ مروان ظاہراً ان کے ساتھ

(۱) سیر اعلام النبلاء: جلد اول ص ۳۵

تھا، چنانچہ مروان نے ان پر ایسا وار کیا کہ وہ جاں بر نہ ہو سکے، حضرت وکیع، اسماعیل بن ابو خالد سے اور وہ قیس سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے مروان بن الحکم کو حضرت طلحہ کو تیر کا نشانہ بناتے ہوئے دیکھا، وہ ان کے گھٹنے میں لگا، خون مسلسل بہتا رہا، اور وہ اسی حال میں وفات پا گئے۔(۱) مروان بن الحکم کی یہ بات بھی نقل کی ہے:

"هذا أعان على عثمان ولا أطلب بثأري بعد اليوم"(۲)

(کہ انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف مدد کی تھی، آج کے بعد کوئی اور میں انتقام نہیں چاہتا)

اور بعد میں حضرت ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر فخریہ انداز میں کہا کہ:

"قد كفيناك بعض قتلة أبيك"(۳)

(ہم نے تمہارے والد کے بعض قاتلوں کا حساب چکا دیا)(۴)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بڑا اثر پڑا، ان کو دیکھتے ہی اپنی سواری سے اتر گئے اور ان کے چہرے اور داڑھی سے غبار ہٹاتے جاتے اور دعائے رحمت و مغفرت کرتے جاتے اور اپنے تعلق سے یہ فرماتے کہ کاش! میری موت آج سے بیس سال پہلے ہو چکی ہوتی۔ اور قاتل کو یہ بددعا دی:

"بشّروا قاتل طلحة بالنار"(۵)

(کہ طلحہ رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو جہنم کی خبر دے دو)

پھر جب واقعہ جمل کے بعد حضرت عمران بن طلحہ رضی اللہ عنہما اپنے والد کا غم ہلکا کرنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ اکرام کا معاملہ کیا اور قریب بٹھایا، پھر فرمایا کہ میں اللہ سے امید رکھتا

---

(۱) سیر اعلام النبلاء ۱/۳۵ (۲) ایضا: ۱/۳۶ (۳) ایضا ۱/۳۶

(۴) پروفیسر یاسین مظہر صدیقی نے اپنی کتاب "حضرت مروان بن الحکم" میں انہیں ان الزامات سے بری قرار دیا ہے۔ (۵) أیضا: ۱/۳۵-۳۹

ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور تمہارے والد مرحوم کو ان لوگوں میں کردے گا جن کے متعلق اس کا فرمان ہے:

﴿وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ﴾ (الحجر:٤٧)

(اور ان کے سینوں میں جو بھی رنجش ہوگی وہ بھی ہم دور کردیں گے آمنے سامنے مسہریوں پر بھائیوں کی طرح (بیٹھے ہوں گے)

موقف سے رجوع اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے سلسلہ میں تجدید بیعت

حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت زبیر بن العوام اور حضرت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم ان سب کے متعلق صحیح بات یہ ہے کہ انھوں نے اپنے موقف سے رجوع کرلیا تھا، حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کو بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کی جگہ پہنچانے کا نظم کیا، اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے کنارہ کشی اختیار کی، لیکن حضرت طلحہ کو ان کے ہی گروہ کے ایک شخص مروان نے یہ سمجھ کر کہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرہ میں شریک رہے ہیں جو ان کی مظلومانہ شہادت کا سبب بنا شہید کیا، علامہ ابن البر اندلسی نے بھی یہ توجیہ کی ہے اور لکھا ہے کہ:

"وذلك أن طلحة -فيما زعموا- كان ممن حاصر عثمان واستبد عليه ولا يختلف العلماء الثقات فى أن مروان قتل طلحة يومئذ وكان فى حزبه"(۱)

(کہ ان لوگوں کو یہ خیال تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ اور ان پر ظلم کرنے والوں میں یہ بھی ہیں، اور ثقہ علماء اس بات پر متفق ہیں کہ مروان جو اس وقت انھیں کے گروہ میں شامل تھا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا قاتل ہے)

---

(۱) استیعاب ۲/ ۳۱۸

اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو مخالف گروہ کے ایک فرد عمرو بن جرموز نے جوان کی تاک میں تھا شہید کیا، اور جب وہ انعام کی لالچ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پر غضب ناک ہوئے اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سنائی۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی عمر ۶۲ سال تھی، اور یہ واقعہ ۳۶ھ کا ہے۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے رجوع کی بڑی دلیل ان کی تجدید بیعت ہے، حالانکہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس وقت بیعت کر چکے تھے جب وہ خلیفہ منتخب ہوئے تھے اور پھر یہ بیعت انتقال سے کچھ پہلے ان کے نمائندہ کے ہاتھ پر کی تھی، یہ ان کا اپنے موقف سے کھلا رجوع تھا۔

حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا تبصرہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے نقل کیا ہے کہ:

> ''بڑی تعداد میں لوگوں نے اس طرح کی روایتیں نقل کی ہیں کہ جنگ جمل میں شریک ہونے والے اپنی رائے سے رجوع کر چکے تھے، اور انھیں اس پر افسوس تھا، خود ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس طرح کی روایت ہے جیسا کہ ابوبکر اور ان کے علاوہ متعدد راویوں کا بیان ہے کہ انھوں نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے سنا اور الحاکم نے ثور بن مجزاۃ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے جنگ جمل کے موقع پر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو اس حال میں دیکھا کہ ان کی سانس اکھڑ رہی تھی، انھوں نے پوچھا تم کس گروہ سے ہو؟ انھوں نے کہا کہ علی رضی اللہ عنہ کے لوگوں میں ہوں، (کہا) اپنا ہاتھ بڑھاؤ، میں تمہارے ہاتھ پر بیعت کرلوں، میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا، انھوں نے بیعت کی، اور اسی لمحہ جان جان آفریں کے سپرد کردی (وہ

کہتے ہیں) میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آ کر یہ ماجرا سنایا، فرمایا:
اللہ اکبر! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد صحیح ثابت ہوا، اللہ کو پسند نہیں تھا کہ طلحہ میری بیعت کے بغیر جنت میں داخل ہوں۔" (۱)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا امتیازی وصف

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا امتیازی وصف ان کی فیاضی ہے اور یہ ایسا وصف ہے جس سے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موصوف فرمایا ہے، ان کے ایک عمل پر ان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"أنت طلحة الفياض"

اس کا واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ حضرت طلحہ نے ایک کنواں پہاڑ کے دامن میں خریدا اور ایک جانور ذبح کیا اور لوگوں کی اس سے ضیافت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر یہ فرمایا۔ (۲)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس مال آتا مگر اس کا رکنا محال تھا، وہ بے چین ہو جاتے اور چاہتے کس طرح لوگوں کی ضرورتیں اس سے پوری ہو جائیں، ضرورت مندوں کو ان سے کہنا نہیں پڑتا، ان کے صاحبزادے حضرت موسیٰ بن طلحہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

"اباجان کے پاس حضرموت سے سات لاکھ کی رقم آئی، پوری رات

---

(۱) المرتضی ص/ ۲۴۵ بحوالہ ازالۃ الخفاء، المقصد الثانی ص/ ۲۸۰

اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ اکابر صحابہ نے حضرت علی بن ابی طالب کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جو مکتوب لکھا تھا اس میں بھی اس کا اظہار تھا، یہاں حضرت علی کا یہ فرمانا اس لیے ہے کہ خروج سے وہ بیعت قائم نہ رہ سکی تھی اس لیے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے تجدید بیعت ضروری سمجھی، اس سے معلوم ہوا کہ امام و مرشد کے خلاف اقدام سے بیعت قائم نہیں رہتی اور تجدید بیعت لازم ہوتی ہے۔

(۲) الخلفاء الراشدون للذہبی ص/ ۲۰۲

ان کی بے چینی میں گزری، بالآخر ان کی اہلیہ نے عرض کیا: آخر کس چیز کی پریشانی ہے؟ انھوں نے یہ سبب بتایا، اہلیہ نے کہا: آپ کے لیے کیا مسئلہ آپ کے تعلق والے ہیں ان میں صبح تقسیم کر دیجیے گا، وہ بڑے خوش ہوئے اور فرمانے لگے تم باتوفیق خاتون ہو، صبح ہوئی تو وہ سب کا سب مال مہاجرین و انصار میں تقسیم کر دیا، اس میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی بھیجا، اور اپنی اہلیہ کو بھی، آخر میں جو بچا وہ دیا، یہ تقریباً ایک ہزار درہم تھا، ان کی یہ اہلیہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم تھیں۔"(۱)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی سخاوت اور دین کی راہ میں خرچ کرنے اور دوسروں کی ہمدردی اور سلوک و صلہ رحمی کے واقعات کو جمع کیا جائے تو ایک پورا دفتر تیار ہو جائے گا، ذہبی کہتے ہیں:

"بدر کے دس قیدیوں کا فدیہ ان کے مال سے دیا گیا، بنو تمیم کے کمزوروں کی ضروریات پوری کرتے اور ان کے قرض ادا کرتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہر سال دس ہزار درہم پیش کرتے"(۲)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سابقین اولین میں ہیں، اور ان کے مناقب و فضائل بہت زیادہ ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور حضرت زبیر بن العوام کو جنت میں اپنا پڑوسی قرار دیا، ترمذی کی روایت ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

"طلحة والزبير جاراي في الجنة"

(کہ طلحہ اور زبیر دونوں جنت میں میرے پڑوسی ہوں گے)

اور صحیح مسلم کی روایت ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ

---

(۱) الخلفاء الراشدون للذہبی ص/۲۰۲ (۲) أیضا

ﷺ حراء پر تھے اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان و حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم تھے، چٹان کھسکنے لگی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"أثبت يا حراء فما عليك إلا نبي أو صديق أو شهيد"

(اے حراء! پرسکون ہوجا، تیرے اوپر نبی، صدیق اور شہید کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے)

صحابہ کرام مکہ سے مدینہ آئے، اور ان کو اپنا سب کچھ چھوڑ کر آنا پڑا تھا، لیکن ان کی غیرت نے دوسروں کا احسان مند ہونے کے بجائے خود تجارت اور کاروبار کرایا، حضرت طلحہ نے بھی کاروبار کیا، اللہ نے ان کے کاروبار میں برکت دی، اور انھوں نے دین کے لیے اور ضرورت مندوں کی اعانت کے لیے مقروضوں کے لیے قرض کی ادائیگی کے لیے اور جہاد و دعوت کے میدان میں اس مال کو لگایا، اور خوب خرچ کیا اور ذخیرہ اندوزی سے گریز کیا پھر بھی اتنی برکت ہوئی کہ ذہبی امام یحییٰ سے نقل کرتے ہیں کہ:

"قتل طلحة رضي الله عنه وفي يد خازنه ألفا ألف درهم ومأتا ألف درهم، وقومت أصوله و عقاره بثلاثين ألف ألف درهم"(۱)

(کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اس حال میں شہید ہوئے کہ ان کے خازن کے پاس بائیس لاکھ درہم تھے، اور ان کی دیگر جائیدادوں کی قیمت کا تخمینہ تیس لاکھ درہم لگایا گیا)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی بعض خصوصیات

دین سے ان کا جو تعلق شروع سے جڑا تھا، اس نے ان کو دین کے کسی معاملہ میں محروم نہیں ہونے دیا، مصائب جھیلے، مکی زندگی میں اسلام لانے کے بعد سخت آزمائشوں سے گزرے، مگر پائے ثبات میں لغزش نہیں آنے دی، ہجرت کی، غزوات

(۱) الخلفاء الراشدون ص/۲۰۳-۲۰۴

میں شرکت کی، احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ سپر بنے کہ خود چھلنی ہوجائیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہلکی ضرب بھی نہ آنے دیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھانے کا شرف بھی اسی موقع پر حاصل کیا، اور ایک جگہ سے دوسری جگہ محفوظ مقام پر پہنچایا، بدر میں ان کا معاملہ بیعت الرضوان میں حضرت عثمان کی طرح رہا۔

ایک بڑا امتیازی پہلو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا یہ ہے کہ وہ حالانکہ بدر میں شرکت نہ کرسکے تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اس میں حصہ رکھا اور جب انھوں نے اجروثواب کے متعلق دریافت کیا کہ "وأجری یا رسول اللّٰہ! قال وأجرك" کہ اللہ کے یہاں تمہارا اجروثواب بھی ہے۔

علامہ ابن عبدالبر اندلسیؒ نے بدر میں ان کی عدم شرکت کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ سے بدر کی طرف روانہ ہونے سے پہلے شام کے راستہ میں حضرت طلحہ اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہما کو حالات کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا تھا اور ان کی واپسی اس وقت ہوئی جب معرکہ بدر پیش آچکا تھا۔(۱)

کرامت

انبیاء کے معجزات اور اولیاء کی کرامات کے حق ہونے پر امت کا اجماع ہے، اور اولیاء اللہ میں سرفہرست صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی ولایت کا شاہد قرآن حکیم ہے، اور ان میں عشرہ مبشرہ کا مقام اور اونچا ہے، حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کی کرامت ان کے انتقال کے بعد ظاہر ہوئی، جہاں ان کی تدفین عمل میں آئی تھی وہاں پانی قریب تھا، جو ان کی قبر میں داخل ہوگیا تھا، خواب میں انھوں نے اس پریشانی کو بتایا اور جب ان کی قبر کھودی گئی تو ان کی نعش کو جو صحیح سالم تھی دوسری جگہ منتقل کیا گیا۔(۲)

---

(۱) استیعاب: ۲/ ۳۱۷ (۲) الخلفاء الراشدون ص/ ۲۰۳

حواری رسول (ﷺ)

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ

(المتوفی ۳۶ھ)

نام ونسب اور مقام ومرتبہ

ابوعبداللہ الزبیر بن العوام بن خویلد بن أسد بن عبدالعزی بن قصی القرشی الاسدی سابقین اولین اور عشرہ مبشرہ میں ایک، سب سے پہلے اسلام اور مسلمانوں کے لیے تلوار میان سے نکالنے کا شرف بھی آپ کو حاصل ہوا، ان کے صاحبزادے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ اس کا سبب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

> ''شیطان نے یہ ہوا پھیلا دی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نعوذ باللہ) گرفتار کر لیے گئے ہیں، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سنتے ہی تلوار لیے مجمع کو پھلانگتے ہوئے مکہ کے بالائی حصہ کی طرف بڑھے، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ تشریف فرما تھے، فرمایا: زبیر! کیا بات ہے؟ انھوں نے وجہ بتائی کہ معلوم ہوا تھا آپ کو دشمنوں نے پکڑ لیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دعا دی اور آپ کی تلوار کے لیے بھی دعا کی۔(۱)

---

(۱) استیعاب: ۲/۹۰

اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر فرمایا:

"إنه ركن من أركان الدين"(۱)

(یہ دین کا ایک رکن ہیں)

اسی طرح وہ بڑے عبادت گذار اور خوب نماز روزے والے تھے، یہاں تک کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو ان سے کہنا پڑا:

"إن لبدنك عليك حقاً ولزوجك عليك حقاً فأقل مما تصنع"(۲)

(تم پر تمہارے بدن کا بھی حق ہے، بیوی کا بھی حق ہے، اپنے معمولات میں کمی کرو)

حواری کا خطاب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنا حواری قرار دیا ہے، اور یہ فرمایا:

"إن لكل نبي حوارياً، وحواريي الزبير"(۳)

(یعنی ہر نبی کا ایک خاص معاون و رفیق ہوا ہے، میرے معاون و رفیق زبیر ہیں)

ایک غزوہ کے موقع پر خاص مرحلہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں کا حال معلوم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، اور فرمایا: "من يأتيني بخبر القوم؟" حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے، انہوں نے اس کے لئے اپنے کو پیش کیا، اور اس جذبہ خدمت میں سبقت حاصل کی اور اس کے نتیجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشی حاصل ہوئی، اور حواری کا خطاب عطا فرمایا، حواری ایسا لفظ ہے جسے قرآن مجید نے اختیار کیا ہے، حضرت عیسی بن مریم علیہ السلام نے خاص حالات میں فرمایا تھا: ﴿مَنْ

(۱) الخلفاء الراشدون للذہبی ص/۱۹۳، مجمع الزوائد ۹/۱۵۰ (۲) الخلفاء الراشدون، ص/۱۹۵
(۳) صحیح بخاری و مسلم

أَنصَارِيٓ إِلَى ٱللَّهِ﴾ (۱) قرآن نے ان کے خواص اہل تعلق اور مخلصین کا جواب نقل کیا ہے: ﴿قَالَ ٱلْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ ٱللَّهِ﴾ (۲) حواری اپنے اندر جانثار، رفیق کار، مدد گار، خاص معاون ومساعد، وزیر، خادم خاص اور شریک کار کے معنی رکھتا ہے۔

ابن عبدالبرؒ لکھتے ہیں:

''حضرت قتادہؒ (تابعی) کہتے ہیں: حواری رسول اللہ، قریش کے یہ سب حضرات ابوبکر، عمر، عثمان، علی، حمزہ، جعفر، ابوعبیدہ بن الجراح، عثمان بن مظعون، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ اور زبیر ہیں، اور وہ اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ حواری وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کے اہل اور مستحق ہیں۔'' (۳)

دوسری فضیلتیں

اس فضیلت کے علاوہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو دوسری بڑی فضیلت قرابت داری کی بھی حاصل تھی کہ آپ کی والدہ حضرت صفیہؓ سید ولد آدم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اور اسلام کی قابل فخر خواتین میں ممتاز ترین خاتون تھیں۔

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہما سے ہوا، جو خود بڑی بہادر اور بڑی فہیم خاتون تھیں، ان کا یہ واقعہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے، جب ان کے فرزند حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو محاصرہ کی کلفتوں سے گزرنا پڑا، اور حجاج بن یوسف ثقفی کے لشکر سے سامنا کرنے کا مرحلہ آیا اور والدہ صاحبہ سے اجازت طلب کرنے حاضر ہوئے، وہ نابینا ہو چکی تھیں، ٹٹولنے پر سینہ پر ہاتھ رکھا تو زرہ پر پڑا، پوچھنے لگیں یہ کیا ہے، انہوں نے بچاؤ اور حفاظت کے لئے اس کو استعمال کرنے کی وجہ بتائی، انہوں نے اس کو بزدلی اور کمزوری کی علامت سمجھا اور اتارنے کو کہا، اور پوری جانبازی اور پامردی سے مقابلہ کرنے پر ابھارا،

---

(۱) آل عمران: ۵۲ (۲) آل عمران: ۵۲ (۳) استیعاب: ۲/۹۱

چناچہ ایسا ہی ہوا اور وہ شہادت سے سرفراز ہوئے، حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ بڑے اچھے تاجر تھے، شام وغیرہ سے سامان لاتے اور حجاز میں فروخت کرتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذہنی، فکری اور جذباتی ایسی قربت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے تعلق خاطر محسوس کرتے تھے، حضرت علی بن طالب رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی نے اس کی گواہی دی اور اعتراف کیا ہے، جسے جامع ترمذی میں ان الفاظ میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے فرمایا:

"سمعت أذني من في رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: طلحة والزبير جاراي في الجنة"(۱)

(میرے کانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے یہ سنا ہے کہ طلحہ اور زبیر جنت میں میرے پڑوسی ہوں گے)

حضرت زبیر بن العوام اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہما ان جلیل القدر صحابہ کرام میں ہیں جن کے مقام وفضیلت کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص موقع پر ایک خاص انداز سے بیان فرمایا، جس میں ان کے رتبہ شہادت کی پیشین گوئی بھی تھی، صحیح مسلم کی روایت ہے:

"عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان على حراء هو وأبوبكر وعمر وعليّ وعثمان وطلحة والزبير فتحركت الصخرة، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اهدأ فما عليك إلا نبي وصديق وشهيد"(۲)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حراء پر تھے اور ابوبکر وعمر وعلی وعثمان وطلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم بھی تھے، اتنے میں چٹان کھسکی تو رسول اللہ صلی اللہ

---

(۱) جامع ترمذی، أبواب المناقب باب مناقب الزبير رضى الله عنه: ۳۷٤۱

(۲) صحيح مسلم، رقم: ٦٢٤٧، فضائل الصحابه، باب من فضائل طلحة والزبير رضى الله عنهما

علیہ وسلم نے اس کو خطاب کر کے کہا کہ پرسکون ہوجا، تجھ پر نبی، صدیق اور شہید کے علاوہ کوئی موجود نہیں ہے)

چنانچہ حضرت زبیر بن العوام اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہما حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے آغاز میں ہی جنگ جمل میں مظلومانہ شہید ہوئے، جبکہ ظالموں نے ان پر وار کیا جو سبب شہادت بنا۔

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی اولاد میں حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عروہ بن الزبیر بھی نمایاں ہوئے، اور علم وفضل میں تابعین میں اونچا مقام حاصل کیا، حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کو شرف صحابیت حاصل تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تحنیک فرمائی تھی، اور عبد اللہ نام رکھا تھا۔

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کا خاندان خالص قریشی اسماعیلی خاندان ہے، حضرت عبد المطلب جدّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں، ۱۶ر سال کی عمر میں اسلام لائے، اور ہر موقع پر جب دین کو نصرت کی ضرورت اور صحابہ کے لیے قربانی کا وقت آیا وہ پیش پیش رہے، اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی جانشینی کے لئے چھ رکنی کمیٹی بنائی تو اس کے بھی یہ ایک اہم رکن تھے۔

حلیہ

آپ کا قد دراز تھا، سوار ہوتے تب بھی پاؤں زمین سے مس ہوتے، بال بھورے تھے، خضاب کا استعمال نہیں کرتے تھے، جسم ہلکا تھا، داڑھی بھری ہوئی نہیں تھی، مال و دولت کی فراوانی تھی، امارت وسلطنت کی وجہ سے نہیں کہ وہ کہیں کے والی نہیں بنائے گئے تھے، وہ بڑے تاجر تھے، تجارت سے ہی انہوں نے ترقی کی۔

زہد وسخاوت

امام ذہبی لکھتے ہیں:

"وثبت في الصحيح أن الزبير خلّف أملاكاً بنحو أربعين

ألف ألف درهم وأكثر"(۱)

(کہ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے تقریباً چالیس لاکھ درہم سے زیادہ کی جائیداد چھوڑی)

اور ذہبی نے یہ بات لکھی ہے کہ ان کے ایک ہزار غلام تھے، جو انہیں خراج دیتے تھے، اور ان کا دنیا سے بے رغبتی کا یہ حال تھا کہ متعدد بار ایسا ہوا کہ انہوں نے اپنا پورا کا پورا مال ایک ہی مجلس میں خیرات کر دیا۔

ابن عبدالبر نے ان کے زاہدانہ حال کو اس طرح بھی واضح کیا ہے:

"فما كان يدخل بيته منها درهماً واحداً"(۲)

(کہ ایک درہم بھی اس میں سے ذخیرہ نہیں کرتے تھے)

اور صحیح بخاری کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ مال کی فراوانی کے باوجود بہت مقروض ہو گئے تھے، اس لیے کہ ان کی دادرسی بہت بڑھی ہوئی تھی، جو املاک و جائیداد انھوں نے چھوڑی، ان کے فرزند اکبر حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے پلاننگ کر کے سب کے قرض اتارے، اور اللہ نے ایسی برکت دی کہ ورثاء میں بھی ہر ایک کے حصہ میں خوب آیا، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

شجاعت و جوانمردی

شجاعت و بہادری بھی ان کا بڑا نمایاں وصف تھا، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ایک قصیدہ ان کی شان میں کہہ کر ان کے اس وصف کی خصوصیت سے تعریف کی اور سب پر فوقیت دی ہے، ابن عبدالبر اندلسی لکھتے ہیں:

"وفضّله حسان على جميعهم كما فضّل أبو هريرة على الصحابة أجمعين جعفر بن أبي طالب"(۳)

(حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو

---

(۱) الخلفاء الراشدون للذہبی ص/۱۹۹ (۲) استیعاب:۲/۹۲ (۳) استیعاب:۲/۹۲

سبھی صحابہ پر فضیلت دی ہے، جیسے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو سارے صحابہ پر فضیلت دی ہے)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان کی شجاعت و بہادری کی تعریف فرمایا کرتے تھے، اور جنگ جمل کے حوالہ سے کہا:

"حاربني أطوع الناس في الناس عائشة، وأشجع الناس الزبير، وأمكر الناس طلحه بن عبيد الله لم يدركه ماكر قط...الخ"(۱)

(مجھ سے لوگوں میں سب سے اطاعت گذار عائشہ (أم المومنین) نے اور لوگوں میں سب سے بہادر شخص زبیر نے اور لوگوں میں سب سے زیادہ چالوں میں ماہر طلحہ نے کہ انہیں بڑے سے بڑا ہوشیار پانہ سکا جنگ کی)

حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت علی، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم ہم عمر تھے، اور ان چاروں میں آپس میں بڑا گہرا تعلق تھا، باوجود بعض مسائل وقضایا میں رائے کے اختلاف اور مقابل میں آنے کے یہ تعلق قائم و دائم رہا، اور دونوں طرف سے اس کا برملا اظہار بھی ہوا۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ بدر کے موقع پر وہ سواری کر رہے تھے، اور ان کے سر پر عمامہ صفراء تھا، ملائکہ جو نصرت کے لئے اترے ان کے سروں پر بھی اسی رنگ کے عمامے تھے۔(۲)

حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں یہ تین بڑے ہی بہادر واقع ہوئے تھے، حمزہؓ، علیؓ، اور زبیرؓ (حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ چچا تھے، حضرت علی چچازاد بھائی، اور حضرت زبیر پھوپھی زاد بھائی)۔

حضرت زبیر کے اسی ذوق شہادت نے ان کو اپنی اولاد کے نام رکھنے میں

---

(۱) الخلفاء الراشدون، ص/۱۹۱ (۲) استیعاب ص/۹۲

بدریوں کے نام کی مناسبت کا خیال کرنے پر آمادہ کیا، وہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ کے ذوق کا ذکر کر کے اپنا ذوق اس طرح ظاہر کرتے ہیں:

"إن طلحة يسمي بنيه بأسماء الأنبياء وقد علم أنه لا نبي بعد محمد صلى الله عليه وسلم، وإني أسمي بني بأسماء الشهداء لعلهم يستشهدون، عبد الله بعبد الله بن جحش، المنذر بالمنذر بن عمرو، وعروة بعروة بن مسعود، وحمزة بحمزة، وجعفر بجعفر بن أبي طالب، ومصعب بمصعب بن عمير، وعبيدة بعبيدة بن الحارث، وخالد بن سعيد، وعمرو بعمرو بن سعيد بن العاص"(۱)

(حضرت طلحہ اپنی اولاد کے نام انبیاء پر رکھتے تھے، اور انہیں معلوم تھا اب کوئی اور نبی آنے والا نہیں اور میں شہداء کے نام پر رکھتا کہ انہیں شرف شہادت حاصل ہوا جیسے؛ عبد اللہ، منذر، عروہ، حمزہ، جعفر، مصعب، عبیدہ، خالد اور عمرو)

شہادت

سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسئلہ قصاص کو لے کر جو خانہ جنگی کی صورت حال پیدا ہوئی، اس میں غلط فہمی کے نتیجہ میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں آگئے تھے، مگر جیسے ہی ان پر صحیح صورت حال واضح ہوگئی تو ان سب نے اپنے موقف سے رجوع کرلیا، ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے مقام پر پوری عزت واحترام کے ساتھ واپس بھیج دی گئی تھیں، البتہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو دھوکہ دے کر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ غلط فہمی میں شہید کر دیا

(۱) الخلفاء الراشدون للذہبی ص/۱۹۳

گیا تھا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حملہ آور کے لیے جس انسانیت نوازی اور تعلق مع اللہ کا معاملہ کیا، جس کا مدمقابل کے یہاں دور دور واسطہ نہ تھا، اس کو امام ذہبی نے اس طرح بیان کیا ہے کہ:

''حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پر جب قاتل نے حملہ کرنا چاہا، اسی کی طرف حضرت زبیر بڑھے، قاتل نے اللہ کا واسطہ دیا اور کہا: "أُذَكِّرُكَ اللّٰه" (کہ میں آپ کو اللہ کی یاد دلاتا ہوں)، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اللہ کا نام بیچ میں آتے ہی اپنا ہاتھ روک لیا، پھر اس نے حملہ کرنا چاہا، اور ان کی طرف سے حملہ کا احساس کر کے پھر یہی دہرایا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ اسے ہلاک کرے، ہمیں اللہ کا واسطہ دیتا ہے اور خود اللہ کو بھولا بیٹھا ہے "يُذَكِّرُنا باللّٰه وينساه." (۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس جب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا سر لایا گیا تو حضرت علی نے سر لانے والے سے کھلے الفاظ میں کہا:

"يا أعرابي تبوأ مقعدك من النار" (۲)

(اے اعرابی! تیرا ٹھکانہ دوزخ ہوگا)

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ لکھتے ہیں:

''حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو عمرو بن جرموز نے شہید کیا، اور ان کا سر تن سے جدا کیا، اور اس کو لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا، اس کو توقع تھی کہ اس کا یہ کارنامہ سمجھا جائے گا، اور حضرت علی کے یہاں وہ مرتبہ پائے گا، لیکن جب اس شخص نے اجازت طلب کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کو اندر آنے کی اجازت مت دو، اور اس کو جہنم کی خوشخبری سناؤ۔'' (۳)

---

(۱) الخلفاء الراشدون للذہبی ص/۱۹۳ (۲) أیضاً ص/۱۹۴

(۳) بحوالہ تاریخ ابن کثیر، المرتضیٰ ص/۲۴۳ لاہور

علامہ ابن عبدالبر اندلسی نے حقیقت حال کو خوب واضح کیا ہے اور لکھا ہے:

"شهد الزبير الجمل، فقاتل فيه ساعة، فناداه عليّ وانفرد به، فذكر الزبير أن النبي صلى الله عليه وسلم قال له: وقد وجدهما يضحكان بعضهما إلى بعض: أما إنك ستقاتل علياً، وأنت له ظالم، فذكر الزبير ذلك، فانصرف عن القتال، فاتبعه ابن جرموز عبد الله ويقال عمير ويقال عميرة بن جرموز فقتله بموضع يعرف بوادي السباع وجاء بسيفه إلى عليّ فقال له عليّ: بشّر قاتل ابن صفية بالنار، وكان الزبير قد انصرف عن القتال نادماً مفارقاً للجماعة التي خرج فيها منصرفاً إلى المدينة"(۱)

(زبیر رضی اللہ عنہ نے جمل میں شرکت کی، کچھ معرکہ بھی کیا، ان کو مدمقابل دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو پکارا، وہ علاحدہ ہوگئے، پھر زبیر نے بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا تھا اور اس وقت علی وزبیر ایک دوسرے کو دیکھ کر خوش ہو رہے تھے کہ ایک وقت آئے گا کہ تم علی سے قتال کروگے اور تم حق پر نہیں ہوگے، یہ واقعہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا اور رجوع کرلیا، اتنے میں ابن جرموز عبداللہ (جس کو عمیر بھی کہتے ہیں) نے ان کا پیچھا کیا اور وادی السباع میں حملہ کیا اور شہید کردیا، اور خوشی خوشی وہ تلوار جس سے شہید کیا تھا لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا (کہ وہ خوش ہوں گے) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا جاؤ ابن صفیہ کو شہید کرنے والے کو جہنم کے ٹھکانہ کی خوش خبری سنادو۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جنگ سے کنارہ کشی اختیار

---

(۱) استیعاب: ۲/۹۲-۹۳

کر کے اس جماعت سے خروج کر کے جس میں وہ داخل ہو گئے تھے
مدینہ منورہ جا رہے تھے (کہ اس حال میں شہید کر دیئے گئے)۔

اور حضرت ابو جعفر محمد بن الباقرؒ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"إني لأرجو أن أكون أنا وطلحة والزبير من الذين قال الله تعالى: ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ إِخْوَاناً عَلَىٰ سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ﴾ (الحجر: ٤٧)

(مجھے امید ہے کہ میں طلحہ اور زبیر انہیں لوگوں میں ہوں گا جن کے بارے میں ارشاد ہے کہ ہم ان کے دلوں سے رنج و کدورت مٹا دیں گے اور بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے)

تابعی جلیل امام شعبیؒ کہتے ہیں میں نے پانچ سو سے زائد صحابہ کو کہتے سنا ہے کہ علی، عثمان، طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم جنت میں ہیں۔

وہ بڑے ہی صائم النہار اور قائم اللیل تھے، یہاں تک کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو ان سے کہنا پڑا کہ اس میں تھوڑی کمی کیجئے، تمہارے جسم کا اور تمہاری بیوی کا بھی حق ہے۔(۱)

ابن عبد البر اندلسیؒ کہتے ہیں:

"جمعرات، ۱۰ر جمادی الاولیٰ ۳۶ھ کو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا یہ دل دوز واقعہ پیش آیا۔"(۲)

حضرت زبیر بن العوام کا ترکہ اور صاحبزادے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا طرز عمل

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ صاحب ثروت صحابہ میں تھے، اور ان کے کاروبار میں اللہ نے بڑی برکت دی تھی، لیکن اس کے ساتھ انھوں نے بڑا فیاض دل بھی پایا تھا، اور

(۱) الخلفاء الراشدون ص/۱۹۳-۱۹۴ (۲) استیعاب: ۲/۹۳

ایک ہی نشست میں جس میں مال آتا وہ ضرورت مندوں میں تقسیم کر کے لوگوں کی ضرورتیں پوری کرتے، اور اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں بھی خاصا خاصا خرچ کرتے، یہاں تک کہ مقروض بھی ہو جاتے، اس لیے حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے جوان کے بڑے صاحبزادے اور حوصلہ مند صحابی تھے اپنے بھائیوں کے سامنے یہ بات واضح کر دینی ضروری سمجھی کہ پہلے والد مرحوم کا قرضہ ادا کیا جائے پھر تقسیم میراث کا عمل ہوگا، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کی زمین کی پلاٹنگ کر کے فروخت کی، صحابہ کرام نے اچھے دام میں خرید لی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی خریدا اور اللہ نے اتنی برکت دی کہ نہ صرف قرض ادا ہو گیا بلکہ بعد میں ورثاء کے حصہ میں بھی خاصا خاصا آیا، اس سلسلہ کے کچھ مضامین صحیح بخاری کی ایک طویل روایت میں مذکور ہیں۔(۱)

(۱)صحیح البخاری، رقم: ۳۱۲۹، فرض الخمس، باب برکة الغازی فی ماله حیاً و میتاً

ابوالاعور

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ

(وفات ۵۱ھ)

نام ونسب اور خاندان

سعید بن زید بن عمرو بن نفیل بن عبدالعزی بن ریاح بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب ابوالاعور القرشی العدوی، عشرہ مبشرہ میں ایک اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا سبب بننے والے عظیم المرتبت صحابی، سابقین اولین میں ہیں، اور بڑے رتبہ کے صحابی ہیں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے دوہرا رشتہ

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے بہنوئی تھے، ان کی بیوی حضرت فاطمہ بنت الخطاب رضی اللہ عنہا وہ برگزیدہ خاتون تھیں، جن کے دل میں شروع ہی سے اللہ کا نام گھر کر گیا تھا، اور ان کا گھر قرآن کی تلاوت اور اللہ کے ذکر سے معمور تھا، کہ دونوں حضرت سعید بن زید اور حضرت فاطمہ بنت الخطاب رضی اللہ عنہما چھپ چھپ کر دین کی باتوں پر عمل کرتے، تاکہ دین کے عمل میں کوئی چیز حائل نہ ہونے پائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کا دوہرا رشتہ ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن ان کی اہلیہ تھیں، اور حضرت سعید رضی اللہ عنہ کی بہن عاتکہ بنت زیدؓ کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شادی ہوئی تھی، اور دونوں کا خاندان بھی ایک ہے، حضرت سعید رضی اللہ عنہ کو فطرۃً توحید کی طرف رغبت اور شرک سے نفرت تھی، اور یہ چیز ان کو اپنے والد زید بن عمرو سے حاصل ہوئی تھی، اس لیے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دی تو حضرت سعید کو کوئی پس وپیش نہیں ہوا، اور وہ اور ان کی اہلیہ اسلام میں داخل ہوگئیں۔

حضرت سعیدؓ کے والد زید بن عمرو بن نفیل کا مقام اور ان کی اصلاحی خدمات

علامہ ابن عبدالبر اندلسیؒ (۴۶۳ھ) نے حضرت سعیدؓ کے والد زید بن عمرو کو زمانہ جاہلیت کا سلیم الفطرت شخص قرار دیا ہے، اور لکھا ہے:

"كان أبوه زيد بن عمرو يطلب دين الحنيفية دين إبراهيم عليه السلام قبل أن يبعث النبى صلى الله عليه وسلم وكان لا يذبح للأنصاب ولا يأكل الميتة والدم"(۱)

(آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے زید بن عمرو کو دین حنیف دین ابراہیم علیہ السلام کی تلاش تھی، اور وہ بتوں کے لیے ذبح ونذر ونیاز نہ کرتے تھے اور نہ ہی مردار اور خون کا کھانے میں استعمال کرتے)

اور حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ نے ان کا اپنا مشاہدہ بھی نقل کیا ہے کہ وہ فرماتی ہیں:

"رأيت زيد بن عمرو بن نفيل مسندا ظهره إلى الكعبة وهو يقول: يا معشر قريش، والله لا آكل ما ذبح لغير الله، والله ما على دين إبراهيم أحد غيرى"(۲)

---

(۱) استیعاب: ۲/۱۷۹ (۲) استیعاب: ۲/۱۷۹

(میں نے زید بن عمرو بن نفیل کو کعبہ مقدسہ سے ٹیک لگائے دیکھا اور وہ کہہ رہے تھے، اے قریش! بخدا میں غیر اللہ کے لیے کیا گیا ذبیحہ نہیں کھاتا ہوں اور بخدا میرے علاوہ اس وقت کوئی دین ابراہیمی پر نہیں ہے)

شرک سے بیزاری زید بن عمرو بن نفیل میں اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ جب جاہلیت میں یہ اور ورقہ بن نوفل صحیح دین کی تلاش میں باہر نکلے اور ملک شام سے ان دونوں کا گزر ہوا تو پہلے یہود ملے اور انھوں نے یہودیت پیش کی، ورقہ نے اس کو اختیار کرلیا، پھر آگے چل کر نصرانی ملے اور انھوں نے نصرانیت پیش کی، ورقہ نے یہودیت کو (منسوخ سمجھ کر) نصرانیت اختیار کرلی۔

لیکن زید بن عمرو نے ان دونوں راہبوں میں شرک کی بو محسوس کر کے دوری بنائے رکھی اور ان لوگوں سے کہا، یہ ہماری ہی قوم کے مذہب کی طرح ہے، آپ لوگ بھی شریک ٹھہراتے ہیں، اور وہ لوگ بھی شریک ٹھہراتے ہیں، بس فرق یہ ہے کہ آپ لوگ اللہ کا ذکر بھی کر لیتے ہیں، وہ یہ نہیں کرتے۔

راہب نے کہا کہ آپ کو جس دین کی تلاش ہے وہ دنیا میں کہیں بھی اب نہیں پایا جاتا، زید بن عمرو نے کہا وہ کیا ہے؟ راہب نے کہا: دین ابراہیم، زید بن عمرو نے کہا: ابراہیم (علیہ السلام) کا طریقہ کا کیا تھا؟ راہب نے کہا:

"كان يعبد الله ولا يشرك به شيئا ويصلي إلى الكعبة"

(وہ اللہ کی خالص عبادت کرتے تھے اور کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراتے تھے اور کعبہ کا رخ کر کے نماز پڑھتے تھے)

چنانچہ زید بن عمرو تاحیات اسی پر عمل پیرا رہے۔

بعثت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت (لحم) پیش کیا، چونکہ آپ کے نزدیک ذبیحہ اللہ کے نام پر نہیں ہوتا تھا

اسی احتیاط کے پیش نظر یہ کہہ کر معذرت کردی: "أنا لا آكل إلا مما ذكر اسم الله عليه" کہ میں اللہ کے نام کا ذبیحہ کھاتا ہوں، امام بخاریؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے اور ان کے متعلق یہ بھی بیان کیا ہے:

"وكان يعيب على قريش ويقول: الشاة خلقها الله، وأنزل لها من السماء وأنبت لها من الأرض ثم تذبحونها على غير اسم الله"(۱)

(اور وہ قریش کے اس بات پر ناقد تھے (کہ وہ اس کا خیال نہیں کرتے) اور فرماتے تھے بکری کو پیدا اللہ نے کیا ہے، اس کے لیے آسمان سے پانی اتارا، اور زمین میں سبزہ اگایا پھر تم اس کو غیر اللہ کے نام سے ذبح کرتے ہو)

بعثت سے قبل زید بن عمرو کا انتقال ہوگیا، توحید پر استقامت اور شرک سے بیزاری ان کے کام آئی، علامہ ابن عبدالبر اندلسی لکھتے ہیں:

"وأتاه سعيد بن زيد فقال: إن زيدا كان كما قد رأيت وبلغك فاستغفر له، قال نعم، فإنه يبعث يوم القيامة أمة وحده"(۲)

(سعید بن زید رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ زید اسی حال میں گئے جیسے آپ نے ان کو دیکھا اور جیسی ان کی باتیں آپ تک پہنچیں، تو آپ ان کے لیے دعائے مغفرت فرمادیجیے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں دعا کریں گے، اور وہ تو قیامت کے روز ایک امت کے طور پر اٹھائے

---

(۱) صحیح بخاری کتاب المناقب باب حدیث زید بن عمرو بن نفیل ۳۶۱۴

(۲) استیعاب: ۲/۱۸۰

جائیں گے۔"(۱)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے مسند، ۱/۱۸۹-۱۹۰ میں اور حاکم نے مستدرک ۳/۴۳۹ میں اور طبرانی اور ہیثمی نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زید بن عمرو کے لیے اس بشارت کا تذکرہ کیا ہے، اور ذہبی نے بھی سیر اعلام النبلاء ۱/۱۲۹-۱۳۰ میں اس بشارت کا ذکر کیا ہے۔

امام ذہبیؒ زید بن عمرو بن نفیل کی توحید پر استقامت کے سلسلہ میں ان کے سخت سے سخت تکلیف برداشت کرنے کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وكان الخطاب عمه قد آذاه، فنزح عنه إلى أعلى مكة، فنزل حراء، فوكّل به الخطاب شباباً سفهاء لا يدعونه يدخل مكة، فكان لا يدخلها إلا سراً وكان الخطاب أخاه أيضا من أمه، فكان يلومه على فراق دينه، فسار زيد إلى الشام والجزيرة والموصل يسأل عن الدين"(۲)

(ان کے چچا خطاب (والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ) نے ان کو وہ اذیتیں دیں جو برداشت سے باہر ہوگئیں، تو وہ اپنے گھر سے دور مکہ کے بالائی مقام پر چلے گئے، پھر حراء میں نزول کیا، وہاں خطاب نے اوباش نوجوانوں کو ان کے پیچھے لگا دیا، وہ انھیں مکہ آنے نہیں دیتے، بہت چھپ چھپا کر وہ اپنے گھر آسکتے تھے، خطاب نانیہالی رشتہ سے ان کے بھائی بھی ہوتے تھے، وہ انھیں آبائی مذہب ترک کرنے پر بڑی ملامت کرتے، پھر زید تنگ آکر شام، جزیرہ اور موصل کی طرف

---

(۱) چونکہ زید بن عمرو بن نفیل روئے زمین پر بظاہر تنہا اس مشرب ومسلک پر قائم تھے کہ غیر اللہ کا ذبیحہ اور چڑھاوا بھی ان کو برداشت نہیں تھا، ایک پوری امت کو جو کام کرنا چاہیے تھا وہ سب سے الگ تھلگ ہوکر انھوں نے اکیلے کیا، بظاہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لیے ان کو یہ خوش خبری دی۔

(۲) سیر اعلام النبلاء ۱/۱۲۷

دین کی طلب میں نکل گئے)

زید بن عمرو بن نفیل سماج کی خرابیوں پر بھی نظر رکھتے اور انسانیت سوز جرائم کو مٹانے کے اقدامات کرتے، ذہبی کہتے ہیں:

"وكان يحيي الموءودة، يقول للرجل إذا أراد أن يقتل ابنته: مه، لا تقتلها، أنا أكفيك مؤنتها، فيأخذها، فإذا ترعرعت، قال لأبيها: إن شئت دفعتها إليك، وإن شئت كفيتك مؤنتها"(۱)

(اور وہ زندہ درگور کی جانے والی لڑکیوں کو بچانے کا کام کرتے تھے، اس کے باپ سے کہتے جب وہ معصوم بچی کو زندہ دفن کرنے جارہا ہوتا، خبردار! ایسا نہ کرنا، میں اس کی پرورش کروں گا، پھر وہ اس کو ان سے لے لیتے، جب بچی بڑی اور جوان ہوجاتی تو اس کے باپ سے کہتے چاہو تو میں تم کو اسے واپس کردوں اور چاہو تو میں اسے اپنی کفالت میں رکھوں)

زنا کے خلاف بھی انھوں نے آواز بلند کی، ان کو کعبہ کے سامنے قریش سے کہتے ہوئے سنا گیا:

"ويحكم يا معشر قريش! إياكم والزنى، فإنه يورث الفقر"(۲)

(اے قریش! تمہارا ناس ہو، زنا کے قریب نہ پھٹکو، یہ فقر وافلاس لاتا ہے)

یہ ہیں حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے والد جن کی فطرت اللہ نے بڑی سلیم بنائی تھی، اور حضرت سعیدؓ کو اس بات پر پورا یقین تھا کہ ابا جان اگر زمانہ رسالت پاتے تو اول وہلہ میں ایمان لانے والوں میں شمار ہوتے لیکن وہ اس کے مکلف نہیں ہوئے، اور جس کے وہ مکلف تھے کہ دین ابراہیمی کو اصل حقیقت سمجھ کر اس پر عمل پیرا رہیں،

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۱/۱۲۸ (۲) ایضا: ۱/۱۳۲

اور گزشتہ انبیاء اور ان کی شریعت اور مر کر اللہ کے یہاں حاضری پر ایمان رہا، اور شرک وکفر کی باتوں سے وہ متنفر رہے، یہ وہ خصوصیات تھیں کہ ان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استغفار کو قبول کیا اور پھر ان کے لیے بشارت بھی سنائی کہ "إنه يبعث يوم القيامة أمة وحده"

امام ذہبی کہتے ہیں:

"كان والده زيد بن عمرو ممن فرّ إلى الله من عبادة الأصنام، وساح في أرض الشام يتطلب الدين القيم، فرأى النصارى واليهود، فكره دينهم، وقال: اللهم إني على دين إبراهيم ولكن لم يظفر بشريعة إبراهيم عليه السلام كما ينبغي، ولا رأى من يوقفه عليها، وهو من أهل النجاة، فقد شهد له النبي صلى الله عليه وسلم بأنه "يبعث أمة وحده" وهو ابن عم الإمام عمر بن الخطاب، رأى النبي صلى الله عليه وسلم، ولم يعش حتى بعث"(۱)

(ان کے والد زید بن عمرو ان خوش نصیب لوگوں میں تھے جنھوں نے بتوں کی عبادت سے بھاگ کر اللہ کی راہ لی تھی، سرزمین شام کی راہ نوردی کی، دین قیم کی تلاش میں رہے، یہود ونصاریٰ کو دیکھا، ان کا طریقہ انھیں صحیح نہیں لگا، اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عرض کیا کہ میں دین ابراہیم پر ہوں، لیکن ابراہیمی شریعت تک ان کی پوری رسائی نہیں ہوسکی، اور نہ ہی ایسا مرشد ملا جو ان کو اس سے واقف کراتا، خلاصہ یہی ہے کہ وہ اہل نجات میں ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لیے گواہی دی کہ وہ پوری امت کے طور پر تنہا اٹھائے جائیں گے، یہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے چچازاد

(۱) سیر اعلام النبلاء ۱/۱۲۷

بھائی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کیا
لیکن بعثت سے پہلے ہی وفات پا گئے)

ابن ہشام نے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، آپ شام میں تھے، یہ خوش خبری سنتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے نکلنا چاہا، لیکن شام میں ہی اہل میفعہ نے ان کو قتل کر ڈالا، ابن اسحاق کہتے ہیں کہ بلادلخم میں قتل کیے گئے، البتہ واقدی نے طبعی موت اور حراء کے نیچے تدفین کا ذکر کیا ہے۔(۱)

والد کی برکات اور ان کی نیکیوں کے اثرات

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے والد کا حال اللہ کو اتنا پسند آیا کہ اس سے ان کو جو مقام حاصل ہوا، وہ اپنی جگہ، ان کی نیکیاں حضرت سعید کے خوب کام آئیں، اور ان کو آغاز دعوت اسلام میں ہی رسالت کے اقرار اور اسلام میں داخل ہونے کا شرف حاصل ہوا، حاکم، ابن سعد، حافظ ابن حجر اور امام ذہبی سب کا اس پر اتفاق ہے کہ سعید بن زید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ارقم میں جانے سے پہلے ہی ایمان قبول کر چکے تھے، اور پھر اسلام پر اس مضبوطی سے جمے کہ جب قریش کی عداوت اذیت رسانی تک بڑھ گئی تھی اور صحابہ چھپ چھپا کر قرآن کی تلاوت کرتے اور نماز پڑھتے، اسی میں ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو کہ اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے، ایسا محسوس کر کے اپنے بہنوئی اور بہن پر سخت غضب ناک ہوئے اور پورا غصہ اتارا، لیکن ان دونوں کا تحمل

---

(۱) زید بن عمرو بن نفیل کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں منقول ہیں، ان میں ذہبی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"دخلت الجنة فرأيت لزيد بن عمرو دوحتين" (سير أعلام النبلاء ۱/۱۳۱)
اور مؤرخ طبری نے حضرت عامر بن ربیعہ کی روایت نقل کی ہے کہ وہ کہتے ہیں: "فلما أسلمت أخبرت رسول الله صلى الله عليه وسلم قول زيد بن عمرو وأقرأته منه السلام فردّ عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم وترحم عليه، وقال قد رأيته في الجنة يسحب ذيولا" (تاريخ طبرى ۲/۲۹۶)

بڑا متاثر کن رہا، اور اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دل نرم ہو گیا، اور اسلام کی محبت ان کے دل میں گھر کر گئی، بہن فاطمہ اور بہنوئی سعید بن زیدؓ سے قرآن کی حقیقت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو معلوم کیا، اور گویا اسی وقت اپنے اسلام کا اعلان کر بیٹھے اور پھر باضابطہ طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسی وقت جا کر حاضری دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا استقبال کیا اور داخل اسلام فرمایا، یہ دن تھا کہ اسلام کو قوت وشوکت حاصل ہوتی چلی گئی، اسلام کی جو باتیں چھپ چھپا کر ہوتی تھیں، کھل کر بے خوف وخطر ہونے لگیں، اللہ نے اس کا ذریعہ حضرت سعید بن زید اور ان کی اہلیہ فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہما کو بنایا۔

مقام ومرتبہ

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کا دین میں مقام بلند ہوتا گیا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ساتھ دس اکابر صحابہ کرام کا نام بحیثیت جنتی کے لیا تو ان میں ان کا بھی نام لیا، اور جب حراء سے مخاطب ہو کر فرمایا: "فما عليك إلا نبي أو صديق أو شهيد" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو جلیل القدر صحابہ تھے ان میں حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ بھی تھے، سنن ترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب سعید بن زید میں امام ترمذی نے ان کے ساتھ ہونے کا تذکرہ کیا ہے، اور بھی بعض روایات صحیحہ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

اور جب معرکہ بدر پیش آیا، حضرت سعید بن زیدؓ اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی طرف جہاں قریش بغرض تجارت جاتے تھے حالات کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا، اور ان کی واپسی تک معرکہ بدر پیش آ چکا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو بدریوں میں شامل فرمایا اور ان کا حصہ مقرر کیا۔

امام ذہبی نے سابقین اولین میں حضرت سعید بن زیدؓ کو پندرہویں صحابی کے طور پر جگہ دی ہے، اور یہ وضاحت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلیفہ

کے انتخاب کے لیے اہل شوریٰ میں ان کا نام خاندانی تعلق کی بنا پر نہیں رکھا تھا کہ روافض اس کو ہوا دیتے اور بات کا بتنگڑ بناتے، ان کی بزرگی اور جلالت شان میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے مقام و منزلت کا پورا خیال رکھا، اور کوفہ میں رہنے کے لیے ایک قطعہ آراضی ان کے لیے خاص کی، اسی کو انھوں نے اپنی منزل اور مسکن بنایا، ان کے بعد وہاں ان کے صاحبزادے اسود بن سعید رہے، چار صاحبزادے تھے، عبداللہ، عبدالرحمٰن، زید، اور اسود، اور یہ سب صاحب اولاد تھے۔

کرامت

ان کی کرامت و مقبولیت عنداللہ کا ایک واقعہ ہی کافی ہے، جو اس طرح پیش آیا کہ ایک عورت نے جس کا نام اروی تھا، حضرت معاویہ کے دور خلافت میں انہی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے خلاف مدینہ کے اس وقت کے حاکم مروان بن الحکم اموی کی عدالت میں دعوی کیا کہ انہوں نے میری فلاں زمین دبالی ہے۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ کو اس جھوٹے الزام سے بڑا صدمہ پہنچا، انہوں نے مروان سے کہا:

"أنا أنتقص من حصتها شيئا؟ أشهد، لسمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من أخذ شبراً من الأرض ظلماً فإنه يطوقه يوم القيامة من سبع أرضين"

(کیا میں اس عورت کی زمین دباؤنگا؟ گواہ رہو! میں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے ظالمانہ طور پر کسی کی ایک بالشت بھر زمین بھی غصب کرلی تو قیامت کے دن زمین کا وہ دبایا ہوا ٹکڑا ساتوں زمین تک طوق بنا کر اس ظالم

کے گلہ میں ڈال دیا جائے گا)

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے اس انداز سے مروان پر اثر پڑا، اور اس نے کہا کہ مجھے آپ سے کوئی دلیل یا ثبوت نہیں مانگنا ہے، پھر حضرت سعید نے بددعا دیتے ہوئے کہا کہ:

''اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ اس عورت نے مجھ پر جھوٹا الزام لگایا ہے تو اس کو آنکھوں کی روشنی سے محروم کردے، اور اس کی زمین ہی کو اس کی قبر بنادے۔''

واقعہ کے راوی حضرت عروہ کہتے ہیں کہ پھر ایسا ہی ہوا، میں نے خود اس عورت کو دیکھا ہے، وہ اخیر عمر میں نابینا ہوگئی، اور خود کہا کرتی تھی کی سعید بن زید کی بددعا سے میرا یہ حال ہوا ہے، اور پھر ایسا ہوا کہ وہ اپنی زمین میں چلی جارہی تھی اور گڑھے میں گر گئی، وہ گڑھا ہی اس کی قبر بن گیا۔(۱)

اخفائے حال اور تواضع

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے محاسن اور خصوصیات وامتیازات بیان کرنے کے لیے ایک دفتر چاہیے، اللہ نے شروع سے ہی ان کے دل کو ایمان کے لیے کھول دیا تھا، اور نہایت صبر آزما حالات میں انھوں نے اسلام کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رکھا، اور جس قربانی کی ضرورت تھی، اس میں پیش پیش رہے، لیکن سب کچھ اخفائے حال اور تواضع کے ساتھ کیا، اس لیے وہ نمایاں نہیں ہوئے، لیکن بعض واقعات ایسے پیش آئے کہ ان کی بزرگی سب پر ظاہر ہوگئی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دس جنتی لوگوں کا تذکرہ فرمایا تو ان میں ان کا نام بھی ظاہر فرمایا، مگر خود ان کا حال یہ تھا کہ جب وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ روایت بیان کرتے تو تعداد تو دس بتاتے، نام نو ذکر کرتے اور یہ نام ظاہر نہ فرماتے، مزید استفسار پر ظاہر

---

(۱) بخاری میں مختصراً ہے، رقم: ۳۱۹۸، باب بدء الخلق، باب ما جاء فی سبع أرضین، مسلم میں تفصیل کے ساتھ ہے، رقم: ۴۱۳۴، باب تحریم الظلم و غصب الأرض وغیرها، کتاب المساقاه.

فرمادیتے تاکہ کتمان علم جھوٹ کی صورت پیدا نہ ہو، لیکن حال وہی ہوتا کہ وہ اپنے کو کچھ نہ سمجھ رہے ہوں، سنن ترمذی کی روایت ہے، راوی کہتے ہیں:

"فعدّ هؤلاء التسعة وسكت عن العاشر، فقال القوم: ننشدك الله يا أبا الأعور مَن العاشر؟ قال: نشدتموني بالله، أبو الأعور في الجنة"(۱)

(انھوں نے نو کے نام بتائے، دسویں سے سکوت اختیار کیا، تو لوگوں نے عرض کیا ہم آپ کو اللہ کا واسطہ دیتے ہیں، بتایئے اے ابوالاعور وہ دسواں کون ہے؟ انھوں نے فرمایا تم لوگ مجھ کو اللہ کا واسطہ دے رہے ہو تو بتاتا ہوں "ابوالاعور بھی جنت میں ہیں"۔

اور بھی ایسے مواقع ہیں جہاں کی کھلی فضیلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر فرمائی، روایت کرتے ہوئے اوروں کے نام بتادیئے اور اپنا نام دوسروں کے اصرار پر ہی ظاہر فرمایا۔(۲)

وفات

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ۵۱ھ میں عقیق میں وفات پائی، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے غسل دیا اور اور تجہیز و تکفین کی، ۸۰ سال کے قریب عمر پائی، مدینہ منورہ میں تدفین عمل میں آئی۔

(۱) سنن ترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ؛ ۳۷۴۸

(۲) اس سلسلہ کا ایک واقعہ حرا سے متعلق امام ترمذی نے آپ ہی کے مناقب میں ذکر کیا ہے؛ ۳۷۵۷

فاتح عراق وایران

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

(المتوفی ۵۵ھ)

نام ونسب اور خاندان نبوت سے اشتراک

ابواسحٰق سعد بن مالک ابی وقاص بن اہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی سابقین اولین اور ان چھ برگزیدہ اصحاب میں ہیں جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلافت کا اہل سمجھا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ننہالی قرابت میں عزیز قریب تھے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ بنت وہب بن عبد مناف اہیب کی بھتیجی تھیں جو حضرت سعد بن ابی وقاص کے دادا تھے، اور کلاب بن مرہ پر خاندان ایک ہو جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اپنے خاندانی تعلق کا یوں اظہار بھی فرمایا تھا، ترمذی کی روایت ہے، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

"أقبل سعد ابن أبي وقاص، فقال النبي صلى الله عليه وسلم هذا خالي"(۱)

---

(۱) ترمذی باب مناقب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

(حضرت سعد تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ میری والدہ کے خاندان کے ہیں)(۱)

امتیازات وخصوصیات

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مستجاب الدعوات تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر ایک موقع پر یہ دعا دی تھی:

"اللهم استجب لسعد إذا دعاك"(۲)

(اے اللہ! سعد جب تجھ سے کوئی دعا کریں اس کو قبول فرما)

اس دعا کا آپ کی زندگی میں بار بار ظہور ہوتا رہا۔

دوسری بڑی خصوصیت یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فدائیانہ الفاظ پیش کرتے اور اس کے ذریعہ تعلق ومحبت کے دلی الفاظ کا اظہار کرتے، اس کے برعکس معاملہ پیش آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لئے ایسے الفاظ کا استعمال کیا اور فرمایا:

"يا سعد ارم فداك أبي وأمي"

(اے سعد! تیر چلائے جا میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں)

اور یہ دعا بھی دی:

"اللهم اسدد رميته وأجب دعوته"

(اے اللہ اپنے اس بندے (سعد) کی تیر اندازی میں قوت وطاقت پیدا فرمادے، اور ان کی دعائیں قبول فرما)

جزیل صحابہ میں بھی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نمایاں مقام رکھتے ہیں، چنانچہ عراق اور پورا ملک فارس (ایران) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے زیر

---

(۱) خال کے لفظ کا اطلاق والدہ کے خاندان کے افراد پر ہوتا ہے۔ قال الحافظ فی الفتح: "أقارب الأم أخوال" (۲) ترمذی باب مناقب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

قیادت فتح ہوا، اور ایسی تاریخ رقم ہوئی جس کا تصور بھی محال تھا، جنگی مہارت اور فنون حربی سے واقفیت اور اقدامی صلاحیت کے باوجود افتراق اور تفرقہ کو بہت ناپسند کرتے، اور مسلمانوں کے درمیان تلوار اٹھانے اور تیر نکالنے پر کسی قیمت پر تیار نہ ہوئے، اسی وجہ سے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں خانہ جنگی کی صورت حال پیدا ہوئی تو بیعت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر کرلی تھی، اور جنگ میں غیر جانب دار رہے، اور آبِ زر سے لکھی جانے والی بات کہی، جو تاریخ میں محفوظ ہوگئی ہے، وہ یہ تھی کہ:

"مجھے ایسی تلوار لا کے دے دو کہ اس سے میں کافر پر وار کروں تو اس کو وہ قتل کردے، اور اگر وہ وار مومن پر ہو تو کوئی اثر نہ کرے)(۱)

حضرت سعد بن ابی وقاص غزوۂ احد میں بطل جلیل، جنگ قادسیہ میں فاتح ایران اور عشرۂ مبشرہ میں تھے، اخیر میں کنارہ کشی اختیار کرلی تھی، اور الگ تھلگ رہنے لگے تھے کہ فتنوں کا سایہ بھی نہ پڑنے پائے، چنانچہ وادی عقیق پر ایک زمین کا ٹکڑا تھا اس میں مکان بنایا، اس کا ایک بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ ادھر ادھر کی باتیں ان تک نہ پہنچیں، اور زخم کہن تازہ نہ ہوں۔

وہ عشرہ مبشرہ میں آخری بزرگ ہیں جو ان دس بزرگ شخصیتوں میں سب سے آخر تک بقید حیات رہے۔

ایک مرتبہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سخت بیمار ہوگئے، اور اس وقت وہ مکہ معظمہ میں فتح مکہ کے موقع پر تھے، انھیں اس بات کی تشویش ہوئی کہ کہیں مکہ معظمہ میں ہی موت واقع نہ ہوجائے اور وہ مکہ سے ہجرت کرچکے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کو تشریف لائے، انھوں نے اپنی اس فکر کا ذکر کیا اور دعا کی درخواست کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی: "اللھم اشف سعداً" اور یہ تین بار فرمایا۔(۲)

---

(۱) معارف الحدیث جلد ہشتم ص ۴۳۶ (۲) مسند احمد، رقم الحدیث/ ۱۴۴۰

اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے ان محبوب بندہ کے حق میں دعا قبول فرمائی اور ان کو لمبی عمر عطا کی۔

زہد واستغنا

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو اللہ نے مال و دولت کی فروانی عطا کی تھی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچانے اور اہل وعیال کو بھی مستفید کرنے کی ترغیب دی تھی اور اس کا فائدہ بتایا تھا، مسند احمد کی روایت ہے:

"إن نفقتك من مالك لك صدقة، وإن نفقتك على عيالك لك صدقة، وإن نفقتك على أهلك لك صدقة، وإنك أن تدع أهلك بعيش أو قال بخير خير من أن تدعهم يتكففون الناس"(۱)

(کہ تمہارا اپنے مال کا خرچ کرنا تمہارے لیے صدقہ کا ثواب رکھتا ہے، تمہارا اپنے ہی زیر پرورش لوگوں پر خرچ کرنا بھی صدقہ کا ثواب رکھتا ہے اور تمہارا گھر والوں پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے، اور تم اپنے گھر والوں کو اچھے حال میں چھوڑ کر (دنیا سے) جاؤ، یہ اس سے بہتر ہے کہ تم انھیں اس حال میں چھوڑ کر جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عبادت و معیشت کے تعلق سے یہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"خير الذكر الخفي وخير الرزق ما يكفي"(۲)

(بہتر ذکر خفی ذکر ہے، اور بہتر رزق وہ ہے جو ضرورت پوری کردے)

---

(۱) مسند احمد، رقم الحدیث/۱۴۴۰ (۲) ایضا/۱۴۷۷

تعلق مع اللہ اور صبر و تسلیم و رضا

استخارہ اور تسلیم و رضا کی بابت وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرماتے تھے کہ:

"من سعادة ابن آدم استخارته الله، ومن سعادة ابن آدم رضاه بما قضاه الله، ومن شقوة ابن آدم تركه استخارة الله، ومن شقوة ابن آدم سخطه بما قضى الله"(۱)

(آدمی کی سعادت اللہ سے استخارہ (خیر طلب کرنے) میں ہے، اور آدمی کی سعادت اللہ کے فیصلہ پر راضی رہنے میں ہے، اور آدمی کی شقاوت اللہ سے استخارہ چھوڑنے میں ہے، اور آدمی کی شقاوت اللہ کے فیصلہ پر مطمئن نہ ہونے میں ہے)

مصائب و بلایا اور آزمائشوں کو وہ اللہ کی طرف سے اہل ایمان کے لیے تقرب الی اللہ کا ذریعہ اور بلندی درجات کا سبب گردانتے تھے، ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ:

"أيّ الناس أشد بلاءً؟"

(کہ لوگوں میں زیادہ تکلیفوں والے لوگ کون ہیں؟)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"قال: الأنبياء، ثم الأمثل، فالأمثل، فيبتلى الرجل على حسب دينه، فإن كان رقيق الدين، ابتلى حسب ذاك، وإن كان صلب الدين ابتلى على حسب ذاك"

(فرمایا: کہ انبیاء ہیں، پھر جو ان سے جتنے قریب اور جن کی زندگی ان کی زندگی سے جتنی مشابہ ہے، پھر جو جتنا قریب اور مشابہ ہیں،

---

(۱) مسند احمد، رقم الحدیث/۱۴۴۴

چنانچہ آدمی اپنے دین پر عمل کے لحاظ سے آزمایا جاتا ہے، کمزور ہوتا ہے تو اس لحاظ سے اس کی آزمائش ہوتی ہے، دین میں مضبوط ہوتا ہے تو اس اعتبار سے وہ آزمایا جاتا ہے)

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے فوائد ذکر فرمائے، فرمایا:

"فما تزال البلايا بالرجل حتى يمشي في الأرض وما عليه خطيئة"(۱)

(آدمی مسلسل آزمایا جاتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ (اپنے صبر و رضا کے نتیجہ میں) زمین پر اس حال میں چلتا ہے کہ اس کے گناہ مٹ چکے ہوتے ہیں)

اکرام مسلم

مسلمان کی عزت و آبرو کا بھی ان کو بڑا پاس و لحاظ رہتا تھا، اسی لیے وہ مسلمانوں کے درمیان تلوار اٹھانے اور گالی گلوچ کو بہت ناپسند کرتے تھے، اور منافقین کی ریشہ دوانیوں سے جو بدگمانیاں اور افواہیں پھیلیں، اور اس کے نتیجہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں بغاوت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں باہمی ٹکراؤ کی نوبت آئی تو وہ سخت افسردہ اور رنجیدہ تھے اور جب یہ دیکھا کہ لوگ روکنے سے رک نہیں رہے ہیں تو کنارہ کشی اختیار کر لی تھی، ان کی یہ کیفیت کیوں نہ ہوتی اس لیے کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی سنگینی کا علم تھا، مسند احمد کی روایت ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"قتال المسلم كفرٌ وسبابه فسقٌ"(۲)

(مسلم سے قتال کرنا کفر ہے اور اس کو گالی دینا فسق ہے)

دعاؤں میں غلو پر تنقید اور جامع دعائیں اختیار کرنے کی تاکید

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے کئی بیٹے تھے، وہ ان کے معاملات

---

(۱) مسند احمد، رقم الحدیث/۱۴۹۴ (۲) ایضا/۱۵۳۷

اور عبادت پر نظر رکھتے تھے کہ وہ اقرب الی السنہ رہیں، اسی لیے دعا میں جامع اور مختصر دعا پسند کرتے، اور ایک بیٹے کو لمبی چوڑی دعائیں زور زور سے مانگتے دیکھا تو ان کے سامنے یہ آیت پڑھی:

﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَّخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾

(الأعراف:۵۵)

(اپنے پروردگار کو عاجزی سے آہستہ آہستہ پکارو، وہ حد سے نکل جانے والوں کے ساتھ محبت سے پیش نہیں آئے گا)

اور ان سے کہا یوں کہو:

"اللهم أسألك الجنة وما قرّب إليها من قول أو عمل، وأعوذ بك من النار وما قرّب إليها من قول أو عمل"(۱)

(اے اللہ! میں تجھ سے جنت کا طلب گار ہوں اور ان باتوں اور کاموں کا جو جنت کے لیے معاون ہیں اور تیری پناہ چاہتا ہوں جہنم سے اور ان کاموں اور باتوں سے جو جہنم سے قریب کرنے والی ہیں)

مصعب بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پانچ دعائیں مانگنے کو کہتے تھے:

۱-اللهم إني أعوذ بك من البخل.

(بارالہا! میں تیری پناہ چاہتا ہوں بخل سے)

۲-وأعوذ بك من الجبن.

(اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں بزدلی سے)

۳-وأعوذ بك من أن أرد إلى أرذل العمر.

(اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں ناکارہ عمر سے)(۲)

٤-وأعوذ بك من فتنة الدنيا.

---

(۱) مسند احمد، رقم الحدیث/۱۵۸۴ (۲) ایضا/۱۵۸۵

(اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں دنیا کے فتنہ سے)

٥-وأعوذ بك من عذاب القبر.

(اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں عذاب قبر سے)

ذکر و دعا کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اعرابی کو تعلیم

ان سے ان کے بیٹے مصعب یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے ایسا کلام تعلیم کر دیجیے جسے میں ورد بنالوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہو:

"لا إله إلا الله وحده، لا شريك له، الله أكبر كبيرا، والحمد لله كثيرا، سبحان الله رب العالمين، لا حول ولا قوة إلا بالله العزيز الحكيم"

اعرابی نے کہا: یہ کلام تو میرے رب عزّ وجل کے متعلق ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہو:

"اللهم اغفر لي وارحمني واهدني وارزقني"(۱)

قبولیت دعا کے واقعات

امام ترمذی نے "کتاب الدعوات" میں حضرت یونس علیہ السلام کی دعا کے ساتھ جو انھوں نے مچھلی کے پیٹ میں مانگی تھی، دعا کی قبولیت کی حدیث بھی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے ذکر کی ہے کہ:

"دعوة ذي النون ﴿لَآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنتَ سُبۡحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ (۲) فإنها لم يدع بها مسلم ربه في شئ قط إلا استجاب له"(۳)

---

(۱) مسند احمد، رقم الحدیث/۱۶۱۱ (۲) الأنبياء/۸۷

(۳) الترمذی باب دعوة ذی النون فی بطن الحوت

(مچھلی والے (نبی) کی دعا "لا اله الا انت سبحانك انی کنت من الظالمین" کے ساتھ جو دعا مانگی جاتی ہے وہ قبول ہوتی ہے)

اس طرح حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو دعا کی قبولیت کا گر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہو گیا اور ان کو یہ شرف بھی حاصل تھا کہ ان کے مستجاب الدعوات ہونے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی، احد میں ان کے کارناموں سے خوش ہو کر یہ دعا دی کہ: "اللهم استجب لسعد" اور یہ تین بار فرمایا، امام ذہبی نے ان کی اس خصوصیت کے ذکر کرنے کے بعد ان کی قبولیت دعا کا واقعہ بھی تحریر کیا ہے کہ ایک شخص نے ان کو برا بھلا کہا اور یہ الزام لگایا کہ آپ رعایا کے درمیان انصاف سے کام نہیں لیتے ہیں، تقسیم میں برابری نہیں کرتے ہیں، اور نہ ہی سریہ میں جاتے ہیں، اس پر حضرت سعد کی زبان سے اس کے لیے بد دعا نکل گئی کہ:

"اللهم إن كان كاذبا فأعم بصره، وعجّل فقره، وأطل عمره وعرّضه للفتن"

(یا اللہ! اگر یہ جھوٹا ہے تو اس کو نابینا کر دے اور اس کو فقر میں مبتلا کر دے اور اس کی عمر دراز کر دے اور فتنوں اور آزمائشوں میں گھیر دے)

امام ذہبی کہتے ہیں:

"فما مات حتى عمي، فكان يلتمس الجذورات، وافتقر حتى سأل، وأدرك فتنة المختار، فقتل فيها"(۱)

(کہ مرنے سے پہلے وہ اندھا ہو گیا تھا، گھاس پھوس تلاش کرتا پھرتا، بھکاری بن گیا اور مختار ثقفی کے فتنہ سے دوچار ہوا اور اسی میں مارا گیا)

علامہ ابن عبد البر اندلسیؒ نے بھی ان کی اس خصوصیت اور لوگوں میں اس کی

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۱/۱۱۳-۱۱۴

شہرت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"وكان مجاب الدعوة مشهورا بذلك، تخاف دعوته وترجى، ولا يشك في إجابتها عندهم وذلك أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فيه: اللهم سدد سهمه و أجب دعوته"(۱)

(کہ صاحب دعا کی حیثیت سے ان کی شہرت تھی، ان کی بدعا سے لوگ خوف کھاتے تھے، اور ان کی دعا کے امیدوار رہتے تھے، اور لوگوں کو یقین تھا کہ ان کی دعا قبول ہوکر رہے گی، اور یہ بات اس لیے تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سلسلہ میں فرمایا تھا: الٰہی! ان کے نشانہ کو درست فرما اور ان کی دعا قبول فرما)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے صحبت یافتہ تابعین میں سب سے جلیل القدر تابعی حضرت سعید بن مسیبؒ ایک واقعہ قبولیت دعا کا نقل کرتے ہیں، جس میں ان کا یہ وصف بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر لگاؤ تھا۔

ذہبی کہتے ہیں، ابن جدعان سعید بن مسیبؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت علی اور حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی کرنے لگا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ اس کو روکتے رہے اور کہہ رہے تھے: "میرے بھائیوں کو کچھ نہ کہو"، اس نے نہ مانا، حضرت سعد اٹھے اور دو رکعت نماز پڑھی اور اس کو بددعا دی، اتنے میں ایک خراسانی اونٹ آیا اور اس کو مجمع سے اٹھالے گیا اور ہلاک کردیا، میں نے دیکھا کہ لوگ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو مبارک باد دے رہے تھے اور کہہ رہے تھے:

"هنيئا لك يا أبا إسحاق! استجيبت دعوتك"(۲)

(مبارک ہو، اے ابو اسحٰق! تمہاری دعا قبول ہوگئی)

---

(۱) استیعاب: ۲/۱۷۱ (۲) سیر اعلام النبلاء: ۱/۱۱۶

اس واقعہ کو امام ذہبی حضرت سعد کی کرامت قرار دیتے ہیں اور ان کے ساتھ حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کی بھی کرامت قرار دیتے ہیں، ان کے الفاظ ہیں:

"فی هذا كرامة مشتركة بين الداعي والذين نيل منهم"(۱)
(اس میں دعا کرنے والے اور جن (صحابہ) کی شان میں گستاخی کی گئی تھی، تمام کی کرامت مشترک ہے)

کارنامے

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے کارناموں میں اہم ترین اور یادگار کارنامہ عراق کی فتح ہے، امام ذہبی کہتے ہیں:

"ومن مناقب سعد أن فتح العراق كان على يدي سعد، وهو كان مقدم الجيوش يوم وقعة القادسية، ونصر الله دينه، ونزل سعد بالمدائن ثم كان أمير الناس يوم جلولاء، فكان النصر على يده، واستأصل الله الأكاسرة"(۲)
(حضرت سعد کے مناقب میں فتح عراق ہے، جو اللہ نے ان کے ذریعہ عطا کی، وہ جنگ قادسیہ میں مقدم الجیش تھے، اللہ نے دین کی نصرت فرمائی اور حضرت سعد مدائن میں نزول فرما ہوئے، پھر جلولاء میں امیر ہوئے، وہاں بھی ان کے ذریعہ نصرت ملی، اور اللہ نے کسراؤں کا خاتمہ کردیا)

ایک دعوتی پیغام

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے سپہ سالار افواج فارس رستم کے پاس حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا، تاکہ جنگ شروع ہونے سے

---

(۱) أيضا: ۱/۱۱۷ (۲) سير أعلام النبلاء: ۱/۱۱۵

پہلے مسئلہ کو سمجھ لیا جائے، اور اللہ کی وحدانیت کے اقرار اور رسالت پر اور یوم آخرت پر ایمان کی بات پیش کردی جائے، وہ ان کی نسبت کے ساتھ جس شان سے رستم کے دربار میں پہنچے، اس نے ان کی دھاک رستم اور اس کے درباریوں پر اسی وقت بٹھادی، یہیں سے رستم کا اقبال جاتا رہا، اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا اقبال سامنے آگیا، یہ واقعہ تاریخ کے خزانہ میں اپنے عمیق نتائج کے ساتھ دبا ہوا تھا، اس کو تاریخ کے مدفون خزینہ سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے باہر نکالا، انھوں نے اس واقعہ کی جو تصویر کشی کی ہے وہ ملاحظہ ہو:

''حضرت سعد نے رستم کے پاس جو کہ ایرانی افواج کا سپہ سالار تھا، ربعی بن عامر کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا، ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ پہنچے تو دربار فرش فروش سے آراستہ تھا، رستم یاقوت اور بیش بہا موتی زیب تن کیے، لباس بیش قیمت پہنے، تاج سر پر رکھے، سونے کے تخت پر بیٹھا تھا، ربعی بن عامر پھٹے پرانے لباس میں پہنچے، مختصر سی ڈھال، چھوٹا سا گھوڑا، یہ ان کی حیثیت تھی، وہ گھوڑے پر سوار، فرش کو روندتے ہوئے بڑھتے چلے گئے، اور پھر گھوڑے سے اترے، قیمتی گاؤ تکیہ سے گھوڑا باندھ دیا، اور خود رستم کے پاس جانے لگے، آلات حرب ساتھ، سر پر خود، جسم پر زرہ بھی موجود تھی، لوگ بولے جنگی لباس تو اتار دو، کہنے لگے میں خود سے نہیں آیا، مجھے بلایا گیا ہے، اگر تم کو یہ منظور نہیں تو ابھی واپس جاتا ہوں، رستم نے کہا آنے دو، وہ اسی فرش پر نیزے سے سہارا لیتے ہوئے بڑھے، نیزے کی نوک نے فرش کو جابجا سے کاٹ دیا، لوگ بولے: تمہارا کیسے آنا ہوا؟

بولے: اللہ نے ہم کو اس لیے بھیجا ہے کہ جس کے بارے میں اس کی مرضی ہو اس کو بندوں کی بندگی سے نجات دلا کر اللہ کی بندگی میں

داخل کریں، اور دنیا کی تنگیوں سے نکال کر آخرت کی وسعتوں میں پہنچادیں اور مذاہب کی زیادتیوں سے چھٹکارا دلا کر اسلام کے عدل کے سایہ میں لے آئیں۔"(۱)

وفات

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کوفہ کے گورنر بنائے گئے تھے، لیکن اہل کوفہ میں بعض نے ان سے بدگمانی کی اور اس کے نتیجہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین کو بات پہنچائی گئی، آپ نے ان کو بلالیا، لیکن اس واقعہ سے ان کا اہل کوفہ سے دل ٹوٹ گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب دوبارہ چاہا کہ ان کو کوفہ کا والی بنائیں تو انھوں نے اس کو ان لوگوں کے لیے بہتر نہیں سمجھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوسرے کو بھیجا، آخر میں انھوں نے گوشہ تنہائی اختیار کرلی تھی، البتہ ان کے صاحبزادگان اور بعض مانوس افراد جن میں حضرت سعید بن مسیب خاص طور پر قابل ذکر ہیں ان سے مستفید ہوتے رہے، مدینہ منورہ سے دس میل پر واقع وادی عقیق میں حمراء الاسد کے پاس ان کی قیام گاہ تھی، جہاں انتقال ہوا، لوگ انھیں اپنے کاندھوں پر بقیع تدفین کے لیے لائے، امیر مدینہ مروان بن الحکم نے نماز جنازہ پڑھائی، ابن عبدالبر اندلسی نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ ان کی عمر ۸۳ سال تھی، سنہ وفات میں اختلاف ہے، ۵۵ھ کو اکثر نے ترجیح دی ہے، ان کے بیٹے عامر کہتے تھے کہ مہاجرین میں وہ آخری تھے جو بقید حیات تھے، ان کو نفس مطمئنہ اس درجہ حاصل تھا کہ جب انھوں نے اپنی مرض وفات میں افراد خانہ کو مایوسی کے ساتھ روتا دیکھا تو ان کو یہ کہہ کر مطمئن کیا:

"لا تبك فإن الله لا يعذبني أبدا، وإني من أهل الجنة"

(کہ روؤ نہیں، اللہ مجھے کبھی بھی عذاب نہ دے گا، اور میں جنتی ہوں)

ذہبی کہتے ہیں: بخدا انھوں نے جو کہا، سچ کہا، انھیں مبارک ہو۔

---

(۱) انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر ص/ ۱۰۸-۱۰۹ بحوالہ تاریخ ابن کثیر

امام زہری سے منقول ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا جب آخری وقت آیا تو انھوں نے ایک پرانا بوسیدہ صوفیانہ جبہ (جو انھوں نے اپنے کفن کے لیے رکھ چھوڑا تھا) لانے کو کہا، اور کہا کہ مجھے اسی میں کفن دینا، بدر کے موقع پر جب مشرکین سے میرا سامنا ہوا تو یہی میرے زیب تن تھا، اور اس کو میں نے آج کے دن کے لیے محفوظ کر رکھا تھا۔

ان کے ترکہ کے تعلق سے ان کی بیٹی عائشہ کہتی ہیں کہ (انتقال سے پہلے) میرے والد نے مروان (امیر مدینہ) کو پانچ ہزار رقم زکوٰۃ کی بھجوائی، اور جس روز وفات پائی تو ڈھائی سو ہزار درہم ترکہ چھوڑا۔

حضرت سعدؓ کا یہ اونچا مقام تھا کہ وہ خلافت کے اہل سمجھے جاتے تھے لیکن انھوں نے ہمیشہ اپنے کو اس سے دور رکھا، امام ذہبی کہتے ہیں:

"كان أهلا للإمامة، كبير الشان رضي الله عنه"

(امامت و قیادت کے پورے اہل تھے، بڑا مرتبہ رکھتے تھے، اللہ مقام رضوان سے نوازے)

انھیں جب لوگ نزاعی معاملات میں لانا چاہتے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنا کر آخری فیصلہ سنا دیتے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے:

"إن الله يحب الغني الخفي التقي"(۱)

یعنی اللہ تعالیٰ مستغنی شخص اور شہرت سے دور رہتے ہوئے اللہ کی عبادت واطاعت میں لگنے والے اور تقوی واحتیاط کی زندگی گزارنے والے کو محبوب رکھتا ہے۔(۲)

حضرت سعد بن ابی قاص رضی اللہ عنہ اسلام لانے والوں میں پہلے تیر انداز ہیں اور ساتویں شخص ہیں جو سب سے پہلے ایمان لائے۔

---

(۱) مسلم، کتاب الزہد

(۲) تفصیل وتحقیق کے لیے ملاحظہ ہو؛ سیر اعلام النبلاء: ۱/۹۲-۱۲۴، استیعاب: ۲/۱۷۱-۱۷۳

امام العلماء

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

(المتوفی ۱۸ھ)

نام ونسب اور مقام ومرتبہ

ابوعبدالرحمٰن معاذ بن جبل بن عمرو بن اوس بن عائذ بن عدی بن کعب بن عمرو بن اُدی بن سعد الخزرجی الانصاری، امام علماء صحابہ ومحبوب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم، حاکم شام اور یمن کے معلم وقاضی اور داعی ومبلغ اور قلوب کے مصفی، نفوس کے مزکی اور لوگوں کے مربی تھے، فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مکہ میں اپنا خلیفہ مقرر کیا، اور تاکید فرمائی کہ اہل مکہ کو قرآن اور دین سکھائیں، امام ذہبی، ابن لہیعہ سے ابوالاسود کا قول نقل کرتے ہیں کہ حضرت عروۃ (ابن الزبیر) نے فرمایا:

"كان رسول الله صلى الله عليه وسلم استخلف معاذاً على مكة حين خرج إلى حنين، وأمره أن يعلمهم القرآن والدين"(۱)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو مکہ میں اپنا خلیفہ بنایا تھا، جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے حنین کو

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۱/۴۵۹

خروج فرمارہے تھے، اور تاکید فرمائی تھی کہ وہ یہاں لوگوں کو قرآن اور دین کی تعلیم دیں)

اللہ تعالی نے حضرت معاذ بن جبل کو ظاہری کمالات کے ساتھ باطنی خصوصیات وامتیازات کا بھی حصۂ وافر عطا فرمایا تھا، ایک طرف دین وشریعت کا علم ان کو اس قدر تھا کہ زبان نبوت نے شہادت دی:

"أعلمهم بالحلال والحرام معاذ بن جبل"(۱)

(حلال وحرام کا علم سب سے زیادہ معاذ بن جبل کو ہے)

اور ابن عساکر کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"يأتي معاذ بن جبل يوم القيامة إمام العلماء"(۲)

(روز قیامت معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ) امام العلماء کی حیثیت سے آئیں گے)

دوسری طرف باطنی خصوصیات اس درجہ کمال کو پہنچی ہوئی تھیں کہ آپ کے معاصر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قربت رکھنے والے صحابہ آپ کے فضل و معرفت کا کھلے دل سے اعتراف کرتے نظر آتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ان کو اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بڑا عاقل شمار کرتے تھے اور کہتے تھے:

"حدثنا عن العاقلين، قال من هما؟ قال: هما معاذ بن جبل و أبو الدرداء"(۳)

(کہ دو بڑے فہیم عالم سے حدیث بیان کرو، پوچھا گیا؛ وہ دونوں کون ہیں، فرمایا؛ معاذ بن جبل اور ابودرداء)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ کے فضل وکمال کے بڑے معترف تھے، امام شعبی حضرت فروہ اشجعی اور حضرت مسروق سے فروہ کے الفاظ میں بیان

(۱) سنن ابی داؤد کتاب الاقضیہ (۲) ابن عساکر: ۵/۴۴۳ (۳) استیعاب: ۳/۱۶۲

کرتے ہیں:

"كنت جالساً مع ابن مسعود فقال: إن معاذاً كان أمة قانتاً لله حنيفاً ولم يك من المشركين، فقلت يا أبا عبدالرحمان، إنما قال الله تعالى: ﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتاً لِلّٰهِ حَنِيفاً﴾(۱) فأعاد قوله: إن معاذاً، فلما رأيته أعاد، عرفت أنه تعمد الأمر، فسكتُّ، فقال: أتدرى ما الأمة؟ وما القانت؟ قلت: لا أعلم، قال: الأمة الذى يعلم الخير ويؤتم به، ويقتدى، والقانت، المطيع لله وكذلك كان معاذ بن جبل معلماً للخير، مطيعاً لله و لرسوله"(۲)

(میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، آپ نے فرمایا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ واقعی "أمة قانتاً لله حنيفاً" تھے، میں نے عرض کیا، اے ابوعبدالرحمٰن! اللہ نے تو فرمایا ہے: ﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتاً لِلّٰهِ حَنِيفاً﴾ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی بات پھر دہرائی اور کہا کہ معاذ واقعی تھے، وہ کہتے ہیں جب میں نے انھیں یہ بات مکرر کہتے دیکھا تو میں حقیقت امر کو پہنچ گیا اور میں نے سکوت اختیار کرلیا، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ جانتے ہو، امت کا کیا مطلب ہے اور قانت کا کیا مطلب ہے؟ میں نے کہا نہیں، فرمایا: امت وہ ہے جو خیر کی تعلیم دیتا ہو اور امام ومقتدا ہو، اور قانت اللہ کا مطیع و فرمانبردار ہے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ خیر کی تعلیم دینے والے، اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع وفرمانبردار تھے)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقام جابیہ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا تھا:

---

(۱) سورۂ نحل/۱۲۰ (۲) استیعاب: ۳/۴۶۲

"من أراد الفقه فليأت معاذ بن جبل رضي الله عنه"

(جسے دین کا فہم حاصل کرنا ہو وہ معاذ بن جبل کے پاس جائے)

دینی معاملات میں آپ کی طرف بڑوں کی موجودگی میں رجوع ہونے لگا تھا، یہ بات کم عمر والے کے لئے قرب وصال کی علامت بھی سمجھی جاتی ہے، حضرت عطاء بن ابی رباح نے آپ کی طرف رجوع کو حضرت ابوسلمہ خولانی کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے:

"دخلت مسجد حمص، فإذا فيه نحو من ثلاثين كهلاً من الصحابه، فإذا فيه شاب، أكحل العينين، براق الثنايا، ساكت، فإذا امترى القوم، أقبلوا عليه، فسألوه، فقلت: من هذا؟ قيل: معاذ بن جبل فوقعت محبته في قلبي"(۱)

(میں مسجد حمص میں داخل ہوا، وہاں تیس کے قریب متوسط عمر کے صحابہ کرام موجود تھے، ان میں ایک نوجوان بڑے خوبرو، کمال وقار و تمکنت سے تشریف فرما تھے، لوگوں کو کسی مسئلہ میں اتفاق نہ ہوتا تو سب ان سے رجوع کرتے، میں نے عرض کیا، یہ کون شخص ہیں؟ بتایا گیا کہ یہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں، وہیں سے ان کی محبت میرے دل میں بیٹھ گئی)

دوسرا اعتراف حضرت ابوادریس خولانیؒ کا ہے، امام مالک مؤطا میں حضرت ابو حازم بن دینار سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابوادریس خولانیؒ نے فرمایا:

"دخلت مسجد دمشق فإذا فتى شاب براق الثنايا، وإذا الناس معه، إذا اختلفوا في شيئ، اسندوا إليه، و صدروا عن قوله، فسألت عنه: فقيل: معاذ بن جبل"(۲)

(میں مسجد دمشق میں داخل ہوا، ایک بڑے ہی خوبرو نوعمر کو تشریف فرما

---

(۱) سیر النبلاء: ۱/۴۵۳ (۲) مؤطا، کتاب الشعر

دیکھا اور ان کے اردگرد لوگوں کا ہجوم پایا، دیکھا کہ جب یہ لوگ کسی مسئلہ میں متفق نہیں ہو پاتے ہیں تو ان سے رجوع کرتے ہیں اور یہ جو فرمادیتے ہیں اس سے انہیں تشفی ہو جاتی ہے، تو میں نے اس ہستی کے بارے میں پوچھا، بتایا گیا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ شرح موطا ''اوجز المسالک'' میں مسجد حمص کے تعلق سے بھی حضرت ابوادریس خولانیؒ کے مشاہدہ و اعتراف کا ذکر کرتے ہیں:

"عن أبي إدريس الخولاني قال: دخلت في مسجد حمص فجلست إلى حلقة منها اثنان وثلاثون رجلاً من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، قال: يقول الرجل منهم سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم فيحدث، ثم يقول الآخر سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم، فيحدث، وفيهم رجل أدعج براق الثنايا، فإذا شكوا في شيئ ردوه إليه، ورضوا بما يقول فيه." الحديث"(۱)

(حضرت ابوادریس خولانی کہتے ہیں: میں مسجد حمص میں داخل ہوا، تو اس حلقہ کی طرف گیا، جس میں ۳۲ رصحابی تشریف فرما تھے، ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتا، دوسرا اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتا، ان ہی میں ایک بڑے ہی خوبرو صحابی تھے، جب لوگوں کو کسی بات میں شک وتردد ہوتا تو وہ بات ان کے سامنے رکھتے اور جو وہ کہتے، اس کو تسلیم کرتے)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کم عمری میں ہی جن اوصاف وخصوصیات و

(۱) محقق اوجز المسالک مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی نے واضح کیا ہے کہ حاکم نے مستدرک ۴/۱۶۹ میں یہ حدیث ذکر کی ہے۔

امتیازات اور فضائل ظاہری و باطنی و محاسن علمی و عملی سے نواز دئے گئے تھے اس نے ان کے اندر محبوبیت کی ایک شان پیدا کر دی تھی، اور یہ کہ ان کا اٹھنا بیٹھنا، ملنا جلنا، تعاون و اشتراک عمل، باہمی تعلق و محبت، سب کچھ محض اللہ کے لئے روز اول سے تھا، چنانچہ جب ان کے ایک محب مخلص اور فدائی مسترشد نے ان سے اظہار محبت کیا تو آپ نے انھیں یہ بشارت سنائی جو مؤطا کی روایت میں اس طرح ہے، حضرت ابوادریس خولانی کہتے ہیں:

"فلما كان الغد، هجّرت فوجدته، قد سبقني بالتهجير ووجدته يصلي، قال: فانتظرته حتى قضى صلاته ثم جئته من قبل وجهه فسلمت عليه، ثم قلت: والله إني لأحبك لله فقال: آلله؟ فقلت: آلله؟ فقال آلله؟ فقلت: آلله؟ فقال: آلله؟ فقلت: آلله؟ قال: فأخذ بحبوة ردائي، فجبذني إليه، وقال أبشر فإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: قال الله تبارك وتعالى: "وجبت محبتي للمتحابّين فيّ، والمتجالسين فيّ، والمتزاورين فيّ، والمتباذلين فيّ"(۱)

(اگلے دن سویرے میں مسجد حاضر ہوا، دیکھا کہ وہ اور پہلے سے مسجد میں موجود نماز میں مشغول ہیں، میں منتظر رہا کہ وہ نماز پوری کرلیں، پھر میں سامنے سے آیا، سلام عرض کیا، پھر کہا: بخدا میں آپ سے محض اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں، فرمایا: واقعی اللہ کے لیے! میں نے عرض کیا: واقعی اللہ کے لیے، پھر فرمایا: واقعی اللہ کے لیے! میں نے عرض کیا: واقعی اللہ کے لیے! پھر انھوں نے میری چادر کے پلو کو کھینچتے ہوئے مجھے

---

(۱) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی اوجز المسالک ۱۷/۱۰۷ میں (تحقیق دانقی الدین ندوی) میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابوادریس خولانی کا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے لقاء اور سماع ثابت ہے، ان کی عمر اس وقت ۹ یا ۱۰ سال کی تھی، جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے طاعون عمواس میں ۱۸ھ میں انتقال فرمایا، البتہ طول صحبت و مجالست حاصل نہیں ہوئی۔

اپنے قریب کیا، اور فرمایا: تمہیں خوشخبری ہو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میری محبت ان لوگوں کو حاصل ہوگئی جو میرے خاطر آپس میں ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں اور ان لوگوں کو جو میرے خاطر مل بیٹھتے ہیں اور ان لوگوں کو جو میرے خاطر ایک دوسرے سے ملنے جاتے ہیں اور ان لوگوں کو جو میرے خاطر ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی شخصیت گوناگوں خصوصیات کی حامل شخصیت تھی، دین پوری طرح سے ان کے اندر راسخ تھا، اور اللہ اور اس کے رسول کی محبت ان کے قلب میں جاگزیں تھی، ان کی نگاہ ظاہر پر نہیں باطنی امور پر ہوا کرتی تھی، وہ علم کے سمندر تھے لیکن انہیں اپنے علم پر ناز کبھی نہیں رہا، وہ تواضع کے پیکر تھے، اور حق بات کے اظہار میں جھجکتے نہیں تھے، جب طاعون عمواس میں حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی اور ان کی جگہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حاکم شام مقرر کیا، اور وہ طاعون اتنا سخت تھا کہ راہ فرار اختیار کئے بغیر اس سے بچنا ممکن نہ تھا، مگر اس میں ایمان ویقین کا سخت امتحان تھا، اس لئے کہ اہل ایمان کا عقیدہ ہے کہ محیی ومیت اللہ ہے، اور وہ حی وقیوم ہے، جب وہ آگ سے جلانے کی صلاحیت ختم کرسکتا ہے تو طاعون سے ہلاک کرنے کی صلاحیت کیوں سلب نہیں کرسکتا، اور اسی کو اللہ کے نیک بندوں کے لئے مغفرت ورحمت کا سامان بنادے، اور اسے اپنے بندوں کا امتحان لینا اور اس کے ذریعہ ان کو نوازنا مقصود ہو تو یہ بھی اسی کا فیصلہ ہے، چنانچہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جو بعد میں حضرت معاذ بن جبل کی جگہ حاکم شام مقرر ہوئے، طاعون سے ہلاکت کو دیکھ کر گھبرائے اور خطاب کیا، تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اپنا جو طرز عمل اور نمونہ پیش کیا، اس نے لوگوں کو ہلا کر رکھ دیا۔

عبدالرحمٰن بن غنم کہتے ہیں:

"وقع الطاعون بالشام، فخطب الناس عمرو بن العاص، فقال هذا الطاعون رجز، ففروا منه فی الأودية والشعاب، فبلغ ذلك شرحبيل بن حسنة، فغضب، وجاء يجرّ ثوبه، ونعلاه فی يده فقال: صحبت رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولكنه رحمة ربكم، ودعوة نبيكم، ووفاة الصالحين قبلكم، فبلغ ذلك معاذاً، فقال: اللهم اجعل نصيب آل معاذ الأوفر، فماتت ابنتاه، فدفنهما فی قبر واحد، وطُعن ابنه عبد الرحمن فقال: يعنی لابنه، لما سأله، كيف تجدك؟ قال: ﴿ٱلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ ٱلْمُمْتَرِينَ﴾ (۱) قال: ﴿سَتَجِدُنِىٓ إِن شَآءَ ٱللَّهُ مِنَ ٱلصَّٰبِرِينَ﴾ (۲) قال: وطعن معاذ فی كفه فجعل يقلبها ويقول: هی أحب إلیّ من حمر النعم، فإذا سُرّی عنه، قال: رب! غُمّ غمّك، فإنك تعلم أنی أحبك، ورأى رجلاً يبكی، قال ما يبكيك؟ قال: ما أبكی على دنيا كنت أصبتها منك، ولكن أبكی على العلم الذی كنت أصيبه منك. قال: لا تبكه، فإن إبراهيم صلوات الله عليه كان فی الأرض وليس بها علم، فأتاه الله علماً، فإن أنا متّ، فاطلب عند أربعة: عبد الله بن مسعود، وسلمان الفارسی، وعبد الله بن سلام، وعويمر أبی الدرداء (رضی الله عنهم)"(۳)

(شام میں طاعون آیا تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے عمومی خطاب میں کہا یہ طاعون عذاب ہے، اس سے وادیوں اور گھاٹیوں میں راہ فرار اختیار کرو، حضرت شرحبیل بن حسنہ کو یہ سن کر غصہ آیا، جوتے ہاتھ میں لیے دوڑتے ہوئے آئے اور فرمایا کہ مجھے شرف

(۱) سورۂ آل عمران/۶۰ (۲) سورۂ کہف/۱۰۲ (۳) سیر اعلام النبلاء:۱/۴۵۸-۴۵۹

صحابیت حاصل ہے، ایسا نہیں ہے جیسا تم نے سنا یہ تو تمہارے رب کی طرف سے باعث رحمت ہے، تمہارے نبی کی دعا ہے اور تم سے پہلے صالحین کی موت کا راستہ ہے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یہ بات پہنچی تو دعا کی کہ آل معاذ کو بھی اس کا بڑا حصہ عطا فرما، چنانچہ ان کی دو بیٹیاں اسی میں وفات پا گئیں، اور ایک ہی قبر میں دونوں کی تدفین عمل میں آئی، اور ان کے بیٹے عبدالرحمٰن بھی طاعون میں مبتلا ہوئے، انھوں نے اپنے بیٹے سے پوچھا کیا حال ہے؟ بیٹے نے کہا: حق اللہ کی جانب سے ہے، اس لیے تردد کرنے والوں میں سے نہ ہوں، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انشاء اللہ مجھے صبر کرنے والا پاؤ گے، پھر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی ہتھیلی میں طاعون کا حملہ ہوا، وہ ہتھیلی اوپر نیچے کرتے اور کہتے یہ مجھے سرخ اونٹوں سے زیادہ محبوب ہے، پھر اپنے رب کی طرف مناجات کرتے ہوئے مخاطب ہوئے کہ اے اللہ تو خوب جانتا ہے کہ مجھے تجھ سے محبت ہے، پھر ایک شخص کو دیکھا کہ وہ رو رہا ہے، فرمایا: تجھے کیا چیز رلا رہی ہے؟ اس نے عرض کیا کہ دنیا اور اس کا ساز و سامان جو مجھے آپ کے ذریعہ حاصل ہوا نہیں، رلا رہا ہے، بلکہ وہ آپ کا وہ فیضان رلا رہا ہے جو آپ کے ذریعہ حاصل ہوا، فرمایا: مت رو! حضرت ابراہیم علیہ السلام جب دنیا میں تشریف لائے تو دنیا علم حقیقی سے بالکل خالی ہو چکی تھی، اللہ نے ان کو وہ علم حقیقی عطا فرمایا، میں مر جاؤں تو تم چار لوگوں کے وجود بابرکت کو غنیمت جانو، وہ ہیں: عبداللہ بن مسعود، سلمان فارسی، عبداللہ بن سلام اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہم)

خشیت وانابت اور اخفائے حال

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی خشیت وانابت کی کیفیت قابل رشک تھی،

جس سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی متأثر تھے، اسی لئے ان کا یہ تأثر دوسروں تک متعدی ہوا، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جو کہ ان کے لائق فخر صاحبزادے ہیں فرماتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گزر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہوا، اور وہ رو رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا یہ رونا کیسا؟ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے ایک حدیث سنی ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إن أدنىٰ الرياء شركٌ، وأحب العبد إلى الله الأتقياء والأخفياء، الذين إذا غابوا، لم يفتقدوا، وإذا شهدوا لم يعرفوا، أولئك مصابيح العلم وأئمة الهدى"(۱)

(ذرا سا ریاء بھی شرک ہے، اللہ کو مخفی الحال متقی بندے زیادہ محبوب ہیں، جو موجود نہ ہوں تو انھیں تلاش بھی نہ کیا جائے، اور موجود ہوں تو لوگ انھیں پہچانتے بھی نہ ہوں، یہی لوگ چراغ راہ علم وعمل اور رہنمائے رشد وہدایت ہیں)

امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء: ۱/۴۵۹ میں امام حاکم کے حوالہ سے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، لیکن امام نسائی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے، کہ ابو قحذم (جو کہ اس حدیث کے راویوں میں ہیں) ثقہ نہیں ہیں، دراصل امام ذہبی جیسے ماہر فن اسماء رجال کا اس حدیث کو ذکر کرنا حدیث کے معنی اور پیغام کی اہمیت کو واضح کرتا ہے، اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے مقام وعظمت کو بھی اجاگر کرتا ہے۔

ذکر وفکر

اللہ کے نام کے ذکر کو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ دنیا وآخرت میں کامیابی کی کلید اور مصیبت وعذاب سے نجات کا بڑا ذریعہ سمجھتے تھے، اور اس کو وہ جہاد جیسے عظیم

---

(۱) المستدرك للحاكم: ۳/ ۲۷۰

اعمال پر فوقیت دیتے تھے، امام ذہبی نے ان کا یہ مسلک نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

"ما عمل آدميّ عملاً أنجى له من عذاب الله من ذكر الله، قالوا يا أبا عبد الرحمن! ولا الجهاد في سبيل الله؟ قال: ولا، إلا أن يضرب بسيفه حتى ينقطع، لأن الله تعالى يقول في كتابه: "ولذكر الله أكبر"(۱)

(کوئی عمل اللہ کے ذکر سے زیادہ نجات دینے والا نہیں ہے، لوگوں نے عرض کیا: اے ابوعبدالرحمٰن! کیا راہ خدا میں جہاد بھی نہیں؟ فرمایا: نہیں، ہاں اگر وہ اپنی تلوار سے ایسا وار کرے کہ تلوار ٹوٹ جائے (شہادت کی طرف اشارہ ہے) اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صاف صاف فرمادیا ہے کہ اللہ کا ذکر سب سے بڑا عمل ہے)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی ایک بڑی اور اہم امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک موقع پر فرمایا:

"يا معاذ إني أحبك فقل اللهم أعني على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك"(۲)

(اے معاذ! تم مجھے محبوب ہو، تو یہ دعا کیا کرو: اے اللہ میری مدد فرما اپنے ذکر کے لیے اور اپنے شکر کے لیے اور اپنی بہترین عبادت کے لیے)

یہ حدیث مسلسل بالمحبہ کے طور پر آج تک اسی انداز سے جاری ہے، اپنے اس قول تسلسل کے ساتھ کہ حضرت معاذ نے اپنے سامع صنابحی سے اسی طرح کہا، یہاں تک کہ اسی طریق سے قولی تسلسل کے ساتھ حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث

---

(۱) سورہ عنکبوت/ ۴۵۔ اس حدیث کو ذہبی نے سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۴۵۶ میں اور امام احمد نے کتاب الزہد/ ۱۸۰ میں اور مسند میں ۳۶/ ۳۹۶، برقم: ۲۲۰۷۹، اور ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء: ۱/ ۲۳۵ میں نقل کیا ہے۔

(۲) أبي داود، باب في الاستغفار: ۱۵۲۴

دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فضیلت حاصل ہوئی اور ان سے یہ تسلسل منقطع نہیں ہوا، یہاں تک حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کو اور ان سے ایک بڑی تعداد کو یہ قولی فضیلت حاصل ہوئی، اور عام ہوئی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنے رسالہ "الفضل المبین فی المسلسل بحدیث النبی الأمین صلی اللّٰہ علیہ وسلم" میں یہ حدیث ذکر کی ہے۔

امام ذہبی نے اس واقعہ کو اس طرح ذکر کیا ہے:

"عن معاذ قال: لقینی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال: یا معاذ! إنی لأحبك فی اللّٰہ، قلت وأنا واللّٰہ یا رسول اللّٰہ! أحبك فی اللّٰہ، قال: أفلا أعلمك کلمات تقولهن دبر کل صلاۃ؟ رب أعنی علی ذکرك وشکرك وحسن عبادتك"(۱)

(حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ملاقات ہوئی، اثنائے ملاقات فرمایا: اے معاذ! تم مجھے اللہ واسطے محبوب ہو، میں نے عرض کیا: بخدا میرا بھی یہی حال ہے، آپ بھی مجھے بہت محبوب ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں چند کلمات سکھاتا ہوں، ان کو ہر نماز کے بعد کہہ لیا کرو: اے اللہ میری مدد فرما اپنے ذکر کے لیے اور اپنے شکر کے لیے اور اپنی بہترین عبادت کے لیے)

امتیاز وخصوصیت

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے عنفوان شباب سے ہی اہم مواقع اور غزوات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، امام ذہبی نے ان کو بلند الفاظ میں یاد کرتے ہوئے ان کی ان خدمات کا بھی تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے:

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۱/۴۵۰ یہ روایت سنن ابی داؤد: ۱۵۲۴۔ وسنن نسائی: ۱۳۱۱؛ میں بھی ہے۔

"السيد الإمام أبوعبد الرحمن الأنصاري الخزرجي المدني البدري، شهد العقبة شاباً أمرد.

وروى عن الواقدى عن رجاله، أن معاذاً شهد بدراً وله عشرون سنة أو إحدى وعشرون سنة، وروى قتادة عن أنس قال: جمع القرآن على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم أربعة، كلهم من الأنصار، أبى بن كعب، وزيد بن ثابت، ومعاذ بن جبل، وأبو زيد أحد عمومتى"(۱)

(کہ سید الامام ابوعبدالرحمٰن انصاری خزرجی مدنی بدری، بیعت عقبہ میں بالکل نوعمری میں شریک ہوئے۔

واقدی سے روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بدر میں شریک ہوئے اور وہ بیس یا اکیس سال کے تھے۔

حضرت قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ عہد نبوی میں چار اشخاص نے جمع قرآن کا کام انجام دیا، چاروں انصاری ہیں: حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت، حضرت معاذ بن جبل اور میرے ایک چچا حضرت ابوزید انصاری (رضی اللہ عنہم)

آپ کے دین میں فہم اور مزاج شریعت سے مناسبت تامہ کو امام ذہبی نے حضرت ابوسعید خدری کی اس روایت سے واضح کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"إن معاذاً دخل المسجد ورسول الله صلى الله عليه وسلم ساجد، فسجد معه فلما سلم، قضى معاذ ما سبقه، فقال له رجل كيف صنعت؟ سجدت ولم تعتد بالركعة، قال: لم أكن لأرى رسول الله صلى الله عليه وسلم على حال إلا

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۱/۴۴۴-۴۴۵

أحببت أن أكون معه فيها فذكر ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم، فسره فقال: هذه سنّة لكم"(۱)

(حضرت معاذ رضی اللہ عنہ مسجد (نبوی) میں داخل ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں تھے، وہ بھی سجدہ میں چلے گئے، جب سلام پھیرا تو وہ کھڑے گئے اور نماز پوری کی، ایک شخص نے کہا: آپ نے یہ کیسے کیا، آپ نے سجدہ کرلیا اور رکعت کا خیال نہ کیا، فرمایا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حال سے ہٹ کر اپنا حال بنانا مناسب نہ لگا، یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں لائی گئی، تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مسرت ہوئی اور فرمایا کہ یہی طریقہ تم لوگوں کے لیے بھی ہے)

خلافت نبوت کے کام

یہ ہیں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جنھیں محبوب حبیب رب العالمین ہونے کا شرف حاصل ہے، اور جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود بہت عزیز ومحبوب رکھنے کے دین کے مفاد اور انسانیت کے خیر وفلاح اور سعادت اخروی کے لیے یمن بھیج دیا تھا، جوان کے لیے یقیناً بہت شاق تھا، اور ایسے وقت جب کہ وہ یہ محسوس کررہے تھے کہ شاید اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نہ ہوسکے، اسی لیے اس کا ان پر بہت اثر تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے تعلق کا اظہار کرکے ان کو تسکین دی، چنانچہ انھوں نے یمن جاکر خلافت نبوت کا تربیتی وتعلیمی اور تبلیغی فریضہ انجام دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو روانہ کرتے ہوئے یہ ہدایت بھی دی کہ تم پہلے ان لوگوں کو توحید کی طرف بلانا، جب وہ اس کو سمجھ لیں تو بتانا کہ اللہ نے تم پر پانچ وقت کی نماز فرض کی ہے، اور جب وہ اس کو سمجھ لیں تو بتانا کہ اللہ نے ان پر زکوٰۃ بھی فرض کی ہے، جوان کے مالداروں سے لے کر ان کے ضرورت مندوں کو دی جائے گی۔

---

(۱) ایضا: ۱/۴۵۱

امام المؤذنین

حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ

(المتوفی ۲۰ھ)

سیدنا حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابی، مؤذن اور اسلام کے لئے قربانی دینے والوں میں اولین حیثیت رکھتے ہیں، حضرت عمار بن یاسر اور ان کی والدہ حضرت سمیہ اور والد حضرت یاسر، حضرت صہیب رومی، حضرت مقداد، حضرت خبیب، حضرت خباب اور حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہم کو سخت ترین اذیتوں سے گزرنا پڑا، کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ظاہری سبب کے طور پر آپ کے چچا ابو طالب اور حضرت ابوبکر صدیق کے احسانات کی وجہ سے ان کی قوم سپر بنی، باقی حضرت یاسر ان کے بیٹوں اور اہلیہ اور پھر حضرت صہیب رومی حضرت مقداد اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ دیئے گئے، علامہ ابن عبدالبر تحریر فرماتے ہیں:

فأخذهم المشركون فألبسوهم أدرع الحديد وصهروهم في الشمس فما منهم إنسان إلا وقد أتاهم على ما أرادوا إلا بلالاً، فإنه هانت عليه نفسه في الله، وهان على قومه،

فأعطوه الولدان فجعلوا يطوفون به في شعاب مكة وهو يقول: أحد، أحد"(۱)

(مشرکین نے ان سبھوں کو گرفتار کر کے لوہے کے توڑے پہنائے اور انہیں سخت دھوپ (سورج کی تمازت) میں تپایا، ان میں سے ہر ایک مشرکین کے مطالبہ پر اتر آیا، سوائے بلالؓ کے کہ وہ اللہ کے لیے جان کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے، اور (سیاہ فام اور غلام ہونے کی وجہ سے) اپنے متعلقین کے نزدیک بھی بے حیثیت تھے، (کہ ان کو زر ضمانت دے کر چھڑالیں یا خرید کر آزاد کردیں) لہٰذا اوباش لڑکوں کو ان کے پیچھے لگادیا جو مکہ کی گلیوں میں گھماتے پھرتے اور ان کی زبان پر احد احد ہوتا)

ایک دوسری روایت میں یہ اضافہ بھی ہے:

"انهم يطوفون به والحبل في عنقه بين أخشبي مكة"

(کفار ان کی گردن میں رسی ڈال کر مکہ کی گلیوں کے چکر لگاتے)

صاحب دل شخصیت

علامہ ابن عبدالبر اندلسی نے نقل کیا ہے:

"كان صادق الإسلام، طاهر القلب"(۲)

(وہ نہایت سچے مسلمان اور نہایت پاک دل تھے)

یہی صدق وطہارت مطلوب ہے، جس کو حاصل ہو جاتی ہے اس کا اسی وقت تزکیہ ہو جاتا ہے، اس کو فوز وفلاح، ثبات واستقامت اور ایمان ویقین کی وہ دولت ملتی ہے جس کے آگے ساری دولتیں ہیچ ہیں:

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾ (الشمس: ۱۰)

---

(۱) الاستیعاب: ۱/۲۵۹، لابن عبدالبر الاندلسی (۲) الاستیعاب: ۱/۲۵۹، لابن عبدالبر الاندلسی

(بے شک وہ شخص کامیاب ہوا جو اپنے نفس (جان) کو برائیوں سے پاک رکھے گا اور وہ شخص ناکام ہوگا جو اپنے نفس (جان) کو گناہوں میں گاڑے گا)

قرآن کا اعلان ہے اور دائمی وابدی اعلان ہے، یہی تعلق مع اللہ کی دولت ہے جو قربانی اور تکلیف کو راحت بنا دیتی ہے، اور اس کو جادۂ استقامت سے کوئی بھی چیز ہٹا نہیں پاتی۔

اسلام لانے کا واقعہ اور سبقت وفضیلت

علامہ ابن عساکر دمشقی نے حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ تفصیل سے اس طرح لکھا ہے، وہ اپنی سند سے بیان کرتے ہیں کہ ولید بن مسلم کہتے ہیں وضین بن عطاء راوی ہیں:

"إن رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبابكر اعتزلا فى غار فبينما هما كذلك إذ مرّ بهما بلال، وهو فى غنم عبد الله بن جدعان، وبلال مولد من مولدى مكة، قال: وكان لعبد الله بن جدعان بمكة مائة مملوك مولد، فلمّا بعث الله نبيه أمر بهم فأخرجوا من مكة إلا بلالا، يرعى عليه غنمه تلك، فأطلع رسول الله صلى الله عليه وسلم رأسه من ذلك الغار، فقال يا راعي هل من لبن؟ فقال بلال: مالى إلا شاة منها قوتي، فإن شئتما آثرتكما بلبنها اليوم؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ائت بها، فجاء بها، فدعا رسول الله صلى الله عليه وسلم بقعبه، فاعتقلها رسول الله صلى الله عليه وسلم، فحلب فى القعب، حتى ملأه، فشرب حتى روي، ثم حلب فسقى أبا بكر، ثم احتلب حتى ملأه، فسقى

بـلالا حتى روى ثم أرسلها، وهي أحفل ما كانت، ثم قال: يا غلام هل لك فى الإسلام؟ فأتى رسولَ الله صلى الله عليه وسلم فأسلم، وقال: اكتم إسلامك، ففعل وانصرف بغنمه، وبات بها، وقد أضعف لبنها، فقال له أهله لقد رعيت مرعى طيبـا، فـعـليك بـه، فـعـاد إليـه ثـلاثة أيـام يسقيهما، ويتعلم الإسـلام، حتـى إذا كـان فى اليوم الرابع فمرّ أبوجهل بأهل عبـد الله بـن جدعان فقال: إنى أرى غنمكم قد نمت وكثر لبـنهـا، فـقـالوا: قد كثر لبنها منذ ثلاثة أيام، ومانعرف ذلك مـنهـا فـقـال: عبـدكـم ورب الـكـعبة يعرف مكان ابن أبى كبشة، فـامـنـعـوه أن يـرعى ذلك المرعى، فمنعوه من ذلك الـمـرعـى، ودخـل رسـول الله صـلى الله عليـه وسلم مكة فـاختفى فى دار عند المروة وأقام بلال على إسلامه، فدخل يوما الكعبة، وقريش فى ظهرها لا تعلم، فالتفت فلم ير أحدا أتـى الأصـنـام فجعل يبصق عليها ويقول: خاب وخسر من عبدكن، فطلبته قريش وهرب حتى دخل دار سيده عبد الله بن جدعان فاختفى فيها، ونادوا عبد الله بن جدعان فخرج فقالوا أصبوت؟ قال ومثلى يقال له هذا؟ فعليّ نحر مائة ناقة للات والعزى، فقالوا: إن أسودك صنع كذا وكذا، فدعا به فالتمسوه فوجدوا فأتوا به فلم يعرفه، فدعا خوليه فقال: من هذا؟ ألم آمرك أن لا يبقى بها أحد من مولديها إلا أخرجته؟ فقال: كان يرعى غنمك ولم يكن أحد يعرفها غيره.

فقال لأبى جهل وأمية بن خلف: شأنكما فهو لكما، اصنعا بـه مـا أحببتـمـا، فـخـرجـا بـه إلـى البـطحاء يبسطانه على

رمضائها فيجعلان رحى على كتفيه ويقولان: اكفر بمحمد، فيقول لا، ويوحد الله، فبينما هما كذلك إذ مرّ بهما أبوبكر فقال: ما تريدان بهذا الأسود، والله ما تبلغان به ثأرا، فقال أمية بن خلف لأصحابه: ألا ألعبنكم بأبى بكر لعبة ما لعبها أحد، ثم تضاحك وقال: هو على دينك يا أبابكر فاشتره منا، فقال نعم، فقال: أعطنى عبدك فسطاسا -وفسطاس عبد لأبى بكر- حداد يؤدى خراجه نصف دينار، فقال أبوبكر، إن فعلت تفعل؟ فقال: قد فعلت، فتضاحك وقال: لا والله حتى تعطينى ابنته مع امرأته، قال: إن فعلت تفعل؟ قال نعم، قال: قد فعلت، فتضاحك وقال لا والله حتى تزيدنى معه مائتى دينار، قال أبوبكر: أنت رجل لا تستحيى من الكذب، قال لا واللات والعزى لئن أعطيتنى لأفعلن فقال: هى لك، فأخذ"(۱)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک غار میں گوشہ نشین تھے، اتنے میں ان کے پاس حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا، وہ عبداللہ بن جدعان کی بکریاں چرانے آتے تھے، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ مکہ میں پیدا ہوئے تھے، عبداللہ بن جدعان کے مکہ میں ہی سو غلام تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور آپ نے ان سب کو دعوت دینی شروع کی، تو یہ سب مکہ کے باہر بھیج دیئے گئے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو باقی رکھا گیا تا کہ بکریاں چرائیں، وہ وہاں بکریاں لائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر غار سے باہر نکالا اور آواز دی، اے راعی! دودھ پینے کو ہے؟ حضرت بلال

(۱) ابن عساکر تاریخ دمشق الکبیر: ۱۰/۳۳۶-۳۳۷

رضی اللہ عنہ نے کہا میرے لیے صرف ایک ہی بکری ہے اسی سے میری روزی ہے، آپ چاہیں تو میں آپ کو اپنے اوپر ترجیح دے دوں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لے آؤ، وہ بکری لے کر آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور اپنا پیالہ منگایا، اس میں دودھ دوہا، یہاں تک پیالہ بھر گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیر ہو کر نوش فرمایا، پھر دوہا، یہاں تک کہ پیالہ بھر گیا، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پلایا، پھر دوہا اور پیالہ بھر گیا، تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو پلایا، انھوں نے خوب سیر ہو کر پیا، پھر بکری کو چھوڑ دیا اور بکری دودھ سے اسی طرح بھری ہوئی تھی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے غلام کیا تم کو اسلام کی طرف رغبت ہے؟ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم ابھی اپنا اسلام چھپائے رکھنا، انھوں نے ایسا ہی کیا اور بکریاں لے کر واپس ہو گئے، ان کے گھر والوں نے کہا کہ چراگاہ اچھی مل گئی ہے وہیں جایا کرو، تین دن تک ادھر ہی جاتے رہے اور دودھ پیش کرتے اور اسلام سیکھتے رہے، یہاں تک کہ چوتھے دن ابوجہل کا عبداللہ بن جدعان کے گھر والوں کے پاس آنا ہوا، ان سے کہنے لگا میں تمہاری بکریوں کو بڑھتے ہوئے اور زیادہ دودھ والی دیکھ رہا ہوں، ان لوگوں نے کہا تین دن سے یہ ہو رہا ہے، وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی ہے کہ کیا ہے؟ ابوجہل نے کہا رب کعبہ کی قسم! تمہارا غلام ابن ابی کبشہ کی جگہ جانتا ہے، اس کو روکو، اس چراگاہ میں نہ جائے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف لائے، مروہ کے پاس ایک مکان میں خفیہ طور پر رہے، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اسلام پر قائم تھے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک

روز کعبہ کے پاس آئے اور قریش کو کچھ معلوم نہ تھا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ادھر ادھر دیکھا اور کسی پر نظر نہ پڑی تو بتوں کی طرف آ کر ان پر تھوکنے لگے اور اور یہ کہے جا رہے تھے کہ جو تمہیں پوجے وہ غارت ہو، قریش نے یہ دیکھ کر ان کو پکڑنا چاہا، وہ بھاگ نکلے، اور اپنے مالک عبداللہ بن جدعان کے مکان میں چھپ گئے، قریش نے عبداللہ بن جدعان کو آواز دی وہ باہر آیا، ان سب نے کہا: کیا تم صابی ہو گئے ہو؟ ابن جدعان نے کہا: مجھ جیسے کے متعلق یہ بات کہی جائے گی؟ لات وعزی کے لیے سو اونٹ نذر چڑھانا ہم پر ہے، ان لوگوں نے کہا تمہارے اس اسود غلام نے ایسا کیا ہے، ابن جدعان نے ابوجہل اور امیہ سے کہا تم جانو یہ تمہارے حوالہ ہے، جو چاہو کرو، وہ دونوں ان کو بطحاء لے گئے، گرم پتھروں پر لٹا کر مونڈھوں پر چکی رکھ کر کہے جا رہے تھے کہ محمد کا انکار کرو، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کہتے میں انکار نہیں کروں گا، اور ایک اللہ کی گواہی دیتے رہے، یہ سلسلہ جاری تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا، انھوں نے کہا تم اس سیاہ فام کے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہو؟ امیہ بن خلف نے اپنے ساتھیوں سے کہا کیا میں ابوبکر سے وہ کھیل نہ کروں جو کسی نے نہ کیا ہوگا؟ پھر ٹھٹھا مارا، اور کہا یہ تمہارا ہم مذہب ہے، اس کو خرید لو، انھوں نے کہا ٹھیک ہے، تو اس نے کہا اس کے بدلہ مجھے اپنا غلام فسطاس دے دو، وہ اچھا لوہار تھا اور نصف دینار خراج ادا کرتا تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا ٹھیک ہے، تو اس نے پھر ٹھٹھا مارا اور کہا مگر اس کے ساتھ اس کی بیوی اور بیٹی بھی حوالہ کرنا پڑے گا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا ٹھیک ہے، تو اس نے پھر ٹھٹھا مارا اور کہا خدا کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ مزید دو سو دینار بھی دو،

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا تو ایسا شخص ہے کہ تجھ کو جھوٹ بولنے میں ذرا بھی شرم محسوس نہیں ہوتی، تو اس نے کہا نہیں، لات و عزی کی قسم اگر تم اتنا سب کچھ دے دو تو میں یہ غلام تمہارے حوالہ کردوں گا، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا ٹھیک ہے یہ سب لے جاؤ، تو اس نے بھی کہا یہ لے جاؤ، اس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بلالؓ کو حاصل کیا)

محمد بن سیرین کہتے ہیں:

"إن أبابكر مرّ ببلال و أصحابه قد ألقوه فی الرمضاء إما فی جلد ثور أو بقرة وهو يتقلب فی البطحاء وهم يقولون: آمن باللات والعزى، وهو يقول: أحد أحد"

(حضرت ابوبکر کا بلال کے پاس سے اس حال میں گزر ہوا کہ لوگوں نے ان کو بیل یا گائے کی کھال میں لپیٹ کر ریت میں ڈال دیا تھا اور وہ ریگزار میں الٹ پلٹ رہے تھے، اور لوگ کہتے کہ لات وعزی پر ایمان لے آؤ، اور وہ احد احد کہتے)

اور جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو اس حال میں دیکھ کر خریدا اور پھر آزاد بھی کردیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الشركة يا أبابكر" تو حضرت ابوبکر نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں تو ان کو آزاد کرچکا ہوں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی اور کہا: "بارك الله لك و آجرك الله عزوجل"(۱)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ احسان صرف حضرت بلالؓ ہی پر نہیں تھا، بلکہ پوری امت پر احسان ہے، چاہے کوئی سمجھے یا نہ سمجھے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ

(۱) ابن عساکر تاریخ دمشق الکبیر: ۱۰/۳۴۲

عنہ آیت کریمہ: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ﴾ (۱) کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ نازل ہوئی ہے، صہیب بن سنان اور کچھ صحابہ کے بارے میں جن میں عمار بن یاسر، ابوعمار اور بلال مولی ابی بکر اور سمیہ ام عمار اور خباب بن الارت اور عابس مولی حویطب رضی اللہ عنہم ہیں جنہیں مشرکین نے گرفتار کر رکھا تھا اور تعذیب دیتے تھے۔(۲)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جو اولیت کا شرف حاصل ہوا، کم از کم ان کی قوم میں ان کا کوئی سہیم وشریک نہیں، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ:

"السباق أربعة: أنا سابق العرب، وصهيب سابق الروم، وسلمان سابق الفرس، وبلال سابق الحبش"(۳)

(سبقت لے جانے والے چار ہیں: میں ہوں عربوں میں، اور صہیب ہیں رومیوں میں، اور سلمان ہیں فارس میں، اور بلال حبشیوں میں سبقت لے گئے)

آخرت میں انعامات کی بشارت

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جو سبقت حصول رضاء الٰہی میں دنیا میں ظاہر ہوئی آخرت میں بھی اس کا اثر ظاہر ہوگا، اور اس کا بڑا سبب ان کی اذان ہے، اور یہ شرف ان کو اللہ نے دنیا میں عطا کیا اور آخرت میں اس کا انعام الگ ملے گا، عبداللہ بن بریدہ اپنے والد حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"يبعث الله ناقة صالح فشرب من لبنها هو ومن آمن به من قومه ولي حوض كما بين عدن إلى عمان أكوابه عدد نجوم

---

(۱) البقرة: ۲۰۷ (۲) ابن عساکر تاریخ دمشق الکبیر: ۱۰/ ۳۴۵ (۳) ایضا

السماء، فيستسقى الأنبياء، ويبعث الله صالحا على ناقته، قال معاذ بن جبل: يا رسول الله وأنت على العضباء؟ قال أنا على البراق، يخصّني الله به من بين الأنبياء، وفاطمة ابنتي على العضباء ويؤتى بلال على ناقة من نوق الجنة، فيركبها وينادي بالأذان فيصدقه من سمعه من المؤمنين حتى يوافي المحشر، ويوفى بلال بحلتين من حلل الجنة، فيكساهما، فأول من يكسى من المسلمين بلال، وصالح المؤمنين بعد"(۱)

(حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو اللہ اٹھائے گا اور حضرت صالح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والی قوم اس کا دودھ پئے گی، اور میرا حوض ہوگا، عدن و عمان کی جو مسافت ہے اتنا چوڑا، آسمان کے ستاروں کی مقدار اس کے اکواب ہوں گے، اس حوض سے انبیاء سیراب ہوں گے اور اللہ یہاں حضرت صالح علیہ السلام کو ان کی اونٹنی پر اٹھائے گا، معاذ بن جبل نے عرض کیا: آپ عضباء پر سوار ہوں گے اے اللہ کے رسول؟ فرمایا: میں براق پر ہوں گا، اللہ اس کے ذریعہ انبیاء میں مجھے ممتاز کرے گا، اور فاطمہ میری بیٹی عضباء پر ہوگی، بلال جنت کی اونٹنی پر ہوں گے، اور اذان دے رہے ہوں گے، جس کی تصدیق اہل ایمان سابقین کر رہے ہوں گے، حتی کہ میدان حشر برپا ہوگا، اور بلال کو جنت کا لباس پہنایا جائے گا، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو سب سے پہلے یہ شرف حاصل ہوگا اور پھر دوسرے صلحاء کو)

اور حضرت نافع حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہا:

---

(۱) ابن عساکر تاریخ دمشق الکبیر: ۱۰/۳۵۲

"أبشر يا بلال، فقال: بم تبشرني يا عبد الله؟ فقال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: يجيئ بلال على راحلة من رحلها من ذهب وياقوت، معه لواء يتبعه المؤذنون حتى يدخلهم الجنة حتى إنه ليدخل من أذن أربعين يوما يطلب بذلك وجه الله تعالىٰ"(۱)

(اے بلال خوش خبری ہو، تو انھوں نے کہا کہ اے عبداللہ کس بات کی خوش خبری دیتے ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا کہ بلال سونے اور یاقوت کی سواری پر ہوں گے، اور ان کے ساتھ لواء ہوگا، سارے مؤذن ان کے پیچھے ہوں گے، تا آں کہ وہ ان کو جنت میں داخل کرادیں گے، یہاں تک کہ وہ شخص بھی داخل ہوجائے گا جس نے صرف اللہ کی رضا کے لیے چالیس دن بھی اذان دی ہوگی)

قدر ومنزلت اور انکار ذات

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کا بڑا احترام فرماتے تھے، کہتے تھے: "أبو بكر سيدنا وأعتق سيدنا بلالا" کہ سیدنا ابوبکر نے سیدنا بلال کو آزاد کرایا تھا، اور ایک بار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا ذکر ان کے نامہ اعمال میں کیا اور کہا: "وهذا سيدنا بلال حسنة من حسنات أبي بكر" کہ یہ سیدنا بلالؓ حضرت ابوبکرؓ کی نیکیوں میں سے ایک نیکی ہیں، اور اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے بلال کی تعریف شاعر نے ایک شعر میں اس طرح کی کہ "بلال بن عبد الله خير بلال" حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ تم نے صحیح نہیں کہا: "بلال رسول

(۱) ابن عساکر تاریخ دمشق الکبیر: ۱۰/۳۵۴

اللّٰہ خیر بلال"(۱)

لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اندر تواضع اور انکار ذات کا جو وصف تھا اس سے ان پر تعریفوں کا اثر نہیں پڑتا تھا، ابن مراہن کہتے ہیں لوگ حضرت بلال کے پاس آتے، ان کے فضل وشرف کو بیان کرتے، اور جو اللہ نے انھیں خیر عطا فرمایا تھا اس کا تذکرہ کرتے تو حضرت بلال فرماتے: "إنما أنا حبشي كنت بالأمس عبدا" کہ میں تو ایک حبشی ہوں اور کل تک غلام تھا۔(۲)

اسی طرح انھیں یہ خبر پہنچی کہ بعض لوگ ان کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی بڑھ کر بتاتے ہیں، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے استعجاب سے فرمایا: "كيف تفضلوني عليه، وإنما أنا حسنة من حسناته" کہ لوگ کیسے مجھ کو ان پر فوقیت دے رہے ہیں، جبکہ میں تو ان کی ہی نیکیوں میں سے ایک نیکی ہوں۔(۳)

قریش کا تحقیر آمیز سلوک اور اللہ کی طرف سے اعزاز وتکریم

قریش حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بڑی حقارت سے دیکھتے تھے، اور جب وہ غلام تھے ان سے سخت خدمت لیتے، جب اسلام لائے تو ان کو ایسی سخت اذیت دی کہ سخت دل انسان بھی اس کو دیکھنے اور سننے کی طاقت نہیں رکھتا تھا، اور جب وہ خرید کر آزاد کر دیئے گئے تب بھی قریش یہ پسند نہ کرتے کہ وہ ان کے برابر بیٹھیں یا ان کے ہم مجلس ہوں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض سرداران قریش کی تالیف قلب کی کہ وہ اسلام سے قریب ہو جائیں، اور دعوت حق قبول کرلیں، تو انھوں نے آنحضور کی مجلس سے حضرت بلال اور ان کے ساتھ کچھ دیگر ضعفاء صحابہ کو ہٹانے کا مطالبہ کیا، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا کرنے سے منع فرمادیا:

"قال: كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ستة نفر فقال

---

(۱) ابن عساکر تاریخ دمشق الکبیر: ۱۰/۳۶۳ (۲) ایضا: ۱۰/۳۶۴ (۳) ایضا: ۱۰/۳۶۵

المشركون: اطرد هؤلاء عنك، فأنزل الله تعالىٰ: ﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ، الخ﴾(۱)

(ہم چھ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو مشرکین نے کہا: ان کو ہٹا دیجئے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، ایسوں کو نہ ہٹایئے جو اپنے رب کو پکارتے ہیں)

انسانوں نے رنگ ونسل کی بنیاد پر تفریق کی اور جاہ ومال کی بنا پر تکریم واعزاز کیا، لیکن اللہ رب العزت نے دل کی پاکیزگی اور سچائی پر انسان کو بلند کیا، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو وہ اعزاز عطا کیا کہ ان کے سلسلہ میں آیت نازل فرمائی جس میں ان لوگوں کی تعریف ہے۔

اور جب مدینہ منورہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہجرت فرمائی تو پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کہاں رہنے والے تھے، وہ بھی مدینہ ہجرت کر گئے، اس کے بعد مدینہ میں بخار کی وبا پھیلی، حضرت ابوبکر اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما پر بھی اس وبا کا اثر پڑا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ شعر پڑھا:

كل امرئ مصبح في أهله
والموت أدنىٰ من شراك نعله

(ہر شخص جیسا اپنے اہل خانہ کے ساتھ صبح کرتا ہے تو موت اس کے جوتے کے تسمے سے زیادہ قریب ہوتی ہے)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عتبہ، شیبہ اور امیہ بن خلف کو بددعا دی اور کہا:

"اللهم العن عتبة وشيبة وأمية بن خلف كما أخرجونا من أرضنا إلى أرض العرباء"(۲)

(بار الہا! عتبہ، شیبہ اور امیہ بن خلف پر لعنت فرما جیسا انہوں نے ہم لوگوں کو ہماری جگہ سے دور کیا)

---

(۱) مسلم فضائل الصحابة باب فضائل سعد بن ابی وقاصؓ (۲) سیر النبلاء: ۱/۳۵۴

بالآخر جلد یہ دعا پوری ہوئی اور معرکہ بدر برپا ہوا، اور امیہ بن خلف کا خاتمہ خود سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے ہی کیا۔

جہاں تک وبا کا تعلق ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے یہ دور ہوگئی، اور مدینہ کی آب وہوا اہل مدینہ کے لیے شفا بن گئی۔

پھر جب اللہ نے مکہ کو فتح فرمایا اور بعض وہ لوگ بھی سرداران قریش میں موجود تھے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک موقع پر بات کرنے کو اسی صورت میں منظور کیا تھا کہ بلال اور ان جیسے لوگ جو ان کے ہمسر نہیں مجلس میں نہ ہوں، انھوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا وہ جلوہ دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سارے لوگوں کی موجودگی میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کے لیے فرمارہے ہیں، چنانچہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پاکر بیت اللہ کی چھت پر جاکر اذان دی، اور دنیا نے دیکھ لیا کہ اسلام نے رنگ ونسل اور زبان وعلاقہ کی تمام تر تعریفیں اس طرح جڑ سے ختم کردیں کہ کالی نسل کے غلام اور غلام زادے کو آقا بنادیا، اسی لیے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ان کی رہائی کا تذکرہ فرماتے تو کہتے "أبو بكر سيدنا وأعتق سيدنا" کہ ابوبکر ہمارے بڑے ہیں اور انھوں نے آزاد بھی ہمارے بڑے کو کیا۔

اور جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے امیہ بن خلف کو ہلاک کردیا جو ان کے لیے سب سے بڑا ظالم ثابت ہوا تھا، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو اس سے ان کو آزاد کرانے والے تھے شعر میں مبارک باد پیش کی (۱) اور کہا:

هنيئا زادك الرحمن خيرا

فقد أدركت ثأرك يا بلال

(مبارک ہو اللہ رحمان ورحیم تمہارے خیر میں اضافہ کرے، بلال کا بدلہ آخر لے ہی لیا)

---

(۱) الاستیعاب: ۲/۲۶۱ لابن عبدالبر الاندلسی

حضرت بلال بن رباح کی کنیت ابوعبداللہ، ابوعبدالرحمٰن، ابوعبدالکریم اور ابوعمرو کہی گئی ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی تکلیف اور راہ حق میں سخت ترین اذیتیں ہوتے دیکھ کر ان کے مالک سے خرید لیا، اور پھر آزاد کر دیا، حضرت ابوبکر الصدیق نے انہیں امین و خازن کے طور پر رکھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن ہونے کا شرف عطا کیا، بدر، اُحد اور سبھی غزوات اور ملی و دینی مہمات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت فرمائی۔

مؤاخات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی مواخات اپنے قریبی عزیز و بھائی حضرت عبیدہؓ بن الحارث بن المطلب سے کرائی تھی، حضرت عبیدہؓ بن الحارث نے بدر میں شہادت پائی اس لئے اس کا امکان ہے کہ بعد میں حضرت ابو رویحہ الخثعمی سے بھی مواخات کرائی ہے، کہ بعض لوگوں نے ان سے بھی مواخات کا ذکر کیا ہے۔

شرف وسعادت

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ ان سے کبار صحابہ نے روایت کیا ہے جیسے حضرت ابوبکر الصدیق اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما۔

اور یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"یا بلال! بم سبقتنی إلی الجنة، ما دخلت الجنة قط إلا سمعت خشخشتك أمامی، دخلت البارحة الجنة فسمعت خشخشتك أمامی"(۱)

(اے بلال! کونسا عمل ہے جس کی بدولت جنت میں تم مجھ سے پہلے پہنچ گئے، جب بھی میں جنت میں داخل ہوا، اپنے آگے تمہارے

---

(۱) جامع ترمذی

ٹاپ کی آواز سنی، گزشتہ شب بھی میں جنت میں داخل ہوا تو تمہاری ٹاپ کی آواز سنائی دی)

لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا حال یہ تھا کہ جب اس بات کا ذکر آتا تو وہ رو پڑتے۔(۱)

اور آپ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مؤذن ہونا انتہائی شرف وسعادت کی بات ہے۔

ذات نبوی سے تعلق وفدائیت

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق وفدائیت کا اندازہ قارئین اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے سانحہ عظیم کے بعد ان کے لئے اذان دینا اس لئے بڑا دشوار ہو گیا تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد آجاتی، پھر برداشت کرنا مشکل ہو جاتا، کسی طرح انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک نباہا، کہ ان کے آپ پر بڑے احسانات تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے پر ان کے سفر شام میں اذان دی اور اور مدینہ منورہ آنے کے موقع پر حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی درخواست قبول کی، لیکن سارے ہی صحابہ و تابعین بیتاب ہو کر آنسو روک نہ سکے۔

حضرت بلال بن رباح حبشی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت و صحبت میں رہے، لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے سانحہ عظیم کے بعد ان کے لئے تھوڑا ابھی رکنا اور ایک ہی جگہ رہنا دشوار تر مسئلہ تھا، وہ مشن میں لگنا اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کو آگے بڑھانے کا جذبہ وحوصلہ رکھتے تھے، اور یہ چیز ایسی تھی کہ جس کے لیے جان ومال کی قربانی، غزوہ میں شرکت اور جہاد کے عمل کا تقاضا تھا، چناچہ وہ اسی خاطر مدینہ منورہ سے نکلنا چاہتے تھے، جو چیز ان کے لئے اس میں

(۱) الاستیعاب: ۱/۲۵۹-۲۶۰

سب زیادہ حائل تھی وہ ان کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بڑے محسن اور خلیفہ رسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خود خواہش تھی کہ وہ مدینہ میں قیام کریں، آخر ایک دن نہایت ادب واحترام کے ساتھ عرض کر بیٹھے، کہ آپ نے ہمیں اللہ کے لئے آزاد کیا تھا کہ اپنے لئے؟ واقعہ کی صحیح نوعیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے جیسا کہ معارف الحدیث میں مذکور ہے کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں وہ مسلسل اذان دیتے رہے، لیکن آپ کی وفات کے بعد وہ مدینہ طیبہ میں نہ رہ سکے، خلیفہ رسول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے غزوات میں شرکت کے لئے جانے کی اجازت چاہی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے باصرار اپنے پاس مدینہ میں روکنا چاہا، تو انہوں نے کہا: "اعتقتنی للہ أو لنفسك" آپ نے مجھے اللہ کی خاطر آزاد کیا تھا یا اپنے لئے؟ حضرت ابوبکر نے فرمایا اللہ کے لئے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا تو پھر مجھے غزوہ میں جانے دیجئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اجازت دیدی، اور وہ غزوات میں شرکت کے لئے ملک شام چلے گئے، پھر مدینہ واپس نہ آسکے ملک شام میں ہی وفات پائی، بعض روایات میں یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے روکنے پر تو رک گئے تھے، لیکن ان کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اصرار کے باوجود نہ رکے اور غزوات میں شرکت کے لئے مدین نکل گئے، حضرت عمرؓ جب ملک شام گئے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی، اور اذان دینے کی فرمائش کی اور انہوں نے اذان دی، تو کہرام مچ گیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ یاد آگیا" (۱)

---

(۱) معارف الحدیث: ۶/ ۶۰۷، بحوالہ صحیح بخاری باب مناقب بلال وفتح الباری شرح صحیح البخاری

جنت کی بشارت

حضرت بلال رضی اللہ عنہ ان خوش نصیب صحابہ میں ہیں جنہیں دنیا میں رہتے ہوئے جنت کی بشارت مل گئی تھی، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے فرمایا: بلال! بتاؤ تمہارا کون سا عمل ہے جو تمہارے نزدیک سب سے زیادہ قابل بھروسہ اور لائق اعتماد ہے، اس لئے کہ میں نے جنت میں تمہارے جوتوں کی آواز اپنے آگے سنی ہے، حضرت بلال نے عرض کیا میں دن رات میں جب بھی وضو کرتا ہوں تو حسب توفیق نماز ضرور پڑھ لیا کرتا ہوں (۱) ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بلال! تم کس عمل کی وجہ سے جنت میں مجھ سے آگے تھے، پھر فرمایا:

"ما دخلت الجنه قط إلا سمعت خشخشتك أمامي،
دخلت البارحة في الجنة فسمعت خشخشتك أمامي"(۲)
(میں جب جنت میں گیا تو اپنے آگے تمہارے چلنے کی آواز سنی،
گذشتہ رات جنت میں بھی اپنے آگے تمہارے چلنے کی آواز سنی)

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک محل کا ذکر فرمایا اور یہ بھی خبر دی کہ یہ عمر بن الخطاب کا ہے، حضرت بلال نے سب سننے کے بعد عرض کیا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نے جب بھی اذان دی دو رکعت نماز (بظاہر تحیۃ المسجد) ضرور پڑھی اور جب بھی وضو ٹوٹا فوراً وضو کرتا، اور اللہ کے لئے دو رکعت نماز اپنے اوپر حق سمجھتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب سن کر فرمایا: "بهما" کہ ان دونوں عمل کی وجہ سے تم کو یہ مقام ملا، یہ تھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی دل آویز شخصیت اور ان کا رتبہ عالی، رضي الله عنه وأرضاه.

---

(۱) بحوالہ صحیح البخاری: ۱۰۹۸

(۲) جامع ترمذی کتاب المناقب باب مناقب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ: ۳۶۸۹

جہاد کا شوق اور شام کا قیام

بخاری کی روایت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے "أبو بكر سيدنا اعتق سيدنا يعني بلال رضي الله عنه" آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر غزوہ و جہاد کی نیت سے شام کی طرف نکل گئے تھے، شارح مشکوۃ علامہ علی ابن سلطان المعروف بملا قاری ۱۰۱۴ھ نے شام کو ان کے مستقر ہونے کی بڑی وجہ یہ تحریر کی ہے کہ: انہیں سید الابدال ہونا تھا، اور اس رتبہ کے آدمی کا قیام شام میں ہی رہتا ہے، حضرت ملا علی قاری نے مدینہ میں نہ رک سکنے کا ایک بڑا سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر قیام اور آپؐ کے بغیر مسجد نبوی کو دیکھنا اور آپ کے بغیر اذان کہنا بتایا ہے، یہ ان کے برداشت سے باہر بات تھی، ملا علی قاری کی بات اور دوسروں کی بات میں کوئی تضاد نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کو عام کرنے کا جذبہ رکھتے تھے اور اس کے لئے غزوہ میں شرکت اور جہاد کو ضروری سمجھتے تھے، اس لئے انہوں نے حضرت ابوبکر کے سامنے غزوہ میں شرکت کی بات رکھی تھی، جس کے متعلق تفصیلات گزر چکی ہیں۔

ابدال امت

جہاں تک ابدال امت کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں صاحب مشکوۃ نے مسند احمد سے ایک روایت نقل کی ہے حضرت شریح بن عبید کہتے ہیں کہ اہل شام کا تذکرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے آیا، اور عرض کیا گیا اے امیر المومنین! ان پر لعنت بھیجئے، فرمایا نہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

"الأبدال يكونون بالشام، وهم أربعون رجلاً، كلما مات رجل، أبدل الله مكانه رجلاً، يسقى بهم الغيث وينتصر بهم على الأعداء ويصرف عن أهل الشام بهم العذاب"(۱)

---

(۱) باب المناقب باب ذكر اليمن و الشام، مشكوة، برقم: ۸۹۶، مسند أحمد: ۲/۲۳۱

(ابدال شام میں ہوں گے اور ان کی تعداد چالیس ہوگی، کوئی ان میں وفات پائے گا تو اللہ اس کی جگہ دوسرے کو متعین کردے گا، یہ وہ بزرگ ہیں جن کے طفیل بارش ہوگی اور دشمنوں پر مدد حاصل ہوگی اور ان کے طفیل اہل شام سے عذاب دور رہے گا)

شارح مشکوۃ حضرت ملا علی قاری نے اس حدیث کی تشریح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے کی ہے کہ:

"إن الله تعالى خلق ثلاث مأة نفس، قلوبهم على قلب آدم، وله أربعون قلوبهم على قلب موسى، وله سبعة قلوبهم على قلب إبراهيم، وله خمسة قلوبهم على قلب جبرئيل، وله ثلاثة قلوبهم على قلب ميكائيل، وله واحد قلبه على قلب إسرافيل، كلما مات أحد أبدل الله مقامه، من الثلاثة، وكلما مات واحد من الثلاثة أبدل الله مكانه من الخمسة، وكلما مات واحد من الخمسة أبدل الله مكانه من السبعة، وكلما مات واحد من السبعة، أبدل الله مكانه من الأربعين، وكلما مات واحد من الأربعين أبدل الله مكانه من الثلاث مأة، وكلما مات واحد من الثلاث مأة أبدل الله مكانه من العامة، بهم يدفع البلاء عن هذه الأمة"(۱)

(اللہ تعالیٰ نے تین سو جانیں ایسی پیدا کیں جن کے دل حضرت آدم علیہ السلام کے دل کے مثل ہیں، چالیس ایسے ہیں جن کے دل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل کے مثل ہیں، سات ایسے ہیں جن کے دل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کے مثل ہیں، پانچ ایسے ہیں جن

---

(۱) أخرج ابن عساكر عبد الله بن مسعود مرفوعاً: ۱/۳۰۳، وأبو نعيم في حلية الأولياء: ۱/۸، والسيوطي في جمع الجوامع برقم: ۱۶۳۸

کے دل حضرت جبرئیل علیہ السلام کے دل کے مثل ہیں، اور تین ایسے ہیں جن کے دل حضرت میکائیل علیہ السلام کے دل کے مثل ہیں، اور ایک کا دل حضرت اسرافیل علیہ السلام کے دل کے مثل ہے، ان میں سے جو فوت ہو جاتا ہے، اس کی جگہ تین میں سے ایک بیٹھا دیا جاتا ہے، ان تین میں سے جو جاتا ہے اس کی جگہ اللہ تعالیٰ پانچ میں سے کسی کو دے دیتا ہے، ان پانچ میں سے کوئی گزرتا ہے اس کی جگہ سات میں سے کسی کو اللہ دے دیتا ہے، سات میں سے کسی کا وقت آجاتا ہے اس کی جگہ اللہ تعالیٰ چالیس افراد میں سے کسی کو دے دیتا ہے، چالیس میں سے کوئی جاتا ہے تو اس کی جگہ تین سو میں سے کسی کو دے دی جاتی ہے اور جب ان تین سو کے گروہ میں سے کسی کا وقت آجاتا ہے تو اس کی جگہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص سے پر فرماتا ہے جو عام نیک دل لوگ ہوتے ہیں، ان بزرگوں کے طفیل امت کی بلائیں رفع ہو جاتی ہیں)

اور ملا علی قاری آگے کہتے ہیں:

وقال بعض من العارفين لم يذكر رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أحداً على قلبه إذ لم يخلق الله فى عالمى الخلق والأمر أعزّ وأشرف وألطف من قلبه صلى الله عليه وسلم فلا يساويه ولا يحاذيه قلب أحد من الأولياء سواء كان أبدالاً أو أقطاباً"

(بعض عارفین نے کہا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اس لیے نہیں کیا گیا کہ عالم خلق و امر میں کسی کا دل آپ کے دل کے مساوی نہیں ہے، نہ ہی کسی قطب کا نہ ابدال کا اور نہ کسی اور شخص کا)

ابدال کے اس نظام پر غور کیا جائے تو پھر حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ اس امت کے ابدالوں کے سردار قرار پائیں گے جیسا کہ شارح مشکوۃ نے اشارہ کیا ہے، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

"وسیجیئ أنه صار سید الأبدال ومحلهم غالبا هو الشام"(۱)

(یہ بات آگے آئے گی کہ وہ ابدال کے سردار ہو گئے تھے، اور اغلب یہ ہے کہ ابدال کا مقام شام ہوا کرتا ہے)

وفات

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہم سن تھے، اس اعتبار سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی ولادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ کے دو یا تین سال بعد ہوئی، اور انتقال ۲۰ھ میں دمشق شام میں فرمایا، انتقال کا وقت قریب آیا، اہلیہ اظہار رنج وغم کرنے لگیں، کہہ رہی تھیں: "واویلاہ!" حضرت بلال رضی اللہ عنہ کہہ رہے تھے: "وافرحاہ!" اور شعر زبان پر تھا:

غداً نلقی الأحبة

محمداً وصحبه

گویا ستر سال عمر پائی، والد کا نام رباح اور والدہ کا نام حمامہ تھا، ایک بھائی خالد اور ایک بہن غفرہ تھیں۔(۲)

امتیازی اوصاف وخصوصیات

صبر وعزیمت کے بعد ان کی زندگی میں یہ چار عمل خصوصیت سے ظاہر ہوئے:

۱- نماز کا اہتمام (جو سبھی صحابہ کی خصوصیت ہے)

۲- اذان (اس میں ان کو انفرادیت حاصل ہے)

۳- دائم الوضوء رہنا، اور تحیۃ الوضوء کا اہتمام۔

۴- جذبہ جہاد واعلاء کلمۃ اللہ اور اس کے لیے دیار حبیب سے بھی ہجرت کر جانا۔

---

(۱) مرقاۃ شرح مشکاۃ، کتاب المناقب باب جامع المناقب، الفصل الثالث: ۶۲۵۵

(۲) ابن عساکر: ۱۰/۳۶۵

قائد جیش ختم نبوت

حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ

(وفات ۲۱ھ)

مختصر حالات(۱)

امام المجاہدین، سپہ سالار اسلام، فاتح شام، قائد جیش ختم نبوت، سیف اللہ حضرت خالد بن الولید ابن المغیرۃ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم بن یقظہ بن کعب قرشی رضی اللہ عنہ ام المؤنین حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا کے بھانجہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے خالہ زاد بھائی تھے۔

صفر ۸ھ میں مدینہ منورہ بارگاہ رسالت میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت اسلام کی، آپ کے دست مبارک پر بیعت کی تاثیر یہ تھی کہ وہ بیعت توبہ واسلام بیعت تزکیہ واحسان ہو جاتی تھی، اسلام لانے سے پہلے وہ اسلام اور مسلمانوں کے مدمقابل رہے، صلح حدیبیہ کا زمانہ جو اسلام کے لیے عظیم باطنی فتح کا زمانہ ہے اور اس عظیم ظاہری فتح کا پیش خیمہ تھا جو فتح مکہ کی صورت میں ظاہر ہوئی،

---

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: طبقات ابن سعد: ٤/١-٢، أسد الغابة: ٢/١٠٩، الاصابة: ٣/٧٠، سير أعلام النبلاء: ١/٣٦٦

اور صنادید قریش ایک ایک کر کے دستر خوان اسلام کی نعمتیں چننے لگے۔

حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ بھی اسی زمانہ میں مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ اسلام کی نیت سے حاضر ہوئے اور مہاجر صحابہ میں کہلائے، اگرچہ وہ متاخر مہاجر صحابہ میں کہلائیں گے پھر اسلام اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے انہوں نے جو جوہر دکھلائے، اس سے اسلامی غزوات اور معرکوں کی تاریخ قبل از وفات نبوی و بعد وصال نبوی بھری پڑی ہے۔

غزوۂ موتہ میں یکے بعد دیگرے اعیان صحابہ کی شہادت نے جب صحابہ کی صفوں میں بے چینی پیدا کر دی تھی تین کے بعد چوتھے قائد و امیر لشکر آپ قرار پائے، حضرت زید بن حارثہ پھر حضرت جعفر بن ابی طالب پھر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم یکے بعد دیگرے شہید ہوئے پھر آپ نے مخالف فوج کے ہوش اڑا دیئے اور اسلام اور مسلمانون کو غلبہ حاصل ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر خوشی ہوئی آپ کو سیف اللہ کا خطاب دیا اور فرمایا:

"اِنَّ خَالِداً سَیْفٌ سَلَّهُ اللّٰهُ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ"(۱)

(خالد مشرکین کے خلاف اللہ کی سونتی ہوئی تلوار ہیں)

فتح مکہ اور پھر غزوۂ حنین میں آپ نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے، جس نے آپ کو جنگی تاریخ کا ہیرو بنایا، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قبائل عرب میں ارتداد پھیلا اور مانعین زکوٰۃ نے سر اٹھایا تو ان کی سرکوبی بھی حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں کی گئیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کی ویسی قدر کی جو قدر ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی، چنانچہ وہ جدھر رخ کرتے غلبہ پاتے، ان کا ایسا رعب قائم ہو چکا تھا کہ جہاں ایک طرف دشمن ان کے نام سے تھراتے تھے، وہیں یہ یقین رکھنے لگے تھے کہ فتح تو ان سے جڑی ہوئی ہے، عراق کا رخ کیا تو سب کو پچھاڑا اور عراق کے حدود سے شام کی طرف پانچ راتوں میں اپنے لشکر کے ساتھ داخل ہوئے، اور سخت معرکے سر کیے، بڑے زخم کھائے حتیٰ کہ پورا جسم چھلنی تھا اور شہادت کی مہر سے

---

(۱) مسند احمد: ۱/۸، مستدرک حاکم: ۳/۲۹۸

بھرا ہوا تھا، لیکن وہ جذبہ اعلاء کلمۃ اللہ سے ایسے سرشار تھے کہ انہیں کسی زخم کی ذرا پرواہ نہ تھی، بس پرواہ اور فکر اس بات کی تھی کہ جان بستر پر نہ جائے، میدان کارزار میں وہ موت کا استقبال کریں، لیکن اللہ تعالیٰ کو وہ اعزاز انہیں میدان کے بجائے بستر پر دینا تھا، چنانچہ وہ عہد فاروقی میں ملک شام کے علاقہ حمص میں ۲۱ھ میں اپنے بستر پر ہی واصل بحق ہوئے، جبکہ کیسے کیسے سورماؤں کو انہوں نے ٹھکانہ لگایا تھا۔

ان کے کارناموں میں بڑا کارنامہ دمشق کا محاصرہ پھر اس کی فتح ہے جس میں ان کے شانہ بشانہ امین الامۃ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ تھے۔

مرتدین کی سرکوبی اور مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کے خلاف لشکر کی قیادت اور فتح

عہد نبوت میں یہ سخت آزمائش نہیں آئی تھی کہ اسلام کے باغیوں کے خلاف کس طرح مقابلہ کیا جائے اور ان کی جڑیں اکھاڑ پھینکی جائیں، شریعت نے مرتد کی سزا قتل، اور قاتل کی سزا قتل اور زانی کی سزا سنگسار کئے جانے کی حیثیت سے قتل ہی قرار دی تھی لیکن جب ایک بڑی جماعت ارتداد اختیار کر کے اسلام سے بغاوت کر چکی ہو، تو معاملہ قتل کا نہیں قتال کا رہ جاتا تھا، جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سینہ کو کھول دیا، اور صحابہ کے مشورہ کے بعد اس پر اقدام کرتے ہوئے لشکر تیار کیا، اور اس لشکر کے امیر حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کو بنایا، حالانکہ ان کے امیر بنائے جانے پر اتفاق رائے نہیں ہوا تھا، غالباً اس کی بڑی وجہ سابقین اسلام کی موجودگی، بدر کے شرکاء کی موجودگی رہی ہوگی لیکن حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ غزوہ موتہ اور پھر غزوہ مکہ معظمہ اور حنین میں دل جیت چکے تھے، نظر انتخاب خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ پڑ گئی، اس لئے کہ نہیں کہ وہ بڑے جیالے اور جنگی ماہر تھے بلکہ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے بارے میں پیش گوئی تھی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبوت کے

منشأ ومزاج کو جس طرح سمجھنے والے اور پھر اس کو ترجیح دینے والے تھے اس میں ان کا ہم پلہ کوئی نہیں تھا، مشوروں کے بعد مختلف رائے آنے پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہی کے حق میں فیصلہ دیا، حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

"ثم اختلف الناس فيمن يؤمر لقتال المرتدين، فروى الصديق حديثاً، سمعه عن النبى صلى الله عليه وسلم فى ذكر خالدبن الوليد رضى الله عنه فجعله أميرا لقتالهم وتم الفتح على يديه، عن وحشى بن حرب، ان أبابكر رضى الله عنه عقد لخالد بن الوليد على قتال أهل الردة وقال: انى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: نعم عبدالله وأخو العشيرة خالدبن الوليد، وسيف من سيوف الله سله الله عزوجل على الكفار والمنافقين"(۱)

(لوگوں میں اختلاف رائے ہوا کہ قتال مرتدین کس کی قیادت میں ہو، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت خالد بن الولیدؓ سے متعلق مرفوع حدیث سنائی، پھر انہی کو امیر بنایا اور انہی کے ذریعہ اس فتنہ کا خاتمہ ہوا، حضرت وحشی بن حربؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قتال مرتدین کے لیے زمام قیادت حضرت خالد کو دی، اور حدیث سنائی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ کے بندوں میں بہترین شخص اور قبیلہ کے بہترین فرد خالد بن الولید ہیں، اور وہ مشرکین ومنافقین کے خلاف اللہ کی سونتی ہوئی تلوار ہیں)

اہل ارتداد میں سب سے بڑا فتنہ مسیلمہ کذاب کا تھا جس نے دعوی نبوت کیا تھا اور اس کا فتنہ زمانہ نبوت میں سامنے آچکا تھا، لیکن اس کی وہ اہمیت نہیں تھی جو وفات نبوی کے بعد بن کر سامنے آئی، لیکن حضرت خالد بن الولید کے لشکر نے اس کی جمعیت

(۱) أخرجه احمد، مسند رقم ۲۴؛ ازالة الخفاء ۳/۹۱، تحقيق الدكتور العلامة تقى الدين الندوي، دار القلم دمشق

کے پرخچے اڑادیئے، معرکہ بہت سخت ہوا اور متعدد صحابہ نے جام شہادت نوش کیا، حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ کو کسی ایسے عمل کا انتظار شوق تھا جو غزوۂ احد کے واقعہ کی تلافی کرائے ان کی تلوار کے حصہ میں مسیلمہ کذاب کی گردن آئی، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیشن گوئی پوری ہوئی جو حضرت خالد کے تعلق سے کہی تھی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد کو غالباً اسی لیے سب پر امیر بنایا تھا حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کہتے ہیں:

"ونجمت فتنة الردة فی آخر أیام النبی صلی الله علیه وسلم وبلغت أوجها بعد وفاته صلی الله علیه وسلم، وظهرت حوادث عظیمة۔

منها: أن مسلیمة کذاب قدادعی النبوة، وحشد لنفسه فوجاً عظیماً من أهل الیمامة ونجد، فدعا أبو بکر رضی الله عنه المسلمین لقتاله وأمّر علیهم خالد بن الولید فلما اجتمع الفریقان، انهزم المسلمون فی اوّ ل أمرهم ولکنهم غلبوا علیهم، وهزموهم أخیراً بجهود جماعة من الصحابة من أمثال ثابت بن قیس، وزیدبن الخطاب أخی عمرالفاروق، والبراء بن مالك، وقد استشهدوا فی هذه المعرکة، وقتل مسیلمة الکذاب وتفرقت جماعته، وکان ذلك فتحاً عظیماً للاسلام، فکان ذلك کان تمهیداً وتوطئة لقول رسول الله صلی الله علیه وسلم فی خالد بن الولید "انه سیف من سیوف الله "(۱)

(ترجمہ: ارتداد کا فتنہ حضور نبی کریم ﷺ کے ایام حیات میں ہی ابھر آیا تھا، اور وفات نبوی کے بعد وہ طاقت کے ساتھ سامنے آیا،

(۱) ازالۃ الخفاء ۳/۱۱۹/۱۲۰

اور بڑے فتنے ظاہر ہوئے، انہی فتنوں میں مسیلمہ کذاب کا فتنہ ہے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اپنی تائید میں بڑی فوج تیار کی، جس کے افراد یمامہ اور نجد کے تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسلمانوں کو اس سے قتل وجہاد کے لیے جمع کیا، اور حضرت خالد بن الولید کو قیادت سونپی، جب دونوں گروہ (گروہ حق اور گروہ باطل) ایک میدان میں جمع ہوئے، اولہ وہلہ میں مسلمان مغلوب ہوئے مگر پھر ایسا مقابلہ کیا کہ غالب آگئے، اور صحابہ کی قربانیوں سے اہل ارتداد شکست کھا گئے، خاص طور پر ثابت بن قیس زید بن خطاب (برادر فاروق اعظمؓ) براء بن مالک رضی اللہ عنہم وغیرہ یہ لوگ اس فیصلہ کن جنگ میں شہید ہوئے اور مسیلمہ مارا گیا اور اس کی جماعت تتر بتر ہوگئی، یہ اسلام کی عظیم فتح تھی جو گویا کہ حضرت خالد کے لیے بشارت نبوی کا مقدمہ وتمہید تھی اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد کے لیے فرمایا تھا کہ وہ اللہ کی تلواروں میں ایک تلوار ہیں۔)

حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مرتدین کی سرکوبی اور مانعین زکوٰۃ کے مقابلہ کے لیے بھیجا اور نصیحت کی تھی۔

"ان يقاتل الناس على خمس، من ترك واحدةً منهن قاتله، كما يقاتل من ترك الخمس جميعا، على شهادة أن لا اله الا الله، وان محمدا عبده ورسوله، واقام الصلوٰة وايتاء الزكوٰة، وصوم رمضان، وحج البيت"(۱)

پھر حضرت خالدؓ اپنے لشکر کے ساتھ جن میں صحابہ کی بڑی جماعت ساتھ تھی جمادی الآخر ۱۱ھ میں روانہ ہوئے بنو اسد، بنو غطفان سے قتال وجہاد کیا، بہت سے مارے گئے بہت سے قیدی بنے اور جو بچے وہ اسلام کی طرف لوٹ گئے، صحابہ میں

(۱) تاریخ الخلفاء سیوطی، دور صدیقی، ص: ۷۰

حضرت عکاشہ بن محصن اور حضرت ثابت بن اقوم شہادت سے سرفراز ہوئے۔

پھر حضرت خالد اپنے لشکر کے ساتھ یمامہ اسی سال کے آخر میں مسیلمہ کذاب سے مقابلہ کے لیے روانہ ہوئے، حق و باطل کے دونوں لشکروں کا سخت آمنا سامنا ہوا اور کئی دن شدید محاصرہ رہا، پھر مسیلمہ کذاب ملعون مارا گیا، سیوطی کہتے ہیں:

"قتله وحشي قاتل حمزه"

(اسے وحشی نے ختم کیا جن کے ہاتھ سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تھا۔)

امتیازی وصف

حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کا بڑا امتیازی وصف ان کی شجاعت ہے جس سے ان کی بڑی پہچان ہوئی، صحابہ کے امتیازی وصف کو ایک جگہ حافظ ذہبی نے ذکر کیا ہے اس کو امام سیوطی نے تاریخ الخلفاء ص:۱۰۰ میں اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"رأيت بخط الحافظ الذهبي: من كان فرد زمانه في فنه، أبوبكر الصديق في النسب، عمربن الخطاب في القوة في أمرالله، عثمان بن عفان في الحياء، علي في القضاء، أبي بن كعب في القراء ة، زيد بن ثابت في الفرائض، أبوعبيده بن الجراح في الأمانة، ابن عباس في التفسير، أبوذرفي صدق اللهجة، خالدبن الوليد في الشجاعة"(۱)

اور جب اہل ارتداد کی مہم سے کامیابی حاصل کر لی گئی تو حضرت خالد بن الولید کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بصرہ کی فتح کے لیے بھیجا، پھر انہوں نے ابلہ کا رخ کیا، اور اس کو فتح کیا اور مدائن کسری جو عراق میں تھے صلحاً و حرباً فتح کئے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارتداد کی آگ بجھانے کے لیے الگ الگ صحابہ کو قائد و جرنیل بنا کر بھیجا تھا جیسے بحرین حضرت علاء بن الحضرمیؓ کو اور عمان

(۱) تاریخ الخلفاء، سیوطی دہلی ص:۷۱؛ مکتبہ اشاعت العلوم

حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل کو۔

سب سے عظیم اور لازوال کارنامہ عقیدۂ ختم نبوت کے لیے جنگ اور فتح

اللہ تعالیٰ کا معاملہ امت محمدی کے ساتھ عجب رہا ہے، جس کام کے لیے جیسی شخصیت کی ضرورت ہوئی وہ شخصیت ظہور میں لائی گئی، مختلف جنگوں میں اور غزوات میں فتح وغلبہ اور کامیابی حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کا مقدر تھی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے لیے جو پیشن گوئی تھی اور جس کا خیال کر کے ان کو سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے زمام قیادت سونپی وہ مرتدین ومانعین زکوٰۃ کی سرکوبی کے ساتھ جس میں الگ الگ مقامات پر دوسرے جرنیل صحابہ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے روانہ کیا تھا، سب سے اہم معرکہ معرکۂ حق وباطل جنگ یمامہ ہے جہاں حضرت خالد بن الولید نے وہ سخت جنگ لڑی ہے جس میں ایک طرف قیادت حضرت خالد بن الولید کر رہے تھے، دوسری طرف عقیدۂ ختم نبوت کا انکار کرنے والے اس کے داعی مسیلمہ کذاب کی قیادت میں برسرپیکار تھے، اور وہ لوگ بڑے جنگی ساز وسامان کے ساتھ اور بڑی جمعیت افراد کے ساتھ میدان کارزار میں سرگرم عمل تھے، اس جنگ کو اہل باطل نے جاہلی عصبیت کے ساتھ میدان کارزار بنادیا تھا، اور ان لوگوں نے جن کو اندر سے یہ یقین تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نبی برحق اور محبوب رب العالمین ہیں، ان کی زبان پر یہ الفاظ آگئے تھے کہ:

"لکاذب ربیعة أحب الینا من صادق مضر"

کہ ربیعہ قبیلہ کا جھوٹا ہمیں قبیلۂ مضر کے سچے سے زیادہ محبوب ہے۔(۱)

یہ وہ نفاق تھا جس نے جاہلی عصبیت کے عظیم گناہ سے کفر اور عقیدۂ ختم نبوت سے بغاوت کے اس گناہ تک پہونچادیا تھا، جس کا فیصلہ اب حق کی تلوار کو کرنا تھا، اور یہ ثابت کرنا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت آخری نبوت ہے نہ اس میں جزوی شرکت کی گنجائش ہے اور نہ کلی شرکت کی کسی قسم کی گنجائش باقی ہے۔

---

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو استاد محمد خضری بک کی کتاب تاریخ الامم الاسلامیہ

عہد خلافت نبوت میں عقیدۂ ختم نبوت کی حفاظت کا وہ لازوال کارنامہ انجام دیا گیا کہ جس سے تا قیام قیامت یہ بات واضح ہوگئی کہ جو اس سے ہٹ کر سوچے گا یا دعویٰ کرے گا یا دعویٰ کرنے والوں کی حامی بھرے گا وہ گردن زدنی ہوگا، قرآن مجید کا فیصلہ ہے۔

﴿ما كان محمد أبا أحدمن رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين﴾ (الأحزاب: ٤٠)

(کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم میں کسی مرد کے باپ نہیں ہیں البتہ وہ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں)

حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کے طرز عمل، کردار، اور فتح وغلبہ نے واضح کردیا کہ مدعیان نبوت اور ان کے حامی ومددگار اور قاتلین ومحبین وہ حقیقی منافقین ہیں جو ظاہر میں اپنے کو مسلمان کہہ کر اسلام کے باغی ہیں، اس لیے کہ اسلام عقیدۂ توحید، عقیدہ رسالت وختم نبوت اور عقیدۂ یوم آخرت تینوں پر ایمان ویقین اور عقیدہ توحید وعقیدۂ رسالت پر ایمان ویقین کے ساتھ کتاب وسنت (قرآن وحدیث) پر ایمان ویقین اور اس پر عمل میں بھی نجات کے دارومدار پر یقین کے ساتھ مربوط ہے چوں کہ حضرت خالد بن الولید کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعا اور بشارت دی تھی وہ جیسا کہ پچھلے صفحات میں گذر چکا ہے یہ تھی:

"سله الله عزوجل على الكفار والمنافقين"(۱)

مسلیمہ کذاب اور اس کا لشکر وجمعیت اسی جماعت منافقین میں آتا ہے کہ جس کا نفاق عالم آشکارا ہوا، جو بدترین کفر کی شکل اختیار کر گیا۔

حضرت خالد بن الولیدؓ کی معزولی اور ان کی بے نفسی

صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بڑا امتیازی وصف اخلاص وللّٰہیت تھا وہ کوئی کام اس

(۱) مسند احمد رقم: ۲۲

سے ہٹ کر نہیں کرتے، بھلے بعض اقدامات میں اجتہاد میں خطاء کا امکان تھا، لیکن ایسی صورت میں فوراً ان کو تنبہ ہوتا اور وہ استغفار کرتے، حضرت عمر بن الخطابؓ کی تعریف ایک جملہ میں کی جاتی ہے، اور وہ بڑی بلیغ تعریف ہے کہ "وہ اتالیق امت تھے" وہ بڑی باریک باتوں پر نظر رکھتے تھے، اور سخت امتحان سے گذار دیتے تھے لیکن صحابہ ہمیشہ اس امتحان میں کھرے اترتے، فاتح عراق حضرت سعد بن وقاصؓ فاتح شام حضرت خالد بن الولیدؓ کو معزول کیا، اور دونوں کے تعلق سے ان کے وقار و اعتبار کو امت میں باقی رکھنے کے لیے یہ واضح بھی کیا کہ کسی خیانت و کمزوری کی وجہ سے معزول نہیں کیا، حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) حضرت خالد بن الولیدؓ کی معزولی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ثم ان عمر كتب الى أمراء البلاد انه لم يعزل خالداً عن سخطة ولا خيانة، بل لأجل انه كان تحدث لنفسه ان هذه الفتوح العظيمة تتحقق بفضل شجاعته، والحق ان ذلك من الله وان الامر كله لله"(۱)

(ترجمہ: پھر یعنی حضرت خالد کو معزول کرنے کے بعد امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خلافت راشدہ کے تحت سبھی امراء کو (گورنروں) کو یہ مکتوب روانہ کیا کہ حضرت خالد کو کسی عتاب اور خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا ہے بلکہ اس لیے معزول کیا ہے کہ یہ خیال ہونے لگا تھا کہ ان فتوحات کا تعلق ان کی شجاعت سے ہے جبکہ ایسا نہیں ہے سب کچھ اللہ کے فضل سے ہے اور سب کچھ اسی کا ہے)

حضرت خالد بن الولید کی للّٰہیت و اخلاص اور بے نفسی کو حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"العجب ان خالد بن الوليد أتى بما أمر ولم يضجر، ولم يأب، رغم شجاعته النادرة وبطولته الفائقة"(۲)

---

(۱) ازالۃ الخفاء ۱۹۲/۳ (۲) ازالۃ الخفاء: ۱۹۲/۳

(حیران کن بات یہ ہے کہ خالد کو جو حکم ملا اس کو وہ بجالائے، اور واویلا نہیں کیا اور نہ انکار کیا، باوجود یہ کہ ان کی شجاعت نادر تھی، اور ان کی شخصیت فائق تھی)

امام ذہبی نے جو بات لکھی ہے وہ اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ان کی معزولی میں امت کے عقیدہ کی حفاظت اساس تھی، ابن عون کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت عمر امیر المؤمنین ہوئے تو فرمایا:

"لانزعنّ خالداً حتی یعلم ان اللہ ینصر دینہ یعنی بغیر خالد"(۱)

میں خالد کو ضرور بالضرور معزول کروں گا تا کہ جان لیا جائے کہ اللہ اپنے دین کی نصرت کرتا ہے یعنی خالد کے بغیر بھی کام چلتا ہے۔

حضرت خالدؓ کی استقامت اور اطاعت وانقیاد ایک تجزیاتی مطالعہ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضرت عمرؓ کا لوگوں کے دلوں میں احترام بھی تھا، اور رعب بھی ایسا رعب جو ایک آہنی عزم کے انسان ہی کا ہوسکتا ہے، اور اس کی روشن مثال یہ ہے کہ انھوں نے حضرت خالد بن ولید (جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "سیف اللہ" (خدا کی تلوار) کا لقب دیا تھا) کہ معزولی کا پروانہ اس وقت جاری کیا، جب ان کی شہرت بام عروج پر پہونچی ہوئی تھی، جنگ میں ان کی قیادت بلکہ محض موجودگی بھی کامیابی اور فتح مندی کی ضمانت سمجھی جاتی تھی، ہر طرف سے ان کو مدح وتحسین کا خراج پیش کیا جارہا تھا، اور ان کا قائدانہ وفاتحانہ اقبال اپنے آخری نقطہ پر تھا، ایسے عالم میں اور ایسے وقت میں جب کہ مسلمانوں

---

(۱) سیر النبلاء: ۱/۳۷۸

کو ان کی قیادت کی سخت ضرورت تھی، اور وہ ہر دل عزیز تھے، حضرت عمرؓ نے ان کو معزول کرنے کا فیصلہ نافذ کر دیا، اور یہ حکم اس وقت پہنچا جب مسلمان رومیوں کے مقابلہ میں (سب سے عظیم جنگ) جنگ یرموک کے میدان میں صف آرا تھے، اور حضرت ابوعبیدہؓ کو قیادت کی ذمہ داری سونپی گئی، یہ ایسا نازک وقت تھا کہ اچھے اچھوں کے قدم ڈگمگا سکتے تھے، اور نفس امارہ بلکہ فطری خودداری بھی اپنا رنگ دکھا سکتی تھی، لیکن حضرت عمرؓ کا رعب وجلال اور حضرت خالدؓ کی قوت ایمانی تھی کہ حکم پاتے ہی ان کی زبان سے نکلا "سمعا وطاعة لأمير المؤمنين" (امیر المؤمنین کا حکم سر آنکھوں پر) اور جب ان سے کہا گیا کہ ایسے نازک موقعہ پر یہ عظیم تبدیلی لشکر اسلام اور مسلمانوں میں انتشار کا موجب ہو سکتی ہے تو انھوں نے فرمایا کہ "جب تک عمرؓ موجود ہیں کسی فتنہ کی گنجائش نہیں ہے"۔(۱)

حضرت خالدؓ کا امیر المؤمنین کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کرنا اور جب کہ وہ ایک مقبول عام صاحب اقبال، فاتح وسپہ سالار تھے، اور ان کا اس طرح انکساری کے ساتھ سپہ سالاری کے عہدہ سے اتر کر معمولی سپاہی بن جانا ایک ایسا واقعہ ہے، جس کی مثال دنیا کی جنگی اور فوجوں کی سپہ سالاری کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے، اسی کے ساتھ وہ حضرت عمرؓ کے دبدبہ کی بھی دلیل ہے، اور یہ کہ کس درجہ ان کو تمام امور سلطنت اور فوج پر قابو تھا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت خالدؓ کی معزولی ان کی بعض ایسی کارروائیوں کی وجہ سے ہو جو حضرت عمرؓ کو ناپسند ہوئی ہوں، اجتہاد کی گنجائش

---

(۱) کتاب الخراج، از قاضی ابو یوسف: ۴۷، و تاریخ طبری

ہر مرحلہ پر رہتی ہے، تاریخ میں یہ بھی آتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے دوسرے شہروں کے والیوں کو لکھا کہ ''میں نے خالدؓ کو کسی ناراضگی یا ان کی خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا، بلکہ اس لیے کہ لوگ ان کے اس درجہ گرویدہ ہو رہے تھے کہ ساری فتوحات کو ان کی ذات سے منسوب کرنے لگے تھے، حالانکہ فتح ونصرت اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، اور وہی قادر مطلق ہے۔(۱)

عزل ونصب کے اس واقعہ کا تجزیہ استاذ صادق عرجون نے اپنی کتاب ''خالد بن الولید'' (مطبوعہ الدار السعودیۃ: ط ۱۳ ۱۹۸۱ء) میں تفصیل سے کیا ہے۔(۲)

اور آگے لکھتے ہیں:

''معرکوں میں افواج کی تعداد واسلحہ کے بجائے اللہ کی فتح ونصرت اور اسلامی افواج کے اعمال واخلاق اور تعلق باللہ پر اعتماد، یرموک کے معرکہ کے موقع پر (جس سے سخت معرکہ تاریخ اسلام میں کم پیش آیا ہوگا) اسلام کے مظفر ومنصور قائد اور اسلامی افواج کے محبوب ومعتمد سپہ سالار خالد بن الولیدؓ کو اسلامی افواج کی قیادت علیا سے معزول کر دینا، اور ابوعبیدہؓ جیسے نرم خو، نرم مزاج کو قائد مقرر کرنا، عظیم ترین عمال حکومت کا بے لاگ احتساب، جبلہ بن الایہم جیسے سردار قوم اور بادشاہ پر ایک غریب فزاری کے مقابلہ ومعاملہ میں قصاص جاری کرنا، ایسی ایمان واطاعت کی مثالیں ہیں، جو نبوت کا مزاج اور خلافت راشدہ کا تمغۂ امتیاز ہے، پھر ان کا زہد واحتیاط جس نے عام الرمادہ (قحط عام) میں ان کو ہر ایسی غذا سے باز رکھا جو عام مسلمانوں اور ان کی وسیع مملکت کی عام

(۱) بحوالہ تاریخ طبری (۲) المرتضی اردو، ص: ۱۶۰-۱۶۱، ط: مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ

آبادی کو میسر نہیں تھی، یہاں تک کہ لوگوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ اگر اس قحط نے طول کھینچا تو وہ بچ نہیں سکیں گے، اور ان کی زاہدانہ زندگی اور تقشف جس نے ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر لی ہے، اسی زاہدانہ زندگی کا پرتو ہے جس کی اصل وظل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلیفۂ (اول) کی نیابت ان کے حصہ میں آئی تھی"۔(۱)

جہاں تک حضرت خالد بن الولیدؓ کا تعلق ہے، ان کے کارناموں میں بلاشبہ مسیلمہ کذاب پر غلبہ اور فتح وہ کارنامہ ہے جسے ان کے کارناموں کی کلید اور مرکزی نقطہ کہا جائے گا، جس نے ختم نبوت کے مسئلہ کو دو دو چار کی طرح صاف کر دیا، اور قیامت تک کے لیے یہ بات واضح ہوگئی کہ رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں، اور ان کے دائرہ میں زمانی ومکانی طور پر بھی کسی کا اشتراک نہیں، حضرت عمرؓ نے بعد میں ان کی قیادت کو ضروری نہیں سمجھا کہ وہ اپنے حصہ کا اصل کام کر چکے۔

مؤرخ ابن کثیر لکھتے ہیں:

"أن عمر قال حين عزل خالداً عن قنسرين وأخذ منه ما أخذ إنك عليّ لكريم، وإنك عندي لعزيز، ولن يصل إليك مني أمر تكرهه بعد ذلك"(۲)

(حضرت عمر نے جب حضرت خالد کو قنسرین سے معزول کیا اور ان سے ان کا منصب لے لیا تو کہا کہ مجھے مکرم وعزیز ہو، اس کے بعد کوئی چیز میری جانب سے نہیں دیکھو گے، جو میری جانب سے تمہیں ناگوار ہو)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات بھی نقل کی ہے:

"إن عمر قال حين عزل خالداً عن الشام والمثنىٰ بن حارثة عن العراق إنما عزلتهما ليعلم الناس إن الله نصر الدينَ

---

(۱) المرتضیٰ: ۴۳۶ (۲) البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۳۸، نسخہ محقق، ط: قطر، سنہ ۲۰۱۵

لا بنصرهما وأن القوة لله جميعاً"(۱)

(جب حضرت عمرؓ نے حضرت خالدؓ کو شام سے معزول اور مثنی بن حارثہ کو عراق سے کیا تو فرمایا: میں نے ان دونوں کو اس لیے معزول کیا ہے کہ لوگ اس بات کو سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے دین کو غالب کیا ہے، نہ کہ ان دونوں نے، اور ساری قوت اللہ کی ہے)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جس ایمانی واصلاحی مصلحت وحکمت سے یہ فیصلہ کیا تھا حالات کو دیکھتے ہوئے وہ ضروری تھا، البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ سے قلبی تعلق تھا جو ان کی وفات پر ظاہر ہوا، بنو مخزوم کے لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھے، شاعر ہشام بن البحتری اتنے میں آئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہشام خالد کے بارے میں کچھ سناؤ، کچھ اشعار انہوں نے سنائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سن کر ارشاد فرمایا:

"قصرت في الثناء علىٰ أبي سليمان رحمه الله، إنه كان ليحب أن يذل الشرك وأهله....."(۲)

(تم نے کم کہا وہ شرک اور اہل شرک کو پنپنے دینا نہیں چاہتے تھے)

اگر چہ مؤرخین کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ معزولی کا ظاہری سبب ان کی داد و دہش تھی، گو یہ بڑی جنگی مصلحت ہوا کرتی ہے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس میں گرفت سخت تھی، جس کا اظہار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی خوبیوں کے بیان کے ساتھ ان کی خبر وفات سن کر اس طرح کیا ہے:

"كان والله سداداً لنحورا العدو، ميمون النقيبة، فقال له علي: فلم عزلته، قال: لبذله المال لذوي الشرف واللسان"(۳)

(بخدا! دشمن پر ان کا وار غلط نہ جاتا اس میں وہ مراد اور باتوفیق ہے، اس پر حضرت علیؓ نے کہا: پھر کیوں انہیں معزول کیا؟ فرمایا: اہل جاہ و

---

(۱) بحوالہ سابق (۲) بحوالہ سابق (۳) بحوالہ سابق

شان پر خرچ کی وجہ سے)

یہ بھی بیان کیا گیا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس کا بھی اظہار کیا:

"ندمت علیٰ ما کان مني"(۱)

(مجھے شرمندگی ہے، اس پر جو مجھے ان کے متعلق پیش آیا)

اور حضرت خالد کا زہد اس طرح ان کی وفات پر ظاہر ہوا کہ نافع کہتے ہیں:

"لما مات خالد لم یوجد له إلا فرسه، وغلامه وسلاحه"

(جب حضرت خالد نے وفات پائی ان کے پاس ہتھیار، گھوڑا اور غلام کے علاوہ کچھ نہ تھا)

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اظہار جذبات اس طرح بھی ملتا ہے:

"لا رحم الله أبا سليمان، ما عند الله خير له مما كان فيه، و لقد مات فقيداً وعاش حميداً"(۲)

(اللہ ابو سلیمان پر رحم نہ کرے، اللہ کے یہاں ان کے لیے جو سامان ہے، وہ اس سے کہیں بہتر ہے، جو ان کے پاس دنیا میں تھا، وہ اس حال میں دنیا سے گئے کہ ان کے پاس سامان عیش نہیں تھا اور زندگی بڑی تعریف والی گذاری)

---

(۱) بحوالہ سابق: ۲۴۱ (۲) بحوالہ سابق: ۲۴۲

تاج القراء

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ

(وفات ۳۰ھ)

ابوالطفیل اُبی بن کعب بن قیس بن عبید بن زید بن معاویہ بن عمرو بن مالک بن النجار رضی اللہ عنہ سید القراء ابو منذر الانصاری النجاری المدنی المقریٔ البدری بیعت عقبہ میں شریک رہے، بدر میں بھی ساتھ رہے، رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارک میں قرآن مجید کو جمع کیا، اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، ان جلیل القدر اور عظیم علماء صحابہ میں ہیں جنہوں نے رسول اللہ سے وافر مقدار میں علم حاصل کیا۔(۱)

امام ذہبی لکھتے ہیں:

"حفظ عنه علماً مباركاً، وكان رأساً في العلم والعمل"(۲)

(برکت والا علم آپ ﷺ سے محفوظ کیا، علم وعمل کے سردار تھے)

جمع قرآن کی خدمت کی عظیم سعادت اور چند بشارتیں

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: "رسول اللہ ﷺ کے زمانۂ مبارک میں چار حضرات نے جمع قرآن کا شرف حاصل کیا، یہ سب انصاری تھے، ابی بن

---

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مسند أحمد: ۱۱۳/۵، الاستيعاب: ۱۲۶/۱، أسد الغابة: ۶۱/۱، تاريخ الاسلام: ۲۷/۲، سير أعلام النبلاء: ۳۸۹/۱ (۲) سیر النبلاء: ۳۹۰/۱

کعب، اور معاذ بن جبل، اور زید بن ثابت، اور ابوزید میرے چچاؤں میں سے ایک۔(۱)

اور جب کہ یہ شرف بھی ان کو حاصل تھا کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا جیسا کہ صحیح بخاری کی بھی روایت ہے:

"إن اللّٰه أمرني أن أقرأ عليك القرآن"، وفي لفظ:" أمرني أن أقرئك القرآن"، قال:" اللّٰه سماني لك؟" قال: "نعم!"قال: "أوذكرت عند رب العالمين؟" قال:"نعم!" فذرفت عيناه" (۲)

(اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں قرآن کو تمہیں سناؤں، عرض کیا: ''کیا اللہ نے میرا نام آپ سے لیا ہے؟'' فرمایا: ''ہاں!'' عرض کیا کہ: ''رب العالمین کے یہاں میرا تذکرہ ہوا؟'' فرمایا: ''ہاں'' پس ان کی دونوں آنکھیں اشک بار ہوگئیں)

علمی و دینی مرتبہ و مقام

اور یہ سعادت بھی کیا کم ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے حضرت ابی بن کعب سے دریافت کیا قرآن کریم کی سب سے عظیم آیت کے بارے میں تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:"اللّٰه لا إله إلا هو الحي القيوم" تو رسول اللہ ﷺ اس قدر خوش ہوئے کہ ان کے سینہ پر ہاتھ رکھ کر انہیں مبارک باد دی اور ارشاد فرمایا:

"ليهنئك العلم أبا المنذر"

(اے ابوالمنذر! تمہیں علم مبارک ہو)(۳)

خلفاء راشدین کی طرف سے لحاظ و تکریم

قرآن مجید کے سلسلہ میں حضرت ابی بن کعب کا جو رتبہ ہے وہ اللہ کے نزدیک

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن باب مناقب معاذ و زید و أبي: ۳۵۹۹

(۲) صحیح بخاری، کتاب المناقب باب مناقب ابی: ۳۵۹۸

(۳) مسلم، سنن ابوداؤد، سنن ترمذی میں آیت الکرسی کی فضیلت کے باب میں یہ واقعہ مذکور ہے۔

ان کا رتبہ بلند تھا، اور رسول اللہ ﷺ ان کے اس امتیاز و مقام کا پورا لحاظ فرماتے اور اس میں ان کو آگے رکھتے، یہی خلیفہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا، اور یہی امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کیا، اور اسی پر عمل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی کیا۔

ذہبی نے واقدی کے حوالہ سے لکھا ہے: میں نے مستند لوگوں کو کہتے سنا کہ ۲۲ھ میں انہوں نے وفات پائی اور یہ بھی سنا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ۳۰ھ میں وفات پائی، دوسرے قول کے تعلق سے کہتے ہیں:

"وهو أثبت الأقاويل عندنا، قال: لأن عثمان أمره أن يجمع القرآن"

(یہ بات زیادہ مضبوط ہے ہمارے نزدیک، اس لئے کہ حضرت عثمانؓ نے ان سے جمع قرآن کا کام لیا تھا)(۱)

ذہبی کہتے ہیں حماد بن زید ایوب ہشام سے اور وہ دونوں ابن سیرین سے روایت کرتے ہیں:

"أن عثمان جمع اثني عشر رجلاً من قريش والأنصار فيهم أبي وزيد بن ثابت في جمع القرآن"(۲)

(حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قریش وانصار کے ۱۲/ اشخاص کو جمع قرآن کی خدمت کے لئے جمع کیا تھا، ان میں ابی بن کعب اور زید بن ثابت بھی تھے)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی اس میں ان کے فضل وشرف کے بڑے قائل ومعترف تھے، ان کی تکریم فرماتے تھے۔

---

(۱) سیر النبلاء: ۱/۴۰۲ (۲) سیر اعلام النبلاء: ۱/۴۰۲

تعلیم قرآنِ کریم

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا بڑا اور امتیازی وصف تعلیم قرآنِ کریم ہے، قرآن کریم کے الفاظ ومعانی، شان نزول، آیات اور سورتوں کے فرق اور ان کے مرتبہ سبھی کا علم حضرت ابی بن کعب کو زیادہ تھا۔ اور قرآن مجید وہ بہت ہی اچھا پڑھتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے جن تین چار قراء صحابہ سے قرآن کریم سیکھنے کی ہدایت فرمائی تھی ان میں ایک نام حضرت اُبی بن کعب کا بھی تھا، اس لئے ان کی طرف اس کے لئے رجوع عام ہونا باعث استعجاب بات نہیں تھی، حالانکہ ان کا عبادت میں اشتغال زیادہ تھا لیکن لوگوں کے رجوع کی وجہ سے انہوں نے مجلس علم وافادہ قائم کی، ابوالعالیہ کہتے ہیں:

"كان أبي صاحب عبادة فلما احتاج الناس إليه، ترك العبادة وجلس للقوم"

(کہ ابی بن کعب صاحب عبادت تھے مگر جب لوگوں کا رجوع ہوا تو عبادت کا وقت لوگوں کے لئے فارغ کردیا)

ان کے حلقۂ درس سے جو بڑے ممتاز اصحاب علم نکلے ان میں ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بڑے ممتاز ہوئے، ان کے علاوہ ابوالعالیہ اور عبد اللہ بن السائب اور عبداللہ بن عباس مخزومی نے بھی ان سے علم قرآن کریم حاصل کیا۔

ذہبی معمر کا قول ذکر کرتے ہیں:

"عامة علم ابن عباس من ثلاثة، عمر وعلي وأبي"

(ابن عباس (رضی اللہ عنہ) کا زیادہ تر علم تین بزرگوں سے حاصل کردہ ہے: حضرت عمر بن الخطاب سے، حضرت علی بن ابی طالب سے، اور حضرت ابی بن کعب سے)(۱)

ذہبی کہتے ہیں:

---

(۱) سیر النبلاء: ۱/۳۹۸

''میں نے ابی بن کعب کے حالات تفصیل سے اپنی کتاب ''طبقات القراء'' میں ذکر کئے ہیں۔(۱)

تراویح

رمضان المبارک میں رات کی نمازوں میں تہجد یعنی آخر شب کی نماز کے علاوہ عشاء کی نماز کے بعد قیام رمضان جو بعد میں تراویح رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، چونکہ آنحضور ﷺ نے امت پر شفقت کے خیال سے اس کا زیادہ اظہار نہیں فرمایا البتہ بعد وصال نبوی ﷺ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے انتظامی ضرورت سے اس کو جماعت کے ساتھ بیس رکعتوں سے مسجد نبوی سے شروع کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابی بن کعب کا بڑا خیال اور تکریم فرماتے تھے، ان کی امامت میں تراویح کی جماعت کرائی۔

امام ذہبی کہتے ہیں:

"وفي سنن أبي داؤد: يونس بن عبيد، عن الحسن، أن عمر بن الخطاب جمع الناس علىٰ أبي بن كعب في قيام رمضان، فكان يصلي بهم عشرين ركعة"(۲)

(سنن أبو داؤد میں ہے کہ یونس بن عبید حضرت حسن بصری سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے لوگوں کو ابی بن کعب پر تراویح میں جمع کیا، وہ بیس رکعت پڑھاتے تھے)

اگرچہ سند میں کلام کیا گیا ہے مگر امام ذہبی جیسے ناقد علم رجال کا اس سے استدلال کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اس کے مختلف شواہد ہیں۔

مصنف عبدالرزاق کی سند کو علامہ شعیب ارناؤوط نے قوی قرار دیا ہے اور لکھا ہے:

"وأخرج عبد الرزاق في "المصنف" (رقم: ۷۷۳۰) من طريق

---

(۱) سیر: ۱/۳۹۹ (۲) سیر اعلام النبلاء: ۱/۴۰۰

داؤود بن قيس وغيره عن محمد بن يوسف، عن السائب بن يزيد،أن عمر جمع الناس في رمضان علىٰ أبي بن كعب -علىٰ تميم الدار- علىٰ إحدىٰ وعشرين ركعة، يقرؤون بالمئين وينصرفون عند فروع الفجر، وهذا سند قوي"(۱)

(مصنف عبد الرزاق میں داؤد بن قیس وغیرہ کے طریق سے محمد بن یوسف سے حضرت سائب بن یزید کی قوی سند سے روایت مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو رمضان کی تراویح میں ابی بن کعب پر تمیم داری کے ساتھ اکیس رکعات پر جمع کیا، لوگ سو کے قریب آیتوں والی سورتیں پڑھتے تھے اور طلوع فجر کے وقت واپس آتے تھے)

یہاں حضرت تمیم داری کا بھی ساتھ میں تذکرہ ہے، اس سے حضرت تمیم داری کے بھی اس شرف میں اشتراک کا پتہ چلتا ہے، اور کسی عجلت سے کام نہ لینے اور اطمینان اور مکمل خشوع وخضوع سے ادا کرنے کا پتہ چلتا ہے۔

البتہ یہ صورت حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لوگوں کو تراویح پر جمع کرنے کے ابتدائی زمانہ کی ہے، بعد میں حضرت عمر ہی کا عمل بیس رکعات تراویح پر جمع کرنے کا ہوا اور یہی عمل بعد میں خلفاء راشدین اور تمام صحابہ کا رہا، جو آج تک چلا آرہا ہے، اس سلسلہ میں بیہقی کی صحیح سند سے روایت اس طرح مذکور ہے۔

"وأخرج البيهقي في سننه ٤٩٦/٢ من طريق علي بن الجعدعن ابن أبي ذئب عن يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد قال: كانوا يقومون علىٰ عهد عمر بن الخطاب رضي الله عنه،بعشرين ركعة،قال: وكانوا يقرؤون بالمئين وكانوايتوكؤون علىٰ عصيهم في عهد عثمان رضي الله عنه من شدة القيام۔ وهذا إسناد صحيح رجاله كلهم عدول ثقات"(۲)

---

(۱) بحوالہ سابق (۲) بحوالہ سابق

(سائب بن یزید سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ کے زمانہ میں لوگ (تراویح) بیس رکعت پڑھتے تھے، راوی کہتے ہیں کہ سو آیتوں کے قریب کی سورتوں کی قراءت ہوتی تھی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں دیر تک کھڑے رہنے کے باعث چھڑی کا سہارا لیتے تھے)

اور امام سیوطی نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی تراویح کی جماعت قائم کرنے کو ۱۴ھ کا واقعہ قرار دیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"وفيها جمع عمر الناس علىٰ صلاة التراويح قاله العسكري في الأوائل"(۱)

(کہ اسی سن میں حضرت عمر نے لوگوں کو نماز تراویح باجماعت پر جمع کیا)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اقدام اور حضرت ابی بن کعب کی امامت میں جماعت تراویح کی تصویب وتائید صحابہ سے انفرادی واجتماعی طور پر جب ثابت ہوگئی تو امت نے اس کو معمول بنا لیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ جنہیں دینِ شریعت، کتاب وسنت اور مزاج نبوت سے بڑی مناسبت وواقفیت تھی، ان کے اس دعا سے انفرادی واجتماعی تصویب وتائید اور عمومی معمول کا پتہ چلتا ہے، امام سیوطی لکھتے ہیں:

"مر علي بن أبي طالب على المساجد في رمضان وفيها القناديل، فقال: نور الله علىٰ عمر في قبره كما نور علينا في مساجدنا"(۲)

(کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رمضان میں مساجد سے گذرے وہاں روشنی دیکھی تو دعا دی: اللہ تعالیٰ حضرت عمر کی قبر کو منور کرے، جیسے انہوں نے ہمارے لیے ہماری مسجدوں کو منور کیا)

صحیح بخاری کی راویت ہے:

ابن شہاب الزہری حضرت عروہ بن الزبیر سے اور وہ حضرت عبدالرحمٰن ابن عبد

(۱) تاریخ الخلفاء: ص: ۱۲۳ ط مکتبہ اشاعت الاسلام دہلی (۲) تاریخ الخلفاء: ۱۲۸، بحوالۂ سابق

القاری(۱) سے روایت کرتے ہیں:

"خرجت مع عمر بن الخطاب ليلة في رمضان إلى المسجد فإذا الناس أوزاع متفرقون، يصلي الرجل لنفسه ويصلي الرجل، فيصلي بصلاته الرهط، فقال عمر: إني أرىٰ لو جمعت هؤلاء علىٰ قارئ واحد لكان أمثل ثم عزم فجمعهم علىٰ أبي بن كعب ثم خرجت معه ليلة أخرىٰ والناس يصلون بصلاة قارئهم، قال عمر: نعم البدعة هذه"(۲)

(کہ میں حضرت عمر بن الخطاب کے ساتھ رمضان کی ایک شب مسجد کے لیے نکلا دیکھا کہ لوگ بٹے ہوئے ہیں، اپنی اپنی نماز پڑھ رہے ہیں، اور ایک شخص نماز پڑھتا اس کی نماز میں کچھ لوگ شامل ہو جاتے ہیں، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں سمجھتا ہوں کہ ایک قاری پر سب کو جمع کردو، یہ زیادہ بہتر ہوگا، پھر انہوں نے ایسا ہی کر دیا، اور ان سب کا امام حضرت ابی بن کعب کو بنا دیا، پھر دوسری شب رمضان کو ساتھ نکلے اور ایک امام کے پیچھے سب تراویح پڑھ رہے تھے)

الفاظ کے کچھ فرق کے ساتھ امام مالک نے اس روایت کو مؤطا میں "كتاب الصلاة باب بدء قيام ليالي رمضان" میں ذکر کیا ہے۔

امام مالک نے "باب القيام بإحدى عشرة ركعة مع طول القراءة" میں حضرت سائب بن یزید کی روایت ذکر کی ہے، کہ حضرت عمر بن الخطاب نے حضرت ابی بن کعب اور تمیم داری کو گیارہ رکعت پڑھانے کی تاکید کی تھی، کہتے ہیں:

"وكان القارئ يقرأ بالمئين حتى كنا نعتمد على العصي من طول القيام وما كنا ننصرف إلا في فروع الفجر"(۳)

---

(۱) قارہ قبیلہ کی طرف منسوب ہیں۔

(۲) صحیح البخاری کتاب صلاۃ التراویح باب فضل من قام رمضان رقم الحدیث: ۲۰۱۰

(۳) مؤطا مالک: ۲۵۱

امام مالک نے "باب القيام في رمضان بثلاث وعشرين ركعة مع طول القراءة" میں یزید بن رومان کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

"وكان الناس يقومون في زمان عمر بن الخطاب في رمضان بثلاث وعشرين ركعة"(۱)

امام مالک کا بالترتیب طاق رکعتوں اور اختلاف رکعات کا ذکر کرنے سے یہ بات معلوم ہوجاتی ایک تو وتر کی شمولیت کے ساتھ یہ رکعتیں تھیں، دوسرے یہ کہ پہلے کم رکعتیں تھیں، بعد میں کم رکعتوں کو زیادہ کردیا، اور وتر کے ساتھ ۲۳ رکا تعامل عام ہوگیا۔

بیس رکعت تراویح

مصنف ابن ابی شیبہ میں ایسی صریح روایت ملتی ہے جس سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا بیس رکعت پڑھانا ثابت ہے۔

حمید بن عبدالرحمٰن حضرت حسن سے وہ حضرت عبدالعزیز بن رفیع سے روایت کرتے ہیں:

"كان أبي بن كعب يصلي بالناس في رمضان بالمدينة عشرين ركعة، ويوتر بثلاث"(۲)

(کہ ابن بن کعب رمضان میں مدینہ میں بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے)

اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا یہ عمل یوں ہی نہیں تھا اور نہ ہی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا اجتہاد بلا دلیل تھا، مصنف ابن ابی شیبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ سے اس طرح مذکور ہے۔

---

(۱) مؤطا مالك؛ ۲۵۲ (۲) مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة باب كم يصلي في رمضان من ركعة؛ ۷۷۶۶

یزید بن ہارون کہتے ہیں:

أخبرنا إبراهيم بن عثمان عن الحكم عن مِقسم عن ابن عباس "أن رسول الله ﷺ كان يصلي في رمضان عشرين ركعة والوتر"(۱)

(کہ رسول اللہ ﷺ رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھتے اور وتر ساتھ پڑھتے)

حضرت علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت ابی ابن کعب لوگوں کو ۲۰/ رکعت تراویح پڑھایا کرتے تھے علاوہ وتر کے۔''(۲)

علامہ ابن تیمیہ یہ بھی لکھتے ہیں:

''مہاجرین اور انصار کی موجودگی میں ۲۰/ رکعت تراویح کا عمل جاری ہوا، اور کسی صحابی نے اختلاف نہیں کیا جس کی وجہ سے اکثر علماء ۲۰/ رکعت تراویح کے مسنون ہونے کے قائل ہوئے۔''(۳)

وفات

جیسا کہ پچھلی سطروں میں گذرا کہ حضرت اُبی بن کعبؓ کی وفات ۳۰ھ میں سیدنا عثمان بن عفانؓ کے عہد خلافت میں ہوئی، قرائن سے اسی کی تصدیق ہوتی ہے، حضرت عمرؓ انہیں سید المسلمین کہا کرتے تھے۔ رضی اللہ عنه وأعلی مراتبه.

(۱) بحوالہ سابق رقم الحدیث: ۷۷۷۴ (۲) فتاوی: ۲۳/۱۱۲ (۳) ایضا

فقیہ الامت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

(المتوفی ۳۲ھ)

شخصیت

امام ذہبیؒ آپ کی شخصیت اور خصوصیات وکمالات کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"الإمام الحبر، فقيه الأمة أبو عبد الرحمن الهذلي المكي المهاجر المدني، حليف بنى زهره، كان من السابقين الأولين ومن النجباء العاملين، شهد بدراً و هاجر الهجرتين"(۱)

(امام علامہ، فقیہ الامت ابوعبدالرحمٰن، ہذلی مکی مہاجر مدنی، بنوزہرہ کے حلیف، سابقین اولین میں سے اور نجباء عاملین میں ہیں، بدر میں شریک ہوئے اور حبشہ ومدینہ کی ہجرت میں شریک رہے)

نسباً مضری ہیں، اور نسب اس طرح ہے:

"عبد الله بن مسعود بن غافل بن حبيب بن شمخ بن فار بن مخزوم بن صاهله بن كاهل بن الحارث بن تميم بن سعد بن هذيل بن مُدركة بن إلياس بن مضر الهذلي"(۲)

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۱/۴۶۲ (۲) البداية والنهاية: ۷/۳۰۳، نسخة محقق، ط؛ قطر؛ ۲۰۱۵

کنیت رسول اللہ ﷺ نے ابوعبدالرحمٰن رکھی، اور باپ بننے سے پہلے رکھی، بڑے فیاض تھے، سفید پوشاک تھے، اور اچھی خوشبو کا استعمال کرتے تھے، جسم نحیف تھا اور کوتاہ قامت تھے، یعنی ہلکے پھلکے اور گندم گوں تھے، مزاج میں لطافت اور بلا کی ذہانت تھی، شروع میں ہی اسلام لے آئے، اور یہ شرف بھی حاصل کیا کہ قرآن شریف کی آیات کریمہ کو مکہ میں آنحضور ﷺ کے بعد سب سے پہلے آپ نے ہی جہراً تلاوت کی، رسول اللہ ﷺ نے آپ کے اور حضرت زبیر بن العوام کے درمیان مواخات کرائی، رسول اللہ ﷺ سے آپ کو اس قدر قربت اور گھر میں ایسا آنا جانا تھا کہ دوسروں کو جو آپ سے واقف نہ تھے یہ محسوس ہوا کہ آپ خانوادۂ نبوت کے ہی ایک فرد ہیں، چنانچہ امام بخاری اور امام نسائی نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی یہ بات نقل کی ہے کہ:

"قدمت أنا و أخي من اليمن ، فمكثنا حيناً، وما نحسب ابن مسعود وأمه إلا من أهل بيت النبي صلى الله عليه وسلم لكثرة دخولهم و خروجهم عليه"(۱)

(میں اپنے بھائی کے ساتھ یمن سے آیا اور ہم لوگ کچھ دن ٹھہرے، اس دوران حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا ہی سمجھتے رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان کے زیادہ آنے جانے کی وجہ سے)

خدمت وصحبت اور اتباع سنت

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ومجالست اور رفاقت اس کے تمام جوانب کے ساتھ اختیار کرنے کی کوشش کی، چنانچہ ان کا یہ حال ہوگیا کہ وہ "صاحب الوسادہ" و "صاحب النعل" کے طور پر معروف ہوگئے۔

حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ کہتے ہیں:

"كان ابن مسعود صاحب سواد رسول الله صلى الله عليه

---

(۱) البخاری، باب مناقب عبد الله بن مسعود، برقم: ۳۵۵۲، نسائی: ۸۳۸۸

وسلم یعنی سرہ، ووسادہ، یعنی فراشہ، وسواکہ، ونعلیہ ،و طھورہ، وھکذا یکون فی السفر"(۱)

(حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رسول اللہ ﷺ کے رازدار اور سفر وحضر میں آپ کے تکیہ، بستر، مسواک اور وضو کے پانی کے ذمہ دار تھے)

اور حضرت قاسم بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں:

"کان عبد اللہ یلبس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعلیہ، ثم یمشی أمامہ بالعصا، حتی إذا أتی مجلسہ، نزع نعلیہ، فأدخلھما فی ذراعہ، و أعطاہ العصا، و کان یدخل الحجرۃ أمامہ بالعصا"(۲)

(حضرت ابن مسعودؓ رسول اللہ ﷺ کو جوتے پہناتے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہیں جانا ہوتا اور آپ ﷺ کو عصا پکڑاتے، اسی طرح جب آپ ﷺ واپس حجرہ پر تشریف لاتے تو آپ ﷺ کے جوتے اتار کر بغل میں رکھ لیتے، آپ ﷺ اپنا عصا ان کو دے دیتے اور وہ آپ کے لیے آگے عصا لے کر حجرہ میں داخل ہوتے تھے)

اور عصا لے کر حجرہ میں رکھتے تھے)

حضرت عبداللہ بن شداد کہتے ہیں:

"کان عبد اللہ صاحب الوسادۃ والسواك والنعلین"(۳)

(حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضور ﷺ کے خادم خاص تھے، آپ ﷺ کے تکیہ لگاتے، مسواک دیتے اور جوتے اتارتے تھے)

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ طور وطریق، رفتار وگفتار اور اس سے بھی بڑھ کر قول وقرار اور فہم وقضا کی سنتوں میں بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب سے قریب تر تسلیم کئے جانے لگے، اور ان کے طریقہ کو دیکھ کر رسول اللہ صلی

(۱) سیر للذہبی:۱/۴۶۹ (۲) ایضا:۱/۴۷۰ (۳) سیر اعلام النبلاء:۱/۴۷۰

اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو سمجھنا آسان ہوگیا۔

حضرت ابووائل سے روایت ہے کہ میں حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کے پاس تھا، اتنے میں حضرت عبداللہ بن مسعود تشریف لائے، حضرت حذیفہؓ نے فرمایا:

"إن أشبه الناس هدياً، دلاً قضاءً و خطبة برسول الله صلى الله عليه وسلم من حين يخرج من بيته إلى أن يرجع لعبد الله بن مسعود"(۱)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ سیرت و کردار، چال ڈھال، معاملہ فہمی، تقریر و بیان غرض گھر سے نکل کر واپس آنے تک (تمام معمولات) میں عبداللہ بن مسعود آپ ﷺ سے سب سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے)

حضرت عبداللہ بن مسعود کی ادائیں اللہ رب العزت کو پسند آئیں، اور جب یہ آیت "ليس على الذين آمنوا و عملوا الصلحت جناح"(۲) نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "أنت منهم" کہ تم بھی ان ہی میں سے ہو، یہ روایت حضرت اعمش نے حضرت ابراہیم نخعی سے انہوں نے حضرت علقمہ سے اور انہوں نے خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کی۔(۳)

مقام و مرتبہ

اس جذبۂ اتباع سنت نے جو چھوٹی اور بڑی تمام چیزوں میں خواہ ان کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے یا عادات سے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس صف میں لا کھڑا کیا جسکی اتباع بعد کی صف والے کرتے ہیں۔

حضرت سفیان ثوری سند کے ساتھ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے مروی رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں، کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) ایضا: ۱/۴۷۰ (۲) المائدۃ: ۹۳ (۳) سیر اعلام النبلاء للذہبی: ۱/۴۷۰

"اقتدوا بالذين من بعدي أبي بكر وعمر، واهتدوا بهدي عمار، وتمسكوا بعهد ابن أم عبد"(۱)

(میرے بعد ابوبکر وعمر کی اقتداء کرنا اور عمار کا طریقہ اختیار کرنا اور ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعود) کے عہد پر جمنا)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بھی جب آپ کو کوفہ ارشاد واصلاح اور تعلیم وتربیت کے کام کے لئے بھیجا تو اہل کوفہ کو رقعہ لکھا کہ:

"إني قد بعثت إليكم عماراً أميراً، وابن مسعود معلماً ووزيراً، وهما من النجباء من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم من أهل بدر، فاسمعوا لهما واقتدوا بهما، وقد آثرتكم بعبد الله على نفسي"(۲)

(میں نے عمارؓ کو تمہارا امیر اور عبداللہ بن مسعودؓ کو تمہارا معلم و وزیر بنا کر بھیجا ہے، وہ دونوں ہی بڑے مقام ومرتبہ والے صحابی اور بدری بھی ہیں، ان کے لیے سمع و طاعت کرنا، اور عبداللہ بن مسعودؓ کو تمہارے لیے اپنے اوپر ترجیح دی ہے، (یعنی ان کی مجھے ضرورت تھی مگر تمہاری ضرورت کو مقدم رکھا اور انھیں تمہارے پاس بھیج دیا)

اس اثر کو ابن سعد نے طبقات میں اور حاکم نے مستدرک میں ذکر کیا ہے، اور ذہبی نے موافقت کی ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو نجباء رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں شمار کیا ہے، اور ان کے وزیر ورفیق ہونے کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، اور حضرت علی بن ابی طالب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا:

"إن كل نبي أعطي سبعة نجباء، رفقاء، أو قال: رقباء

---

(۱) ایضا: ۱/ ۴۷۸، امام ترمذی نے یہ حدیث ذکر کی ہے۔ (۲) سیر للذہبی: ۱/ ۴۸۶

وأعطيت أنا أربعة عشر"

(ہر نبی کو سات نجیب، رفیق اور رقیب دیئے گئے تھے اور مجھے چودہ دیئے گئے)

حضرت علیؓ نے نام پوچھنے پر جو نام بتائے وہ اس طرح تھے:

"أنا وابناي، وجعفر، و حمزة وأبوبكر وعمر ومصعب بن عمير و بلال وسلمان وعمار والمقداد وحذيفة وعبد الله بن مسعود"(۱)

(میں اور میرے دونوں بیٹے یعنی حسن وحسین، حمزہ، ابوبکر، عمر، مصعب بن عمیر، بلال، سلمان، عمار، مقداد، حذیفہ اور عبداللہ بن مسعودؓ)

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے حضرت علقمہ تابعی سے کہا جو کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے خصوصی تربیت یافتہ وتعلیم یافتہ تھے، جب وہ حضرت ابن مسعود کے پاس حاضر ہوئے کہ:

"قال: ممن أنت؟ قلت: من الكوفه، فقال: أو ليس عندكم ابن أم عبد صاحب النعلين والوساد والمطهرة، وفيكم صاحب السرّ، وفيكم الذى اجاره اللّٰه من الشيطان على لسان نبيه"(۲)

(انھوں نے پوچھا کہاں سے آنا ہوا ہے؟ میں نے کہا کوفہ سے، فرمایا: کیا وہاں ابن ام عبد موجود نہیں ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتی سنبھالنے والے، آپ کا تکیہ درست کرنے والے اور آپ کی مسواک رکھنے والے ہیں، اور تمہارے درمیان صاحب سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (حضرت حذیفہؓ) موجود ہیں، اور تمہارے درمیان وہ بزرگ بھی ہیں جو ارشاد نبوی کے مطابق شیطان کے شر سے محفوظ ہیں)

---

(۱) امام ترمذی نے اس حدیث کو سنن میں أبواب المناقب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، میں باب بلا عنوان کے تحت رقم الحدیث ۳۷۸۵ میں ذکر کیا ہے۔ (۲) سیر للذہبی: ۱/ ۴۹۵

خوف آخرت

ایک طرف حضرت ابن مسعود کے یہ فضائل ومناقب اور یہ کمالات علمیہ ودینیہ دوسری طرف ان کی خوف خدا اور خشیت الٰہی اس درجہ بڑھی ہوئی تھی، کہ ان کی دعا یہ ہوا کرتی:

"خائف، مستجیر، تائب، مستغفر، راغب، راهب"(۱)

(تجھ سے ڈرنے والا، تیری پناہ چاہنے والا، تجھ سے معافی کا خواستگار، تیرا شوق اور تیرا خوف رکھنے والا ہوں)

اقوال وملفوظات

آپ کے چند اہم ملفوظات اس طرح ہیں، فرمایا:

"من أراد الآخرة أضر بالدنيا، ومن أراد الدنيا أضر بالآخرة، يا قومي فأضروا بالفاني للباقي"(۲)

(جو شخص آخرت کا طلبگار رہوگا اسے دنیا کا نقصان سہنا پڑے گا، اور جو دنیا کا طلبگار رہوگا اسے آخرت میں نقصان اٹھانا پڑے گا، اے میری قوم! باقی رہنے والی (آخرت) کے بدلہ فانی (دنیا) کا نقصان برداشت کرلو)

شان محبوبیت ومقبولیت پیدا کرنے کا یہ نسخہ بتایا:

"ارض بما قسم الله تكن من أغنى الناس، واجتنب المحارم تكن من أورع الناس، وأدّ ما افترض عليك تكن من أعبد الناس"(۳)

(اللہ نے جو کچھ دیا ہے، اس پر راضی رہو، سب سے غنی ہوجاؤ گے، حرام چیزوں سے بچتے رہو، سب سے متقی ہوجاؤ گے، فرائض کو ادا کرتے رہو، سب سے بڑے عابد ہوجاؤ گے)

---

(۱) ایضا: ۱/۴۹۶ (۲) سیر اعلام النبلاء: ۱/۴۹۶ (۳) ایضا: ۱/۴۹۷

قرآن مجید سے شغف

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے قرآن مجید سنانے کو فرمایا: اور جب انہوں نے تلاوت شروع کی، اور سورۃ النساء سے انتخاب کیا، جب وہ آیت کریمہ ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ (۱) پر پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا، اور یہ اشارہ تھا کہ ذرا ٹھہر جائیں، ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں اشکبار تھیں، اور اسی موقع کی بات ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے تعلق سے یہ بات فرمائی:

"من سره أن يقرأ القرآن غضاً كما أنزل فليقرأ على قراءة ابن أم عبد"(۲)

(جو چاہتا ہو کہ قرآن کو اسی طرح تروتازہ پڑھے جس طرح نازل ہوا تھا، اسے چاہیے کہ وہ ابن ام عبد کی قراءت کو اختیار کرے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتماد

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس بات کی گواہی اپنے مرض وفات میں دی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے محبت کرتے تھے، اور یہ اس وقت کی بات ہے جب ان سے ان کے مرض وفات میں کہا گیا کہ:

"قد كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يدنيك ويستعملك، قال: والله ما أدري ما كان ذاك منه أحب أو كان يتألفني ولكن أشهد على رجلين أنه مات وهو يحبهما، ابن أم عبد وابن سمية"(۳)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اپنے قریب کرتے اور آپ سے خدمت لیتے تھے، انھوں نے فرمایا: بخدا مجھے نہیں معلوم کہ آپ مجھ

---

(۱) النساء: ٤١ (۲) سیر للذہبی: ۱/۴۸۱-۴۸۰ (۳) أیضا: ۱/۴۸۲

سے محبت کرتے تھے یا تالیف قلب کی خاطر ایسا کرتے تھے، البتہ دو شخصوں کے بارے میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہوئے اور وہ ان دونوں سے محبت کرتے تھے: ایک ابن ام عبد، دوسرے ابن سمیہ)

نسبت اتحادی کا ظہور

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ نسبت اتباع سنت ومحبوبیت ومقبولیت ان کے لوگوں میں خاص طور پر حضرت علقمہ میں منتقل ہوئی، اس طور پر کہ وہ انہیں کے مشابہ مماثل ہو گئے تھے، گوان کو اپنے شیخ کی نسبت اتحادی حاصل ہو گئی تھی۔

حضرت اعمش، امام ابراہیم نخعی سے اور وہ حضرت علقمہ سے نقل کرتے ہیں:

"کان عبد اللّٰہ یشبہ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی ھدیہ ودلّہ، وسمتہ، وکان علقمۃ یشبہ بعبد اللّٰہ"(۱)

(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ مشابہ تھے، سیرت وکردار میں، چال ڈھال میں اور حضرت علقمہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مشابہ تھے)

شجاعت وبہادری کا ایک یادگار واقعہ

تفقہ فی الدین اور رسوخ فی العلم اور اعلم بالقرآن والسنۃ ہونے اور عملی زندگی میں اتباع سنت میں امتیازی شان رکھنے کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ شجاعت و بہادری میں بہت فائق تھے، غزوۂ بدر میں ابوجہل کا انھوں نے خاتمہ کیا تھا اور آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خوش خبری سنائی تھی، وہ کہتے ہیں:

"میں بدر کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے ابوجہل کا کام تمام کر دیا، رسول

---

(۱) سیر للذہبی: ۱/ ۴۸۵

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللّٰہ الـذی لا إلـہ غیـرہ لأنـت قتلتـہ؟ قلت نعم، اللّٰہ الذی لا إلہ غیرہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار اللہ کی قسم دلا کر پوچھا، میں نے تینوں بار قسم کھا کر جواب دیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ اس کی طرف روانہ ہوئے اور اس کے پاس کھڑے ہو کر اسے مخاطب کر کے فرمایا: "الـحـمـد للّٰہ الذی أخزاك یا عدو اللّٰہ" (تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے زیبا ہیں جس نے تجھے رسوا کیا اے اللہ کے دشمن) پھر فرمایا: "ھذا کان فرعون ھذہ الأمۃ" (یہ اس امت کا فرعون تھا)۔(۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی جوانمردی پورے طور سے اس وقت ظاہر ہوئی جب انھوں نے اپنی تلوار سے اس پر کئی وار کیے اور جب اس نے پورا کام نہیں دکھایا تو اسی کی تلوار سے اس کا خاتمہ کر دیا۔(۲)

وفات

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو اللہ نے تفقہ فی الدین کے اعلیٰ مقام پر فائز فرمایا تھا، جس سے خلفائے راشدین نے پورا فائدہ اٹھایا، حضرت عمرؓ نے آپ کو بطور معلم ومربی اور قاضی کوفہ کے لیے منتخب فرمایا تھا، اور اہل کوفہ سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ تم سے زیادہ مجھے ان کی ضرورت ہے، لیکن میں تمہاری ضرورت کو ترجیح دے رہا ہوں، پھر حضرت عثمانؓ نے جب مدینہ میں ان کی ضرورت محسوس کی تو مدینہ بلایا، اس وقت اہل کوفہ کو کسی طرح یہ گوارہ نہ ہوا کہ آپ کوفہ چھوڑیں، لیکن امیر کی اطاعت کے پیش نظر لوگ خاموش ہو گئے، اس طرح مدینہ کی خاک مدینہ پہنچ گئی، اور ۳۲ھ میں مدینہ میں انتقال فرمایا، اور حضرت زبیر بن العوامؓ نے جن سے رسول اللہ ﷺ نے آپ کی مواخات کرائی تھی نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے، رضی اللّٰہ عنہ وأرضاہ.

---

(۱) مسند احمد/ ۴۲۴۶ (۲) ایضا/ ۱۲۴۶

حکیم الامت

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ

(المتوفی ۳۲ھ)

نام ونسب

عویمر بن زید بن قیس بن عامر بن عدی بن کعب بن الحارث بن الخزرج ہے، بعضوں نے اصل نام عامر بن مالک بتایا ہے، اور عویمر خطاب ہے جو عامر کی تصغیر ہے، اور دوسرے حضرات نے آپ کا نام اور نسبت عامر بن مالک بھی بتائی ہے، اور عویمر لقب قرار دیا گیا ہے(۱) یہ رائے امام بخاری کی ہے۔(۲)

شخصیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں بڑے عالم وفقیہ صحابی ہیں، اور دمشق شام میں سکونت پذیر ہوئے تھے، وہاں کے سید القراء تھے، امام ذہبی نے ان کو ''الامام القدوہ'' کے لقب سے یاد کیا ہے(۳) دمشق کے قاضی تھے، انصار کے قبیلہ خزرج سے تعلق تھا۔

قبول اسلام

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بدر کے موقع پر ایمان لائے، پھر غزوۂ احد میں

---

(۱)أيضا: ۲/۲۹٤ (۲)التاريخ الكبير للبخاري: ۷/۷٦ (۳)سير أعلام النبلاء: ۳/۲۹٤

شرکت کی، اور بڑے جوہر دکھائے، اور بڑی ثبات قدمی کا مظاہرہ کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مدافعت اور جارحانہ کاروائی سے بڑے خوش ہوئے اور فرمایا:

"نعم الفوارس عويمر" (عویمر ایک اچھے شہسوار ہیں)

تجارت سے عبادت کی طرف

حضرت ابودرداء کا پیشہ تجارت وکاروبار تھا، وہ کہتے ہیں:

"میں اسلام سے پہلے خالص تاجر (کاروباری تھا) قبول اسلام کے بعد تجارت اور عبادت کو جمع کرنے کی کوشش کی، لیکن یہ دونوں جمع نہ ہو سکے، آخر کار تجارت سے ترک تعلق کر لیا، اور (پوری طرح) عبادت کو اختیار کر لیا۔"

امام ذہبی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے اس عمل اور نظریہ کو ان کی طبیعت و مزاج کے لحاظ سے ان کے لیے ٹھیک قرار دیتے ہیں، لیکن ان اعمال کو جمع کرنے کو افضل قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الأفضل جمع الأمرين مع الجهاد، وهذا الذى قاله هو طريق جماعة من السلف والصوفية ولا ريب أن أمزجة الناس تختلف فى ذلك، فبعضهم يقوى على الجمع كالصديق وعبد الرحمن بن عوف وكما كان ابن المبارك، وبعضهم يعجز ويقتصر على العبادة، وبعضهم يقوى فى بدايته ثم يعجز وبالعكس، وكل سائغ ولكن لا بد من النهضة بحقوق الزوجة والعيال"(۱)

(جہاد کے ساتھ دونوں معاملوں (تجارت اور عبادت) کو جمع کرنا افضل ہے، حضرت ابودرداء نے جو بات کہی ہے وہ علماء سلف اور

---

(۱) سير أعلام النبلاء: ۲/۳۳۸

مشائخ صوفیہ کا طریق رہا ہے، بلاشبہ لوگوں کے مزاج اس میں مختلف ہوا کرتے ہیں، بعض دونوں کو جمع کرنے کی طاقت رکھتے ہیں، جیسے حضرت ابوبکر صدیق اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ، اور بعض نے صرف عبادت پر قناعت کی اور تجارت سے عاجز رہے، اور بعض شروع میں تو دونوں کو جمع کرتے رہے لیکن بعد میں عاجز ہو گئے، اور بعض اس کے برعکس، اور ہر ایک کا معاملہ اس کی صلاحیت پر موقوف ہے، لیکن اہل وعیال کے حقوق کی ادائیگی سب کے لیے ضروری ہے)

علم وحکمت

ابن عبدالبر اندلسی نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ:

"حکیم أمتی أبو الدرداء عویمر"(۱)

(ابوالدرداء عویمر میری امت کے حکیم ومدبر شخص ہیں)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں قرآن مجید جمع کیا جانے لگا تو یہ خدمت آپ کے بھی سپرد ہوئی تھی، صحابہ میں آپ کی اہلیہ حضرت ام الدرداء، حضرت عبد اللہ ابن عباس، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص، حضرت انس بن مالک، حضرت ابوامامہ حضرت فضالہ بن عبید اور دوسرے اجلہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ سے روایت کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت زید بن ثابت، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابوزید رضی اللہ عنہم نے یہ خدمت انجام دی، امام شعبیؒ نے دو ناموں کا اور اضافہ کیا ہے، حضرت ابی بن کعب اور حضرت سعید بن عبید رضی اللہ عنہما کا، اور یہ سب کے سب مدینہ کے انصار تھے۔

---

(۱) الاستیعاب: ۳/۳۰۰

ابن اسحاق نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی صحابہ میں اس خصوصیت وامتیاز کا بھی ذکر کیا ہے کہ صحابہ خود کہا کرتے تھے:

"أتبعنا للعلم و العمل أبو الدرداء"(۱)

(ہم میں سب سے زیادہ علم وعمل کا پیرو ابوالدرداء ہیں)

ابن عساکر نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا اعتراف نقل کیا ہے کہ خود انہوں نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے کہا:

"ما حملت ورقاء، ولا أظلت خضراء، أعلم منك يا أباالدرداء"

(اے ابودرداء آپ سے زیادہ علم والے کو نہ زمین نے اٹھایا اور نہ ہی پیڑوں نے سایہ دیا)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے عاقلوں کے بارے میں پوچھا جاتا تو وہ فرماتے: معاذ اور ابودرداء ہیں۔

ابن سعد اور ابن عساکر دونوں نے اس اعتراف کا ذکر کیا ہے، ابن عساکر نے حضرت مکحول تابعی کا قول نقل کیا ہے کہ صحابہ فرمایا کرتے تھے:

"أرحمنا أبو بكر، وأنطقنا بالحق عمر، وأميننا أبو عبيدة، وأعلمنا بالحلال والحرام معاذ، وأقرأنا أبي، ورجل عنده علم ابن مسعود، وتبعهم عويمر أبو الدرداء بالعقل"(۲)

(ہم میں سب سے زیادہ رحم دل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، سب سے زیادہ حق گو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں، سب سے زیادہ امانت دار حضرت ابوعبیداللہ رضی اللہ عنہ ہیں، حلال وحرام کے بارے میں سب سے زیادہ جاننے والے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ہیں، قرآن کو سب سے اچھا پڑھنے والے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں، وہ

---

(۱) تاریخ ابن عساکر: ۸۰/۵۰ (۲) أیضا: ۷۹/۵۰

شخص جس کے پاس خاص علم ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں، اور حضرت ابوالدرداء عویمر رضی اللہ عنہ نے بڑی دانائی و تدبر کے ساتھ ان سب کی اتباع کی ہے)

ابن عساکر نے اس امتیاز کا بھی ذکر کیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

"إن الله وعدني إسلام أبي الدرداء فأسلم"

(اللہ تعالی نے مجھ سے ابوالدرداء کے اسلام کا وعدہ کیا تھا، چنانچہ وہ اسلام لے آئے ہیں)

ابن عساکر نے دو اہم باتیں اور ذکر کی ہیں، ایک زبیر ابن نصیر کی روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"إن لكل أمة حكيماً، وحكيم هذه الأمة أبو الدرداء"(۱)

(ہر امت میں ایک حکمت داں ہے، اور میری امت کے حکمت داں ابودرداء ہیں)

دوسرے یہ کہ شداد بن اوس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أبو بكر الصديق أرق أمتي وأرحمها، وعمر بن الخطاب خير أمتي وأعدلها، وعثمان بن عفان أحييٰ أمتي وأكرمها، وعلي بن أبي طالب ألبّ أمتي وأشجعها، وعبد الله ابن مسعود أبرّ أمتي وآمنها، وأبوذر الغفاري أزهد أمتي وأصدقها، وأبو الدرداء أعبد أمتي وأتقاها"(۲)

(ابوبکر صدیق میری امت کے سب سے زیادہ نرم دل والے اور مشفق ہیں، عمر بن خطاب میری امت میں سب سے بہتر اور سب سے زیادہ عدل وانصاف کرنے والے ہیں، اور عثمان بن عفان سب سے زیادہ

---

(۱) ابن عساکر ۵۰/۷۹ (۲) ابن عساکر ۵۰/۷۹

باحیا اور کرامت والے ہیں، اور علی بن ابی طالب میری امت کے سب سے زیادہ عقلمند اور شجاعت والے ہیں، اور عبداللہ بن مسعود میری امت میں سب سے اچھے اور امانت دار ہیں، اور ابوذر غفاری میری امت میں سب سے زیادہ زہد اپنانے والے اور سچے ہیں، اور ابودرداء میری امت میں سب سے زیادہ عبادت گزار اور متقی ہیں)

خصوصیات وصفات

علامہ ابن عبدالبر اندلسی نے آپ کی خصوصیات وصفات ومحاسن اور امتیازات کا خلاصہ ایک جملہ میں کیا ہے کہ:

"كان أبو الدرداء أحد الحكماء العلماء و الفضلاء"(۱)

(حضرت ابو درداء حکمت دانوں اور علماء دانشوروں اور فضلاء میں سے ایک تھے)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی ان کے متعلق جس میں ان کی بدعت اور فتنوں سے حفاظت کا اشارہ ہے، عبداللہ بن مسلم حضرت ابو درداء سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أنا فرطكم على الحوض فلا ألفين مَا نوزعت فى أحدكم فأقول: هذا منى، فيقال: إنك لا تدرى ما أحدث بعدك. فقلت: يا رسول الله! أدع الله ألا يجعلنى منهم، قال: لست منهم"(۲)

(میں تم سے حوض کوثر پر ملوں گا، لیکن تم میں سے اس شخص سے نہیں مل پاؤں گا جس کے بارے میں مجھ سے منازعہ ہو جائے، میں کہوں گا:

---

(۱) الاستیعاب: ۳/۳۰

(۲) اس روایت کو امام بخاری اور امام مسلم نے صحیحین میں، ابن ماجہ نے سنن میں اور امام احمد نے مسند میں ذکر کیا ہے اور علامہ ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں ذکر کیا ہے۔
مذکورہ الفاظ "کنز العمال" ۱۳/۹۴ (رقم ۳۶۳۲۱) میں ہیں۔

یہ تو میرا امتی ہے، تو مجھ سے کہا جائے گا: آپ نہیں جانتے آپ کے بعد اس نے کیا گل کھلائے ہیں۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ! اللہ سے دعا کیجیے کہ مجھے ان میں سے نہ بنائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ان میں نہیں ہو)

چنانچہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ہی انتقال ہوا، اور وہ دور نہیں دیکھا جس میں فتنوں نے جنم لیا، اور مختلف فرقے جیسے خوارج اور روافض ظہور میں آئے۔

حکیمانہ اقوال

علامہ ابن عبدالبر اندلسی نے آپ کے حکیمانہ اقوال بھی ذکر کئے ہیں، جن میں خیر و موعظت کا بڑا سامان ہے، جس میں ایک ملفوظ نمونہ کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے، انہوں نے فرمایا:

"الدنيا دار كدر، ولن ينجو منها إلا أهل الحذر، ولله فيها علامات، يسمعها الجاهلون، و يعتبر بها العالمون، ومن علاماته فيها أن حفّها بالشهوات، فارتطم منها أهل الشهوات، ثم أعقبها بالآفات، فانتفع بذلك أهل العظات ومزج حلالها بالمؤنات وحرامها بالتبعات، فالمثرى فيها تعب والمقل فيها نصب"(۱)

(دنیا کدورتوں کی جگہ ہے، اس سے حفاظت ان ہی لوگوں کی ہے جو محتاط اور تقویٰ شعار ہیں، اس میں اللہ کی کچھ نشانیاں ہیں، جن کو جاہل سنتے ہیں لیکن عالم ان سے نصیحت حاصل کرتے ہیں، ان نشانیوں

---

(۱) الاستیعاب: ۳/۳۳۰

میں سے یہ بھی ہے کہ دنیا کو شہوات سے بھر دیا گیا ہے، خواہشات پر چلنے والے ان میں مبتلا ہوتے ہیں، پھر اس کے نتیجہ میں مصائب کا شکار ہوتے ہیں اور اہل نصیحت سبق حاصل کرتے ہیں، حلال کے پیچھے حرام ہوتا ہے، اہل ثروت پریشانیوں میں حیران ہوتے ہیں، اور کم خرچ والوں کو سکون نصیب ہوتا ہے)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دمشق کا قاضی بنایا تھا، اور وہ نیابت امیر کا بھی کام کرتے تھے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی سے مواخات کرائی تھی، اور دونوں کا اس کے نتیجہ میں مثالی تعلق قائم ہوا تھا، اور یہ تعلق اور محبت اس درجہ تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے جوانب وکوائف پر بھی نظر رکھتے، اور اس میں کوئی پہلو حد اعتدال سے تجاوز کرتا ہوا دیکھتے اور غلو اور زیادتی محسوس کرتے تو نہایت خیر خواہانہ انداز میں ٹوک دیتے، اس طرح کا ایک مکالمہ جس میں دونوں کے لئے اپنی دلیلیں تھیں، محاکمہ بن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو درداء سے فرمایا: "ان لجسدك عليك حقاً" اس سے حضرت ابو درداء کے شوق عبادت کا پتہ چلتا ہے، کہ وہ موقع پاتے ہی عبادت نماز وغیرہ میں مصروف ہو جاتے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمازوں میں یہ حال ہوتا کہ پاؤں ورم کر جاتے، اور اگر اس پر کسی نے عرض کیا کہ آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہیں، آپ فرماتے: "أفلا أكون عبدا شكوراً" لیکن آپ کو حضرت ابو درداء سے کہنا پڑ رہا ہے: "ان لجسدك عليك حقا" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد امام بیہقی نے سنن کبری میں ذکر کیا ہے۔(۱)

حضرت ابو درداء شاعر نہیں تھے، لیکن ان کی ایک رباعی منقول ہے، اور یہ اس

---

(۱) سنن کبری: ۴/ ۲۷۵ (رقم ۸۶۰۴) بخاری، کتاب الصوم (رقم ۱۹۶۸)

وقت کہی جب ان سے عرض کیا گیا کہ ہر عاقل و دانشور شعر کہتا ہے آپ نہیں کہتے، تو انہوں نے فی البدیہہ ایک رباعی کہی:

یرید المرء أن یوتی مناہ
ویأتی اللہ إلا ما أرادا
یقول المرء فائدتی ومالی
وتقوی اللہ أفضل ما استفادا

(آدمی چاہتا ہے کہ اس کی ہر تمنا پوری ہو جائے، مگر ملتا وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے، آدمی کہتا ہے کہ ہائے میرا فائدہ اور میرا مال، حالانکہ اللہ کا تقوی اس کی کمائی سے افضل ہے)(۱)

ذوق عبادت

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کثرت عبادت، وسعت علم، اور زہد و اتقاء میں صحابہ میں ایک اونچی شان کے حامل رہے ہیں، جس کا اندازہ قارئین گزشتہ صفحات سے لگا چکے ہونگے، نماز، روزے، اور دوسرے اعمال و عبادات اور دنیا سے بے رغبتی اور مال و متاع میں زہد کا بھی حال قارئین پڑھ چکے، وہ قاضی دمشق بھی رہے، وہ نائب الامیر کا بھی فرض انجام دیتے، اور بہت سی خدمات ان کے ذمہ تھیں، لیکن انہوں نے اس محاورہ کو سچ کر دکھایا کہ دریا میں نہائے مگر کپڑے بھیگنے نہیں دیئے، وہ بڑے عالم تھے، داعی تھے، آمر بالمعروف و ناہی عن المنکر تھے لیکن اپنے سے کبھی غافل نہ رہے، جتنا کہتے اس سے زیادہ عمل کرتے، اور وہ دعوت کا کام اس شوق میں بھی کرتے کہ عمل کرنے والے کا اجر و ثواب انہیں بھی ملے گا، وہ فرمایا کرتے:

"إنی لآمرکم بالأمر وما أفعله ولکن لعل اللہ أن یأجرنی فیه"
(میں تمہیں نیکی کی بات بتاتا ہوں، گو میں خود نہیں کر پا رہا ہوں، لیکن

(۱) الاستیعاب: ۲۱۲/۴

اللہ کی ذات سے امید کرتا ہوں کہ مجھے اس کا صلہ عطا فرمائے گا)

حضرت میمون بن مہران نے آپ کا ارشاد نقل کیا:

"ویل للذی لا یعلم مرة، وویل للذی یعلم ولا یعمل سبع مرات"

(جو نہیں جانتا اس کے لیے ایک بار تباہی ہے، اور جو جانتا ہے اور عمل نہیں کرتا اس کے لیے سات بار تباہی ہے)

ان کی اہلیہ حضرت ام درداء سے عون بن عبداللہ نے پوچھا:

"أی عبادة أبی الدرداء کانت أکثر؟

(کہ ابودرداء کون سی عبادت زیادہ کیا کرتے تھے)

انہوں نے جواب دیا:

"التفکر والاعتناء"

(یعنی غور وفکر دھیان ومراقبہ اور محاسبہ نفس)

حضرت ابودرداء سے عرض کیا گیا:

کم تسبح فی کل یوم؟

(روزانہ کا ذکر وتسبیح کا معمول کیا ہے؟)

انھوں نے فرمایا:

"مأة ألف إلا أن تخطئ الأصابع"

(ایک لاکھ الا یہ کہ انگلیاں غلطی کر جائیں)

معاویہ ابن قرہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوالدرداء نے فرمایا: تین چیزیں مجھے بڑی پسند اور لوگوں کو بڑی ناگوار ہیں:

۱- الفقر، ۲- المرض، ۳-الموت.

اور فرمایا: موت: اپنے رب سے ملنے کے شوق میں پسند ہے۔

فقر وافلاس: اس لئے پسند ہے کہ اس میں اپنے رب کے سامنے تواضع ہے (کہ اپنی ضرورتیں اپنے رب کے سامنے رکھنے کا موقع ملتا ہے)۔

اور مرض: اس لئے پسند ہے کہ اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں، اور وہ لغزشوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔

حضرت عکرمہ بن عمار، ابوقدامہ محمد بن عبید الحنفی سے حضرت ام درداء کی بات نقل کرتے ہیں کہ:

"كان لأبي الدرداء ستون وثلاث مأة خليل في الله يدعو لهم في الصلوة، قالت: فقلت له في ذلك، فقال: إنه ليس رجل يدعو لأخيه في الغيب، إلا وكل الله به ملكين يقولان له بمثل ذلك، أفلا أرغب أن تدعو لي الملائكة"

(حضرت ابوالدرداء کے ۳۶۰/احباب ایسے تھے، جن کے لیے وہ نماز میں دعا کرتے تھے، حضرت ام درداء نے اس معمول کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنے کسی بھائی کے لیے اس کی غیبوبت میں دعا کرتا ہے تو اللہ تعالی دو فرشتے اس کے ساتھ مقرر کردیتے ہیں جو اس کو اسی جیسی دعا دیتے ہیں، تو مجھے کیوں شوق نہ ہو کہ فرشتے میرے لیے دعا کیا کریں)

اس طرح دعا بھی ان کے خصوصی معمولات میں تھی، اور جہاں تک فکر و ذکر کا تعلق ہے، تو ذہبی کا یہ جملہ بہت کافی ہے، جو ان کے اللہ کی یاد میں ہمہ وقت مشغول ہونے کا پتہ دیتا ہے کہ:

"وكان لا يضر من الذكر" (کہ وہ ذکر میں تھکتے نہیں تھے)

وفات

۳۲ھ میں شام میں انتقال فرمایا، پسماندگان میں صاحبزادہ حضرت بلال بن ابی الدرداء؛ علم وفقہ میں نمایاں مقام رکھتے تھے، رضی الله عنهم و أرضاهم(۱)

---

(۱) الخلفاء الراشدون من تاريخ الاسلام للذهبي: ص/۱۴۸

زاہدِ اُمت

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

(المتوفی ۳۲ھ)

نام ونسب اور مقام ومرتبہ(۱)

جندب بن جنادہ نام ہے قبیلہ غفار کے رؤساء میں تھے، بڑے ہی جیالے، نڈر، اور اللہ کا خوف رکھنے والے ایک منفرد انسان تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ومنظور نظر صحابی جلیل تھے۔

قبول اسلام کا واقعہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، اور خفیہ طور پر بعض سے بعض کو اطلاع ہوئی اور کچھ نے ایمان قبول کیا، اور کچھ نے مخالفت کی اور عداوت پر کمر بستہ ہوئے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بھی ان خوش نصیب لوگوں میں تھے جنہیں اطلاع ملی اور ان کے حصہ میں حق کو قبول کرنا آیا، البتہ انہوں نے صرف خبر سن کر فوراً ایمان قبول کرنے اور سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول اور آخری نبی ماننے کے بجائے تحقیق کے لئے مکہ مکرمہ اپنے بھائی انیس غفاری کو بھیجا، جس کا ایک

(۱) تذکرہ کے لیے ملاحظہ ہو: سیر أعلام النبلاء: ۲/ ۴۶، الاستیعاب: ۱/ ۱۶۹، أسد الغابہ: ۱/ ۳۵۷

تفصیلی واقعہ ہے جو سیرت کی کتابوں اور صحابہ کے حالات پر مشتمل مجموعوں میں دیکھا جا سکتا ہے، ایسے حالات میں یہ واقعہ پیش آیا جب اسلام کا اعلان اور قبول اسلام کا چرچا کرنا سخت ترین حالات اور آفت و مصیبت کو دعوت دینا تھا، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے جب اپنے بھائی حضرت انیس غفاری رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ بھیج کر اس کی پوری تحقیق کرنی چاہی انہوں نے ایسی باتیں بتائیں جن سے ان کو پورا اطمینان نہ ہوا، خود جا کر اطمینان کرنا چاہا اور ایمان قبول کر لیا، تو پھر ان کے مزاج کی جرأت و بیباکی اور شجاعت اور دل کی سلامتی اور حق کے برملا اظہار کرنے کی صفت نے ان کو ذرا دیر کے لئے بھی خاموش نہ رہنے دیا، اور حق کا دامن جو تھاما تھا اس کو چھوٹنے نہ دیا، امام بخاری نے "الجامع الصحیح" میں "کتاب المناقب، باب اسلام أبی ذر" میں اس واقعہ کو تفصیل سے ذکر کیا ہے، تتمہ معارف الحدیث میں استاد گرامی مولانا محمد زکریا سنبھلی شیخ الحدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھتے ہیں:

"ان کے ایمان لانے کا ایک واقعہ صحیحین کی ایک روایت کے مطابق اس طرح ہے کہ جب ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر پہنچی، تو انہوں نے تحقیق حال کے لئے اپنے بھائی حضرت انیس رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیجا، انہوں نے واپس آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بتایا کہ وہ مکارم اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں، اور ایسا کلام سناتے ہیں جو شعر تو بہر حال نہیں ہے، حضرت ابوذر کو بھائی کی بات سے پورا اطمنان نہیں ہوا، مختصر سا سامان سفر لیا اور مکہ کے لئے روانہ ہو گئے، مکہ پہنچ کر حرم شریف میں جا کر پڑ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرنے لگے، نہ خود ہی جانتے تھے نہ کسی سے دریافت کرنا مناسب سمجھتے تھے، اسی حال میں رات ہو گئی، حضرت علیؓ پردیسی خیال کر کے اپنے گھر لے گئے، قیام و طعام کا انتظام کیا، قیام و طعام کے علاوہ کوئی گفتگو دونوں میں نہیں ہوئی، رات وہیں گزاری، اور صبح کو اپنا سامان

لے کر پھر حرم شریف آ گئے، دن بھر وہیں رہے، دوسری رات کو بھی حضرت علیؓ یہ خیال کر کے کہ پردیسی ہیں ابھی اپنی منزل تک نہیں پہنچے اپنے گھر لے گئے، آج بھی دونوں ہیں، مطلب کی کوئی بات نہیں ہوئی، اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ صبح کو پھر حرم شریف آ گئے، تیسرے دن بھی جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو حرم میں ہی دیکھا تو اپنے ساتھ لے جاتے ہوئے حاضری کا مقصد معلوم کیا، انہوں نے کہا کہ اگر آپ اس بات کا عہد و پیمان کریں کہ صحیح بات بتائیں گے تو میں اپنی آمد کی غرض بتاؤں گا، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وعدہ کر لیا تو انہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کیا، حضرت علی نے فرمایا وہ بالکل برحق ہیں اور بلاشبہ وہ اللہ کے رسول ہیں، آپ رات کو میرے ساتھ رہیے، میں صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے چلوں گا، اور دیکھئے اگر میں راستہ میں آپ کے لئے کوئی خطرہ محسوس کروں گا تو پیشاب کرنے کے بہانے رک جاؤں گا، (آپ چلتے رہئے گا) صبح کو دونوں حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ کی باتیں سن کر حضرت ابوذر اسی وقت مسلمان ہو گئے، آپؐ نے ان سے فرمایا کہ تم اسی وقت اپنے گھر چلے جاؤ، اور وہاں دین کی دعوت کا کام کرو، اور جب ہمارے غلبہ کا علم ہو جائے تو چلے آنا، انہوں نے کہا میں خموشی سے گھر نہیں جاؤں گا، علی الاعلان مشرکین مکہ کے سامنے اپنے اسلام لانے کا اظہار کروں گا، اور پھر حرم شریف آ کر قریش کے لوگوں کے سامنے بآواز بلند "أشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله" کا اعلان کر دیا، یہ نعرۂ ایمان سن کر لوگ چاروں طرف سے ان پر ٹوٹ پڑے اور مارتے مارتے برا حال کر دیا، اور پورا جسم لہولہان ہو گیا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس کا

علم ہوا، آئے اور ان کو بچایا، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے دوسرے دن بھی "أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا رسول الله" کا نعرہ بلند کیا، اور آج بھی وہی سب کچھ ہوا جو کل ہوا تھا، طبرانی کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے ان کو اس اعلان سے بار بار منع کیا تھا اور فرمایا تھا کہ مجھے تمہارے قتل کر دئے جانے کا خطرہ ہے، لیکن ہر بار وہ جواب میں یہی عرض کرتے تھے، "إنه لا بد منه وإن قتلت" (اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں، خواہ قتل ہی کیوں نہ کر دیا جاؤں) صحیح مسلم وغیرہ کی روایات میں مزید یہ بھی ہے کہ وہ جب مکہ سے اپنی والدہ اور بھائی کے پاس واپس پہنچے تو وہ لوگ بھی آپؓ کے ایمان لانے کی وجہ سے ایمان لے آئے، (اور اصابہ میں ہے) اس وقت تک صرف تین چار حضرات ہی ایمان لائے تھے۔" (۱)

امتیازات وخصوصیات

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا احقاق حق او ابطال باطل کے مسئلہ میں کسی کی پرواہ نہ کرنا یہاں تک کہ اپنی جان و مال کی بھی پرواہ نہ کرنا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اندیشہ کے باوجود کہ شہید کئے جا سکتے ہیں، علی الاعلان اظہار حق پر جمے رہنا اور اس وقت ایسا کرنا جب دعوت اسلام کا عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسل کی طرف سے بھی خفیہ طور پر تھا، آخر اس کے نتیجہ میں آپ کو سخت زدوکوب کیا گیا، آپ نے سب برداشت کیا اس کے نتیجہ میں مکہ میں اور آپ کے قبیلہ غفار میں قریب کے قبیلہ اسلم میں اسلام کا تعارف اور اس کے پیغام توحید و رسالت کا اعلان ہو گیا، اور ان دونوں قبیلوں غفار و اسلم نے تائید کی اور ان دونوں قبیلوں کی بڑی تعداد مشرف بہ اسلام ہو گئی، اور ان دونوں قبیلوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی اور فرمایا:

---

(۱) معارف الحدیث: ۸/ ۶۳۸-۶۴۰

"غفار غفر الله لها وأسلم سالمها الله"(۱)
(اللہ قبیلہ غفار کی مغفرت فرمائے اور قبیلہ اسلم کو سلامت رکھے)

سلامت طبع

دوسرا امتیاز اور بڑی خصوصیت حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی یہ ہے کہ اللہ نے ان کی اسلام کی دعوت اور بعثت سے قبل ہی بڑی سلامت طبع پائی تھی، اور ان کی طبیعت کا میلان خیر کی طرف ہوتا، شر کی طرف نہیں، توحید کی طرف ہوتا، شرک کی طرف نہیں، اور رکوع وسجود کی طرف ہوتا، کفر واعراض کی طرف نہیں، مولانا محمد زکریا سنبھلی ندوی تتمہ معارف الحدیث میں تحریر فرماتے ہیں:

"اسلام لانے سے پہلے بھی مزاج میں سلامتی تھی، توحید کے قائل تھے، اور صرف اللہ کی عبادت کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں ان ہی کا بیان نقل کیا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے سے تین سال پہلے ہی سے نماز پڑھتا تھا، حضرت عبداللہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا آپ کس کے لئے نماز پڑھتے تھے؟ فرمایا، اللہ کے لئے، میں نے پوچھا کدھر رخ کر کے نماز پڑھتے تھے؟ کہا جدھر میرا رب میرا رخ کر دیتا تھا، ادھر ہی کو متوجہ ہو کر نماز پڑھ لیا کرتے تھے، مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا، رات کے اولین حصہ میں نماز شروع کرتا اور جب وقت آخر شب ہوتا تو اللہ کے حضور سجدہ میں پڑ جاتا سورج نکلنے تک ایسے ہی پڑا رہتا۔"(۲)

---

(۱) صحیح مسلم، باب فضائل غفار واسلم (۱۵۸۹) وجامع ترمذی (۳۹۴۱)
(۲) بحوالہ صحیح بخاری باب الاسلام ابی ذر (۳۶۴۸) وصحیح مسلم فی المناقب (۶۵۱۵)

زہد واستغناء

تیسری خصوصیت اور امتیاز ان کا زہد ہے، یہ وصف ان میں بہت زیادہ نما تھا، اور اس حد تک ظہور پذیر تھا کہ انہیں دنیا و متعلقات دنیا سے توحش ہوتا تھا، اسی دنیا، مال و متاع اور سیاست سے بھی ان کو طبعاً نفور تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی احادیث بھی ان سے اس سلسلہ میں خاصی مروی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے ان کے اس مزاج و کیفیت کا اندازہ لگالیا تھا، اسی لئے ایک روایت میں ہے کہ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أبو ذر يمشي في الأرض بزهد عيسى بن مريم"(۱)

(ابوذر کا زہد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زہد کے مثل ہے)

صدق وعدل

چوتھی خصوصیت اور امتیاز صدق و عدل اور قول سدید کی ہے، کہ وہ بات بڑے پکے اور سچے اور قول و عمل میں پوری یکسانیت رکھتے تھے، اور لوگوں کے ما متاع اور منصب و عہدہ سے بالکل مستغنی رہتے، اس صداقت و استغناء کی شہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی بلیغ الفاظ میں دی فرمایا:

"ما أظلت الخضراء ولا أقلت الغبراء من ذي لهجة ولا أوفى من أبي ذر شبه عيسى بن مريم"(۲)

(آسمان کے زیر سایہ اور روئے زمین کے اوپر کوئی شخص ابوذر سے زیادہ سچا اور بات کا پکا نہیں ہے، وہ حضرت عیسی علیہ السلام کے مشابہ ہیں)

وفات

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے جس طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سا

---

(۱) جامع ترمذی مناقب ابی ذر (۳۸۰۲) (۲) أیضا (۳۸۰۱)

زندگی گزاری آپ کے بعد بھی اسی حال پر رہے، دنیا کی فتوحات کا اثر اپنے اوپر نہیں پڑنے دیا، اور زندگی میں ذرا بھی تبدیلی نہیں آنے دی، اور حق بات کہنے میں ذرا بھی گھبرائے نہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں اپنے زاہدانہ مزاج کی وجہ سے جس بات کو حق سمجھتے تھے تو پھر وہ حکومتی مصلحت اور ملی سیاست اور حالات کے تغیرات اور تقاضوں کو نہیں بس قرآن کے مطالبہ اور فرمان نبوی کو دیکھتے اور صاف صاف اپنا موقف رکھ دیتے، اس وجہ سے بھی مدینہ کے باہر ایک جگہ قیام اختیار کرلیا تھا، اہلیہ تھیں اور وہ تھے، اور شاید ہی کوئی اور ہو، وہیں وقت موعود آیا، مسلمانوں کی ایک جماعت جن میں صحابہ بھی تھے اور فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی، انہیں حضرات نے تجہیز و تکفین میں حصہ لیا، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور وہیں تدفین عمل میں آئی، اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا بھی پیشین گوئی بن کر ان کے حق میں پوری ہوئی جو ان کو غزوۂ تبوک کے موقع پر دی تھی، جب اونٹ کا ساتھ نہ دینے پر عام لشکر سے بچھڑ گئے تھے تو سارا سامان کمر پر لادا اور پا پیادہ چل پڑے کہ شرکت ضرور کرنی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی: "یرحم اللہ أباذر" اور فرمایا: "تنہا زندگی گزارتے ہیں، موت بھی تنہائی میں آئے گی، اور روز محشر بھی سب سے الگ اٹھیں گے۔" (۱) رضی اللہ عنہ و أرضاہ

---

(۱) معارف الحدیث: ۶۴۱/۸ بحوالہ اصابہ: ۱۲۵/۷

مجاہد اسلام

حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ

(وفات ۳۳ھ)

نام ونسب اور مقام وشخصیت

صحابی جلیل، احد السابقین الاولین حضرت مقداد بن عمرو بن ثعلبہ بن مالک بن ربیعہ القضائی الکندی البہرانی مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ، اسود بن عبد یغوث الزہری سے نسبت کی وجہ سے ابن الاسود کہے گئے، اس لیے ان کو اسود بن عبد یغوث نے اپنا متبنی بنالیا تھا(۱) اور اس پر مستزاد یہ کہ وہ اسود اللون (سیاہ رنگت) تھے، اور یہ کہ وہ اپنے وطن سے مکہ مکرمہ آکر اسود سے معاملہ کر کے ان کی پناہ میں آئے تھے، بدری بھی ہیں اور دوسرے غزوات کے غازی بھی، بدر میں سواروں میں تھے، وہ اس شرف کے حامل صحابی ہیں کہ جلیل القدر وعظیم المرتبت علماء صحابہ نے ان سے حدیثیں روایت کی ہیں، جیسے حضرت علی مرتضیٰؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور جلیل القدر تابعین میں حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ، حضرت ہمام بن الحارث، حضرت عبید اللہ بن عدی بن الخیار وغیرہ، علامہ بن الاثیر جزری (۵۴۴ھ-۶۰۶ھ) لکھتے ہیں:

---

(۱) ملاحظہ ہو: طبقات ابن سعد: ۱۴۴/۳، التاریخ الکبیر: ۵۴/۸، مستدرك حاكم: ۳۴۸/۳، الاستیعاب: ۲۶۲/۱۰، سیر أعلام النبلاء: ۳۸۵/۱

"كان قديم الاسلام، شهد بدرا و أحدا والمشاهد كلها وعداده في أهل الحجاز، وكان من الفضلاء النجباء والكبار الخيار من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم"(۱)

(شروع کے مسلمان، بدر واحد اور دوسرے غزوات کے غازی تھے، اہل حجاز میں تھے، اور ممتاز فضلاء صحابہ اور افضل شخصیات میں تھے)

حدیث پر عمل اور اتباع سنت

صحیح البخاری کتاب المغازی میں رسول اللہ ﷺ کی روایت ان سے مروی ہے، جس سے اس کافر کے قتل کی حرمت کا مسئلہ نکلتا ہے جو لا الہ الا اللہ کہہ دیتا ہے۔(۲)

اور مسلم کتاب الأشربة باب اكرام الضيف وفضل ايثاره ؛ میں وہ روایت خود ان سے مروی مذکور ہے جس میں انہوں نے اپنا ذاتی تجربہ فقر و فاقہ کی وجہ سے انتہائی ضعف و نقاہت اور اس پر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایثار و مہمان نوازی اور پھر آپ کی دعوت میں غیر معمولی برکت کے ظہور کو بیان کیا ہے۔(۳)

اور مسلم كتاب الزهد باب النهي عن المدح ؛ میں ان کے شاگرد و مرید حضرت ہمام بن الحارث کا روایت کردہ ان کا واقعہ مذکور ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے منہ پر ان کی تعریف (مدح) کرتا جا رہا تھا، حضرت مقداد حالانکہ بہت بھاری بدن کے تھے، اس کے پاس اٹھ کر آئے، اور اس کے منہ میں حصباء (کنکری) ڈالنے لگے، حضرت عثمانؓ نے کہا: کیا بات ہے؟ حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

"اذا رأيتم المداحين فاحثوا في وجوههم التراب"(٤)

(جب تم منہ پر تعریف کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے منہ میں مٹی ڈالو)

---

(۱) جامع الأصول، محقق مطبوعه وزارة الأوقاف قطر: ۱۱/۱۸۳

(۲) حدیث نمبر: ۴۰۱۹ (۳) رقم الحدیث: ۲۰۵۵ (۴) رقم الحدیث: ۷۶۹۸

حضرت مقداد بڑے برگزیدہ صحابی تھے، بڑے بھاری بدن کے ہونے کے باوجود دین کے کاموں میں آگے بڑھنے کا جذبہ رکھتے تھے، ان کا ایک واقعہ حضرت ابو راشد الحبرانی بیان کرتے ہیں کہ:

"وافيت المقداد فارس رسول الله صلى الله عليه وسلم بحمص على تابوت من توابيت الصيارفة، قد أفضل عليها من عظمه، يريد الغزو، فقلت له: قد أعذر الله اليك، فقال: أبت علينا سورة البحوث "انفروا خفافا و ثقالا"(التوبة: ٤١)(١)

(میں نے رسول اللہ ﷺ کے شہسوار حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو ایک غزوہ میں شرکت کے لیے حمص میں تابوت پر دیکھا جو صیرفیوں کا تھا، وہ اپنے بھاری بدن کی وجہ سے اس پر تھے، میں نے عرض کیا: اللہ نے آپ کے لیے عذر رکھا (پھر آپ کیوں اپنے کو اتنی مشقت میں ڈالتے ہیں) فرمایا: ہم سے سورۂ بحوث (سورۃ التوبہ) نے ایسا کرایا، "ہلکے اور بھاری دونوں حالتوں میں نکلو")

مسند احمد میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مروی ہے:

"عليكم بحب أربعة: علي، وأبي ذر، وسلمان والمقداد"(٢)

(چار کی محبت کو لازم پکڑو، علی، ابوذر، سلمان اور مقداد)

عشق رسول ﷺ

حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کے رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سے فدائیانہ تعلق کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی صاحبزادی حضرت کریمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ مقداد نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے لیے ۳۶/ ہزار درہم کی رقم اور امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن میں ایک ایک کے

(١) سير أعلام النبلاء: ١/٣٨٨ (٢) مسند أحمد: ٥/٣٥١-٣٥٦، سنن الترمذي، كتاب المناقب: ٣٧١٨

لیے سات سات ہزار درہم کی (اپنے مال سے) وصیت فرمائی تھی)(۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دلداری اور عزت افزائی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی ایسی دلداری فرمائی جس کی نظیر تالیف قلب میں ملنی دشوار ہے، جلیل القدر تابعی حضرت ثابت بنانی کی روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ میں گفتگو ہو رہی تھی، اثناء گفتگو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ سے کہہ دیا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ شادی نہیں کرتے، حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے اس پر کہہ دیا کہ آپ ہی اپنی صاحبزادی سے نکاح کر دیجیے، اس پر حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے چہرہ کا رنگ بدل گیا، حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو یہ بات بہت محسوس ہوئی اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ غمگین ہیں، ان سے فرمایا: البتہ میں تمہاری شادی کروں گا اور یہ کوئی فخر کی بات نہیں "لکنی أزوجك ولا فخر" چنانچہ اپنے چچا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کی صاحبزادی حضرت ضباعہ بنت الزبیر رضی اللہ عنہا سے شادی کر دی، جبکہ وہ بڑی فرزانہ اور حسین خاتون تھیں۔(۲)

وفات

ستر سال عمر پائی، ۳۳ھ میں وفات پائی اور ان کی نماز جنازہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے پڑھائی، جنت البقیع میں سپرد خاک ہوئے، علامہ ابن اثیر کہتے ہیں: جرف میں جو مدینہ سے تین میل پر ہے وفات پائی تھی، وہاں سے مدینہ منورہ لائے گئے۔(۳)

---

(۱)سیر أعلام النبلاء: ۱/۳۸۹

(۲)الخلفاء الراشدون من تاریخ الذهبی ص/۳۳۰ (۳)سیر أعلام النبلاء: ۱/۳۸۶

صاحب صدق ووفا

حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ

(المتوفی ۳۴ھ)

شخصیت

رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص تعلق رکھنے والے صحابی، نانہالی عزیز، ممتاز شرکاء بدر میں سے ایک، اور قبیلہ خزرج کی نجاری شاخ کے فرد زید بن سہیل بن اسود بن خرام بن عمرو بن زید مناۃ بن عدی بن عمرو بن مالک بن النجار، آپ سے روایت کرنے اور استفادہ کرنے والوں میں آپ کے فرزند ابو اسحاق عبد اللہ بن ابی طلحہ، اور آپ کے ربیب خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت زید بن خالد الجہنی زیادہ نمایاں ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ۲۳ رسال زندہ رہے اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ۳۴ھ وفات پائی، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔(۱)

قربانیاں

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ ان برگزیدہ صحابہ میں ہیں جو اپنی مرضی اور اپنی پسند کسی

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۲۷-۲۸

ت پیش نظر نہیں رکھتے تھے، اور اللہ کی پسند اور دین کے تقاضوں کو دیکھتے رہتے، اور اپنی
دیدہ اور مرغوب چیزوں کو قربان کرنے میں دیر نہ لگاتے، چنانچہ جب یہ آیت کریمہ:

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ﴾ (آل عمران:۹۲)

(ہرگز نہ حاصل کرسکو گے نیکی میں کمال جب تک نہ خرچ کرو اپنی پیاری چیز میں سے کچھ اور جو چیز بھی خرچ کرو گے سو اللہ کو خوب معلوم ہے)

نازل ہوئی تو اپنا سب سے قیمتی اور پسندیدہ باغ صدقہ کردیا۔

امام قرطبی اپنی تفسیر "جامع أحکام القرآن" میں اس آیت کے ذیل میں لکھتے
کہ ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے (الفاظ امام نسائی کے ہیں) روایت حضرت انس
اللہ عنہ کی ہے کہ جب یہ آیت: "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ ....." نازل ہوئی تو حضرت ابو
رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"إن ربنا ليسألنا من أموالنا فأشهدك يا رسول الله صلى الله عليه وسلم إني جعلت أرضي لله، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اجعلها في قرابتك في حسان بن ثابت و أبي بن كعب"(۱)

(ہمارے رب کا ہم سے تقاضا ہے کہ ہم اپنا مال اس کی راہ میں خرچ کریں، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ گواہ رہیے میں نے اپنی زمین اللہ کے لیے وقف کردی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو اپنے قرابت داروں، حسان بن ثابت اور ابی بن کعب کو دے دو)

اور مؤطا میں روایت اس طرح ہے:

"و كانت أحب أمواله إليه "البيرحاء" و كانت مستقبلة

مع الاحکام القرآن (تفسیر قرطبی) ۱۳۲/۴

المسجد و كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يدخلها و يشرب من ماء ها الطيب"(۱)

(حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو اپنی جائیدادوں میں سب سے زیادہ پسندیدہ "بیرحاء" کا باغ اور کنواں تھا، جو مسجد نبوی کے رخ پر تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر وہاں تشریف لے جاتے اور اس کا ٹھنڈا پانی نوش فرماتے تھے)

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اس کو بھی اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا۔

ایک حدیث میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ بھی بیان کیا گیا کہ ایک شخص بھوک کی وجہ سے اس حالت میں آئے کہ مارے نقاہت کے سنبھل نہیں پا رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ کوئی ان کی میزبانی کرے، لیکن آس پاس کے لوگوں میں خاموشی رہی، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اپنے گھر گئے، اور اہلیہ ام سلیم رضی اللہ عنہا سے آنحضور صلی اللہ علیہ سلم کا منشاذ کر کیا، جو کچھ تھا وہ ان دونوں اور ان کی اولاد کے لئے بس اتنا تھا کہ کسی طرح کفایت کر جاتا، اس کی ترکیب حضرت ابوطلحہ اور ان کی اہلیہ نے اس طرح کی کہ بچوں کو سلا دیا جائے، اور مہمان کو محسوس نہ ہونے دیا جائے کہ یہاں کچھ کمی ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ چراغ بجھا دیا جائے، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، اور مہمان کو محسوس نہیں ہونے دیا کہ یہاں بھی تنگی تھی، اور آسودہ ہو کر مہمان نے کھانا تناول کیا، اللہ رب العزت کو ان دونوں کی ادا پسند آئی، جس کا اظہار آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح فجر کی نماز کے بعد ان ہی کے سامنے کیا، حدیث شریف کے الفاظ اس طرح ہیں:

متفق علیہ یعنی صحیحین کی روایت ہے:

"عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: جاء رجل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: إني مجهود، فأرسَلَ إلى بعض

(۱) تفسیر قرطبی: ۴/ ۲۷-۲۸، بحوالہ مؤطا امام مالک

نسائه، فقالت: والذی بعثك بالحق ما عندی إلا ماء، ثم أرسل إلی أخری، فقالت: مثل ذلك، وقلن كلهن مثل ذلك، فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم من یضیفه؟ ویرحمه الله، فقام رجل من الأنصار یقال له أبوطلحة فقال: أنا یا رسول الله! فانطلق به إلی رحله فقال لامرأته، هل عندك شیء؟ قالت: لا إلا قوت صبیانی، قال: فَعَلِّلِیهِم بشیء ونوِّمیهم، فإذا دخل ضیفنا فأریه أنّا نأكل، فإذا أهوی بیده لیأكل، فقومی إلی السراج كی تصلحیه فاطفئیه، ففعلت، فقعدوا، فأكل الضیف، وباتا طاویین، فلما أصبح غدا إلی رسول الله صلی الله علیه وسلم، فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم "لقد عجب الله، أو ضحك الله، من فلان أو من فلانة، وفی روایة مثله، ولم یسم أبا طلحة، وفی آخرها فأنزل الله تعالی: ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾(الحشر:۲۸)(۱)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت حاضر ہوا اور کہا: میں بہت پریشان حال اور بھوکا پیاسا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات میں سے کسی کے پاس کہلا بھیجا کہ کھانے میں جو کچھ ہو بھیج دیں، انھوں نے جواب دیا کہ گھر میں پانی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، اسی طرح بقیہ ازواج کے پاس بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہلایا، انھوں نے بھی وہی جواب دیا کہ پانی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، پھر

(۱) متفق علیہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ اس بھوکے شخص کی ضیافت کون کرے گا، اللہ اس پر رحم فرمائے گا! حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ میں یارسول اللہ! اور ان کو لے کر اپنے گھر گئے، اور اہلیہ سے پورا حال بتا کر پوچھا کہ کھانے کو کچھ ہے؟ اہلیہ نے کہا: صرف بچوں کا کھانا رکھا ہوا ہے، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا ان کو بہلا کر سلا دو، اور مہمان کے سامنے کھانا رکھ دینا اور یہ ظاہر کرنا کہ ہم لوگ بھی کھا رہے ہیں، جب مہمان کھانا کھانے لگے تو چراغ کو ٹھیک کرنے کے بہانے اسے بجھا دینا، وہ کھانے کے لیے بیٹھے تو اہلیہ نے ایسا ہی کیا، مہمان نے کھانا کھالیا اور ان دونوں نے بھوکے ہی رات گزار دی، صبح مہمان کو لے کر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تعجب کا اظہار فرمایا، یا فرمایا کہ: فلاں یا فلانہ کے عمل پر اللہ کو ہنسی آگئی، دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطلحہ کا نام نہیں لیا، روایت کے آخر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت نازل فرمائی جو صحابہ کرام کی تعریف میں ہے کہ ''وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں خواہ وہ خود فقر و فاقہ سے ہی کیوں نہ ہوں'')

جہاد کا شوق اور ایک کھلی کرامت کا ظہور

حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کی ایک صفت یہ بھی تھی کہ وہ عقبہ کی رات کے ۱۲ نقیبوں میں سے ایک تھے، اور یہ کہ جہاد ان کو بڑا محبوب رہا، جب آخر عمر میں ان کی اولاد نے ان سے یہ عرض کیا کہ آپ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء

حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں جہاد کرتے رہے، اور غزوات میں حصہ لیتے رہے، آپ نے اس میں کوتاہی نہیں کی اب آپ عمر کے اس مرحلہ میں نہیں ہیں ہم لوگ آپ کی طرف سے جہاد کرتے ہیں، وہ اس پر راضی نہیں ہوئے اور سمندر کے راستے جہاد کے لئے نکلے اور اسی میں ان کی وفات ہوئی۔

ابن عبدالبر نے حماد بن سلمہ کے طریق سے حضرت ثابت بنانی اور علی بن زید کے واسطوں سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ:

"خرج أبو طلحة فغزا البحر فمات فی السفينة فلم يجدوا مكاناً يدفنونه فيه، فانتظروا به سبعة أيام حتى وجدوا له بعد سبع مكاناً فدفنوه به وهو لم يتغير"(۱)

(حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے سمندر میں جہاد کیا، اور دوران جہاد کشتی پر ہی وفات پا گئے، خشکی یا کوئی جزیرہ قریب نہیں تھا جہاں ان کو دفن کرتے، سات دن بعد ایک جزیرہ میں ان دفن کیا گیا اور نعش صحیح سالم تھی، اس میں ذرا بھی تغیر نہیں ہوا تھا)

چند نمایاں اور اہم خصوصیات

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی خصوصیات میں چند اہم خصوصیات یہ ہیں:

پہلی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے نکاح کا مہر اسلام قرار پایا تھا، اس کا واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام دیا، اس وقت حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اسلام نہیں لائے تھے، پیغام نکاح کے جواب میں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

"ما مثلك يرد ولكنك امرء كافر، ولا أريد مهراً إلا الإسلام، قال: فمن لی بذلك؟ قالت: النبی صلى الله عليه وسلم،

---

(۱) استیعاب: ۲/۱۲۳

فانطلق يريده فقال النبي صلى الله عليه وسلم: "جاء كم أبو طلحة وغرة الإسلام بين عينيه"(۱)

(آپ جیسا رشتہ واپس نہیں کیا جاتا، لیکن ابھی آپ کافر ہیں، اگر آپ اسلام قبول کرلیں تو آپ کے اسلام کو ہی میں اپنا مہر تسلیم کرلوں گی، انھوں نے کہا: اس بات کا ذمہ کون لے گا؟ انھوں نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، تو آپ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو فرمایا: ابوطلحہ اس حال میں حاضر ہورہے ہیں کہ ان کی پیشانی پر اسلام کا نشان چمک رہا ہے)

امام ذہبی کہتے ہیں پھر اسی پر ان کا نکاح حضرت ام سلیمؓ سے ہوا۔

اس سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ اسلام لانے کا سبب خواہ کچھ بھی ہو سبب نہ دیکھا جائے، بلکہ یہ دیکھا جائے کہ انہوں نے اللہ کی الوہیت وربوبیت اور اس کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت وختم نبوت کا اقرار کرلیا ہے۔

دوسری خصوصیت ان کی یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے سانحہ عظیم کے بعد روزے سے رہنے لگے تھے، صرف عید الفطر اور عید الاضحیٰ (یعنی قربانی کی تاریخوں) میں روزہ نہ رکھتے۔

تیسری خصوصیت ان کی تیر اندازی میں مہارت تھی، جس سے انھوں نے دشمن کا زبردست مقابلہ کیا، بہت سے دشمن ان کے تیروں سے ہلاک ہوئے، خاص طور سے جنگ احد اور غزوۂ حنین میں ان کا یہ کمال کھل کر سامنے آیا۔

حضرت ثابت (حضرت انس بن مالک کے خاص شاگرد وصحبت یافتہ حضرت انس سے روایت کرتے ہیں:

"إن أبا طلحة كان يرمي بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم أحد، وكان رجلاً رامياً، وكان رسول الله صلى

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۲/۳۰

اللّٰہ علیہ وسلم إذا رمی أبو طلحة، رفع بصره ینظر أین یقع سهمه، وکان یدفع صدر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم بیده، ویقول: یا رسول اللّٰہ هکذا، لا یصبك سهم"(۱)

(حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے ڈھال بن کر تیر چلا رہے تھے، وہ بڑے ماہر تیر انداز تھے، جب وہ تیر چلاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھنے کی کوشش کرتے کہ تیر کسے لگ رہا ہے، تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کو اپنے ہاتھ سے اوٹ کر لیتے اور کہتے یا رسول اللہ! اسی طرح رہیے تا کہ آپ کو کوئی تیر نہ لگنے پائے اور آپ محفوظ رہیں)

چوتھی خصوصیت ان کی گرجدار آواز تھی، لشکر میں جب وہ دہاڑتے تو مشرکین کے حوصلے پست ہوجاتے، ان کی اس خصوصیت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعریف فرمائی ہے، حضرت سفیان ثوری حضرت عبداللہ بن عقیل سے اور وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ یا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

"قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: لصوت أبی طلحة فی الجیش خیر من ألف رجل"(۲)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لشکر میں ابوطلحہ کی آواز ہزار آدمیوں پر بھاری ہے)

اور حماد بن سلمہ حضرت ثابت بنانی سے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

"قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: لصوت أبی طلحة أشد علی المشرکین من فئة"(۳)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوطلحہ کی آواز مشرکین پر

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۲/۳۱ (۲) بحوالہ حاکم (۳) سیر اعلام النبلاء: ۲/۳۲

ایک جماعت سے بھاری ہے)

پانچویں خصوصیت ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جذبہ فدائیت تھا، جو احد میں صاف طور پر ظاہر ہوا، ایک وقت ایسا آیا کہ تنہا وہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باقی رہ گئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ڈھال بن کر کہہ رہے تھے:

نفسی لنفسك الفداء

ووجهی لوجهك الوقاء

(میری جان آپ پر قربان ہے، اور میرا چہرہ آپ کے چہرہ کے لیے ڈھال ہے)

اور دشمنوں پر تیر چلانے شروع کیے اور اس میں ان کی دو تین کمانیں ٹوٹ گئیں، سامنے ایک مجاہد صحابی کے پاس تیر کا ترکش تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا:

"انثرها لأبی طلحة"(۱) (یہ ابوطلحہ کو دے دو)

چھٹی خصوصیت اہلیہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے ان کا بہترین تال میل تھا، جو ہر چھوٹے بڑے موقع پر ظاہر ہوتا، اور دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء پورا کرنے میں ایثار و قربانی میں برابر کے شریک ہوتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مہمان کی مہمان نوازی کا واقعہ پیچھے گزر چکا ہے کہ کس طرح دونوں نے بھوکے رہ کر رات گزاری اور اپنے بچوں کا کھانا مہمان کو پیش کر دیا، اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اس جذبۂ ایثار سے وحی کے ذریعہ آگاہ فرمایا، اور ان کی تعریف میں آیات مبارکہ کا نزول فرمایا۔

ساتویں خصوصیت یہ کہ جیسے قرآن مجید کا کوئی حکم آتا اسی وقت اس پر عمل کرنے کے لیے بے قرار ہو جاتے، چنانچہ جب آیت ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ (۲) نازل ہوئی تو اپنا قیمتی اور سب سے پسندیدہ باغ خیرات کر دیا اور آیت کریمہ ﴿انْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (۳) کی تلاوت کر رہے تھے، اس پر عمل کا ایسا جذبہ طاری ہوا کہ جہاد کے لیے

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۲/۳۲ (۲) آل عمران: ۹۲ (۳) سورۂ توبہ/ ۴۱

نکل پڑے، حالانکہ وہ اس وقت بوڑھے ہو چکے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں اور خلفاء راشدین کے ساتھ بھی جہاد میں برابر حصہ لیتے رہے تھے، جس کا تذکرہ گذر چکا ہے، گھر والوں کے سمجھانے کے باوجود نہ مانے اور جہاد کے لیے نکل پڑے، چنانچہ جہاد کے راستہ میں وفات پائی۔

آٹھویں خصوصیت یہ کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دین کی نسبت اور صحابہ کی خدمت کی وہ سعادتیں حاصل ہوئیں جو کم لوگوں کے حصہ میں آئی ہیں، اور بعض موقعوں پر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عنداللہ ان کے عمل کی قبولیت کے اشارے بھی دیئے۔

نویں خصوصیت یہ کہ ان کو بڑی سعادت یہ بھی حاصل ہوئی کہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی اور پھر حلق فرمایا اور یہ خدمت حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوئی اور موئے مبارک بھی ان کو عنایت فرمائے جو انھوں نے لوگوں میں تقسیم کر دیئے، صحیح مسلم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو موئے مبارک عنایت فرمائے اور فرمایا کہ ان کو لوگوں میں تقسیم کر دو۔(۱)

دسویں خصوصیت یہ کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مختلف کاموں کو اچھے ڈھنگ سے کرنا جانتے تھے، لحدی قبر کھودنے میں بڑے ماہر تھے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک بنانے کی سعادت ان کو ہی حاصل ہوئی۔

یہ دس ایسی خصوصیتیں اور امتیازات ہیں جن میں وہ اپنی الگ شان رکھتے ہیں اور یہ خصوصیات ان کے دین میں رسوخ وکمال کی طرف واضح اشارہ کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی خصوصیات اور کارنامے ہیں، آپ سے صحابہ کرام کی ایک جماعت نے بھی استفادہ کیا ہے، جن میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جو کہ آپ کے ربیب یعنی آپ کی زوجہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے تھے، اور آپ دونوں نے انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت وکفالت میں دے دیا تھا، جو ان دونوں کے لیے عظیم صدقہ جاریہ ہیں۔

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب بیان السنة یوم النحر

نقیب اسلام

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ

(وفات ۳۴ھ)

نسب(۱)

عبادۃ بن الصامت بن قیس بن اصرم بن فہر بن ثعلبہ بن غنم بن عوف بن
بن عوف بن الخزرج الانصاری۔(۲)

مقام وشخصیت

حضرت ابو الولید عبادہ بن الصامت خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ جلیل الق
صحابہ کرام میں ہیں، بیعت عقبہ، بدر و اُحد اور دوسرے غزوات میں شریک رہے
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ سے خاص تعلق تھا، جو کتب حدیث وسیر سے مختلف مناسبت
احوال سے معلوم ہوتا ہے، ان کی اہلیہ حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دلداری فرمائی تھی اور ایک غزوہ میں شرکت کی بشارت دی تھی،
آپ کی وفات کے ایک عرصہ کے بعد پیش آیا، اس میں وہ حضرت عبادہ کے سا
شریک ہوئیں اور اسی میں وفات پائی۔(۳)

---

(۱) تفصیل ملاحظہ ہو: مسند أحمد: ۵/۱۱۴، الاستیعاب: ۲/ ۸۰۷، الاصابہ: ۵/۳۲۲، سیر أعلام النبلاء: ۲/ د
(۲) البدایہ والنہایہ: ۳/ ۴۰۱، نسخہ محقق قطر
(۳) صحیح البخاری، کتاب الجہاد، باب فضل من یسرع فی سبیل اللہ: ۲۷۹۹، میں تفصیل دیکھئے

تعلیم قرآن کریم کے لیے جب والی شام حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے خلیفۃ المسلمین امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ماہرین قرآن کریم کا مطالبہ کیا تو آپ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ اور حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کو شام بھیجا، اور حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیت المقدس (فلسطین) کے قاضی مقرر کیے گئے، حضرت یزید بن ابی سفیان آپ کا بڑا خیال رکھتے تھے۔

حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جب ان کے بھائی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کا والی مقرر کیا تو انہوں نے بھی حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کا بڑا خیال رکھا اور ان کی امتیازی شان کی حامل زندگی اور فضیلت و مرتبہ کی قدر فرمائی۔

چونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے روم کے زیر اثر رہنے کی وجہ سے مصالح اسلام اور مصالح امت کو پیش نظر رکھ کر بہت سے ایسے فیصلے لیتے تھے جس سے بہت سے علمائے صحابہ اتفاق نہیں کرتے تھے، اور خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک ذی بصیرت عالم، بڑے ذہین اور خیر خواہ امت والی (حاکم) تھے، اس لیے وہ اپنے ان فیصلوں کو جن سے بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اتفاق نہ ہوتا واپس لینا امت کی مصلحت کے خلاف سمجھتے تھے، یہ ایک بڑا سبب تھا کہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کو شام چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا تھا، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو واپس شام جانے کو کہا اور فرمایا:

"ارحل الی مکانك فقبح الله أرضا لست فیها و أمثالك فلا امرة علیك"(۱)

(کہ اپنے مقام پر جایئے، ایسی زمین کا اللہ برا کرے جہاں آپ اور آپ جیسے لوگ نہ رہیں، جایئے! آپ پر کوئی امیر نہیں)

---

(۱) تاریخ اسلام، ذہبی: ۳/۴۳۲

لیکن خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے شکایت آنے پر ان کو واپس بلالیا اور وہ مدینہ منورہ آگئے، مگر وہ اس وجہ سے زیادہ دن ٹھہر نہیں سکے کہ مدینہ طیبہ کے حالات بلوائیوں نے بڑے خراب کردیئے تھے، اور واپس بیت المقدس چلے گئے، اور گوشہ عافیت اختیار کرکے زندگی کے باقی ایام گذارے جو تعلیم وعبادت سے عبارت رہے۔(۱)

علمی ودینی حیثیت

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ جماعت صحابہ میں ایک جامع کمالات شخصیت تھے، ان کا شمار قراء صحابہ، حفاظ صحابہ، فقہاء صحابہ، معلمین صحابہ، دعاۃ صحابہ، مربیین صحابہ، زہاد صحابہ سبھی میں ہوتا ہے، جس طبقہ میں انہیں رکھا جائے گا، اس میں وہ اپنی امتیازی شان کے ساتھ ظاہر ہوں گے، مؤرخ اسلام علامہ شبلی نعمانیؒ لکھتے ہیں:

"صحابہ میں پانچ بزرگ تھے، جنہوں نے قرآن مجید کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پورا یاد کرلیا تھا، معاذ بن جبل، عبادہ بن الصامت، ابی بن کعب، ابوایوب، ابودرداء رضی اللہ عنہم۔"(۲)

علم حدیث کی خدمت واشاعت میں بھی حضرت عبادہ بن الصامت کا مرتبہ کم نظر نہیں آتا، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جن حضرات صحابہ کو خصوصی اہمیت دی اس میں ایک نام حضرت عبادہ بن الصامت کا بھی ہے۔

علامہ شبلی نعمانیؒ حضرت فاروق اعظم کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

"صحابہ میں جو لوگ فن حدیث کے ارکان تھے، ان کو مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کے لیے بھیجا، شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

چنانچہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ عبداللہ بن مسعود را باجمعے بکوفہ فرستاد، و

---

(۱) ملاحظہ ہو: الخلفاء الراشدون، از: امام ذہبی، (تذکرہ عبادہ بن الصامت خلافت سیدنا عثمان)

(۲) الفاروق، ص: ۲۸، مکتبہ امدادیہ دیوبند

معقل بن یسار وعبداللہ بن مغفل وعمران بن حصین رابہ بصرہ، وعبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ وابودرداء رابشام وبمعاویہ بن ابی سفیان کہ امیر شام بود قدغن بلیغ نوشت کہ از حدیث ایشاں تجاوز نکند''(۱)

(چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن مسعود کو ایک جماعت کے ساتھ کوفہ اور معقل بن یسار، عبداللہ بن معقل اور عمران بن حصین کو بصرہ اور عبادہ بن صامت اور ابودرداء کو شام اور معاویہ بن ابی سفیان جو کہ امیر شام تھے، اہم ممانعت لکھ کر بھیجی کہ ان حضرات کی احادیث سے تجاوز نہ کریں)

جہاں تک فقہ اور تعلیم فقہ کا تعلق ہے، اس میں بھی ان کو نمایاں مقام حاصل تھا، اور قضا کی خدمت بھی انجام دی، علامہ شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ:

''یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جن لوگوں کو تعلیم فقہ کے لیے منتخب کیا تھا، مثلاً: معاذ بن جبل، ابودرداء، عبادہ بن الصامت، عبدالرحمٰن بن غنم، عمران بن حصین، عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہم تمام جماعت اسلام میں منتخب تھے''۔(۲)

نقابت

نقیب ونقابت کی اصطلاح حضرات انصار رضی اللہ عنہم کے مکہ معظمہ میں آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت وملاقات کرنے اور اسلام قبول کرنے اور پھر ان میں سے بارہ اشخاص کا بطور نقیب قوم کے انتخاب کرنے سے سامنے آئی، علامہ ابن کثیر کہتے ہیں:

''شب عقبہ میں انصار کے ستر افراد تھے، اور ان کے نقیب بارہ منتخب ہوئے، نو خزرج کے تھے اور تین اوس کے''

اور وہ ایک انصاری بزرگ کی روایت نقل کرتے ہیں:

---

(۱) الفاروق: ۳۱۳ (۲) الفاروق: ۲۵۴

"أن جبرئيل عليه السلام كان يشير الى رسول الله ﷺ الى من يجعله نقيبا ليلة العقبة"(۱)

اس سے پہلے کا مرحلہ بیعت کا تھا، یہ بیعت ایک طرف بیعت اسلام تھی تو دوسری طرف بیعت سلوک واحسان تھی، اور رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی یہ خصوصیت تھی کہ اس سے ایک ایسی روشنی منتقل ہوتی تھی جو مدارج احسان طے کرادیتی تھی، چنانچہ ان میں سے بارہ کا انتخاب نقیب کے طور پر کیا گیا، اور نقیبوں سے رسول اللہ ﷺ نے جو بات فرمائی وہ علامہ ابن کثیر نے امام ابن اسحاق کے حوالہ سے اس طرح بیان کی ہے:

"أن رسول الله ﷺ قال للنقباء؛ أنتم على قومكم بما فيهم كفلاء ككفالة الحواريين لعيسى بن مريم وأنا كفيل "على قومي" قالوا؛ نعم"(۲)

(کہ رسول اللہ ﷺ نے نقیبوں سے فرمایا: تم اپنی قوم کے کفیل ہو، جیسے حواری ابن مریم کی کفالت کرتے تھے اور میں اپنی قوم کا کفیل ہوں ان سب نے کہا: بالکل درست ہے)

اس میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے بیعت کے لیے ہاتھ دینے کی سعادت کسے حاصل ہوئی، بنونجار کا خیال تھا کہ یہ خوش نصیب حضرت اسعد بن زرارہ تھے، بنو عبدالاشہل حضرت ابوالہیثم بن التیہان کا نام لیتے تھے، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ براء بن معرور تھے، بنوسلمہ حضرت کعب بن مالک کا نام لیتے تھے(۳) یہ کعب بن مالک وہ عظیم القدر صحابی ہیں، جن کو غزوۂ تبوک میں پیچھے رہنے کی وجہ سے ایک آزمائش سے گذرنا پڑا، مگر پھر وہ بشارت عظمی حاصل کی کہ قرآن کریم نے ان کی قبولیت کا تذکرہ کیا، انہوں نے بیعت عقبہ کا ذکر اس طرح کیا ہے جسے امام

(۱) البدایہ والنہایہ: ۳/۴۲۰، نسخہ محقق، ۲۰۱۵، قطر وزارۃ الاوقاف، بحوالہ بیہقی، دلائل النبوہ: ۲/۴۵۳
(۲) البدایہ والنہایہ: ۳/۴۲۰، نسخہ محقق، ۲۰۱۵، قطر وزارۃ الاوقاف، بحوالہ بیہقی، دلائل النبوہ: ۲/۴۵۳، سیرۃ ابن ہشام: ۱/۴۴۶، میں یہ روایت دیکھی جاسکتی ہے۔ (۳) بحوالہ سابق

بخاری وامام مسلم نے صحیحین میں بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں؛

"ولقد شهدت مع رسول الله ﷺ ليلة العقبة حين تواثقنا على الاسلام، و ما أحب أن لى بها مشهد بدر، وان كانت بدر أذكر فى الناس منها"(۱)

(اور میں رسول اللہ ﷺ کے پاس عقبہ کی رات تھا، جب ہم لوگوں نے اسلام پر مضبوطی سے جمنے کا عہد و میثاق کیا، مجھے مشہد بدر سے زیادہ وہ موقع عزیز رہا، اگر چہ لوگ بدر کو اس سے زیادہ اہم سمجھتے ہیں)

البتہ ان اولین بیعت کرنے والوں میں ممتاز صحابی اور پھر نقیب منتخب کیے جانے والوں میں جلیل القدر نقیب اسلام حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ اس کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں، جسے امام بیہقی نے روایت کیا ہے:

"انا بايعنا رسول الله ﷺ على السمع والطاعة فى النشاط والكسل والنفقة فى العسر واليسر وعلى الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر وعلى أن نقول فى الله لا تأخذنا فيه لومة لائم وعلى أن ننصر رسول الله ﷺ اذا قدم علينا يثرب مما نمنع منه أنفسنا وأزواجنا وأبناء نا ولنا الجنة، فهذه بيعة رسول الله ﷺ التى بايعناه عليها"(وهذا اسناد جيد قوى ولم يخرجوه)(۲)

(ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی، سمع و طاعت پر خواہ نشاط ہو یا نہ ہو، اور خرچ کرنے پر خوشحالی ہو یا تنگ دستی، اور اس پر کہ رسول اللہ ﷺ کے یثرب تشریف لانے پر نصرت کریں گے، ان سب چیزوں سے جن سے اپنا اپنے گھر والوں کا تحفظ کرتے ہیں اور

---

(۱) البدایہ والنہایہ: ۳/ ۴۲۰-۴۲۱ ط؛ قطر، بحوالہ صحیح البخاری وصحیح مسلم

(۲) دلائل النبوۃ للامام البیہقی: ۲/ ۴۲۱-۴۲۲، البدایہ والنہایہ للامام ابن کثیر: ۳/ ۴۲۳

اس کا بدلہ جنت ہے، یہ تھی رسول اللہ ﷺ کی بیعت جس پر ہم لوگوں نے اس وقت بیعت کی تھی) (اور یہ جید قوی سند ہے مگر اس کی تخریج نہیں ہوئی)

ابن اسحاق کہتے ہیں جب وہ انصار جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عقبہ ثانیہ کی رات کو بیعت کی تھی مدینہ واپس ہوئے تو اسلام کو وہاں جا کر ظاہر کیا، اور پھر جن لوگوں نے ان کی محنت سے اسلام قبول کیا ان میں خصوصیت سے حضرت عمرو بن الجموح کا نام لیا ہے جو بنو سلمہ کے شیوخ میں تھے۔(۱)

انصار میں اسلام کی ابتداء ۱۰ نبوی میں ہوئی، اس کا سبب علامہ شبلی نعمانیؒ نے یہ لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ حج کے زمانہ میں رؤسائے قبائل کے پاس جا کر تبلیغ اسلام فرمایا کرتے تھے، اس سال رجب ۱۰ نبوی میں بھی آپ متعدد قبائل کے پاس تشریف لے گئے، عقبہ کے پاس جہاں اب مسجد العقبہ ہے خزرج کے چند اشخاص آپ ﷺ کو نظر آئے، آپ نے ان سے نام ونسب پوچھا، انہوں نے کہا: خزرج، آپ نے دعوت اسلام دی، اور قرآن مجید کی آیتیں سنائیں، ان لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، اور کہا: دیکھو! یہود ہم سے اولیت میں بازی نہ لے جائیں، یہ کہہ کر سب نے ایک ساتھ اسلام قبول کیا، یہ چھ شخص تھے۔(۲)

مکہ معظمہ میں انصار کے اسلام لانے کو حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ نے تین مرحلوں میں اس طرح ذکر کیا ہے:

"اصل صورت یہ ہے کہ چھ یا آٹھ آدمی جو شروع شروع میں اسلام لائے، ان کے واقعہ قبول اسلام کا عنوان بیعت عقبہ اولیٰ نہیں ہے، بلکہ ابتدائے اسلام انصار ہونا چاہیے اور دوسرے سال جب کہ گیارہ بارہ حاضر خدمت ہوئے یہ بیعت عقبہ اولیٰ ہے، (۳) حضرت عبادہ

---

(۱) ایضاً: ۳/۴۲۴ (۲) سیرۃ النبی: جلد اول، صفحہ: ۱۸۷، یادگار ایڈیشن ۲۰۱۴ء، دار المصنفین
(۳) بحوالہ سیر حلبیہ: ۲/۸

بن الصامت نے بصراحت فرمایا ہے: "کنا أحد عشر فی العقبة الأولی من العام المقبل"(۱)

اس روایت میں حضرت عبادہ "العام المقبل" میں بیعت عقبہ اولی کا ہونا فرماتے ہیں، اور اس میں گیارہ آدمیوں کے ہونے کی صراحت فرماتے ہیں، اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس سے پہلے جو لوگ آکر اسلام قبول کر چکے تھے، اس کا تعلق بیعت عقبہ اولی سے نہیں ہے۔

جن لوگوں نے انصار کے ابتدائے اسلام کے واقعہ کا نام عقبہ اولی رکھا ہے، وہ تین بیعت عقبہ کا عنوان دیتے ہیں، یعنی ایک یہ بیعت عقبہ اولی، دوسری وہ بیعت عقبہ جس میں گیارہ بارہ آدمی اسلام لائے، اور تیسری وہ بیعت عقبہ جس میں ۷۳ افراد مشرف بہ اسلام ہوئے، اور یہ تینوں واقعے ایک ایک سال کے فصل سے حج کے موسم میں پیش آئے، اور جن لوگوں نے انصار کے ابتدائے اسلام کے واقعہ کو صرف ابتدائے اسلام انصار کے عنوان سے ذکر کیا ہے، انہوں نے گیارہ آدمیوں والی بیعت کو بیعت عقبہ اولی اور ۷۳ آدمیوں والی بیعت کو بیعت عقبہ ثانیہ کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔"(۲)

البتہ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ پہلے مرحلہ میں اسلام لانے والوں کی ۔ میں مختلف روایات کو تطبیق دے کر حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کا نام ۔ شامل کرتے ہیں:

"ان لوگوں کی تعداد بعضوں نے آٹھ بیان کی ہے، اسعد بن زرارہ اور ابوالہیثم کا پہلے سے موجود ہونا، ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے، واقدی کا بیان ہے کہ اسعد بن زرارہ اس واقعہ سے پہلے مکہ

مستدرک: ۲/۶۶۴، حیدرآباد دکن

) سیرۃ النبی: ۱/۱۸۷، یادگار ایڈیشن ۲۰۱۴ء، دار المصنفین

(معظمہ) میں جا کر آنحضرت ﷺ پر ایمان لا چکے تھے، بعضوں نے ابوالہیثم بن تیہان کی جگہ عقبہ بن عامر بن نابی کا نام لیا ہے، اور بعض نے جابر بن ریاب کے بجائے عبادہ بن صامت کو جگہ دی ہے، علامہ ابن کثیر نے حضرت موسیٰ بن عقبہ کی بات زہری اور حضرت عروہ بن الزبیر کے حوالہ سے بصراحت آٹھ کی لکھی ہے کہ:

"ان أول اجتماعه عليه السلام كانوا ثمانية وهم معاذ بن عفراء، وأسد بن زرارة و رافع بن مالك وذكوان (وهو ابن عبد قيس) وعبادة بن الصامت وأبو عبد الرحمن بن يزيد بن ثعلبة وأبو الهيثم بن تيهان و عويم بن ساعدة"(۱)

۱۲ھ میں جسے بیعت عقبہ ثانیہ کا سال کہا گیا، انصار کے ۷۲ شخص حج کے زمانہ میں بہ مقام منیٰ پہنچے، اور رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر شرف بیعت حاصل کیا تھا، ان میں سے ۱۲ نقیب منتخب فرمائے تھے، جس کا ذکر پچھلی سطروں میں گذر چکا ہے، حضرت کعب بن مالک کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے عدد اپنی متعین کی اور انتخاب انصار پر چھوڑا، وہ نام یہ ہیں جو ابن ہشام نے حضرت کعب بن مالک کے اشعار کے ذریعہ پیش کیے ہیں اور ابن کثیر نے بھی تاریخ میں نقل کیے ہیں:

۱- حضرت اسید بن حضیر (اوس)

۲- حضرت ابوالہیثم بن تیہان (اوس)

۳- حضرت سعد بن خیثمہ (اوس)

۴- حضرت اسعد بن زرارہ (خزرج)

۵- حضرت سعد بن الربیع (خزرج

۶- حضرت عبداللہ بن رواحہ (خزرج)

۷- حضرت سعد بن عبادہ (خزرج)

---

(۱) البدایہ والنہایہ: ۳/۴۰۱، نسخہ محقق، ط: وزارۃ الاوقاف، قطر ۲۰۱۵

۸-حضرت منذر بن عمرو بن خنیس (خزرج)

۹-حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام (خزرج)

۱۰-حضرت عبادہ بن صامت (خزرج)

۱۱-حضرت براء بن معرور (خزرج)

۱۲-حضرت رافع بن مالک رضی اللہ عنہم اجمعین (خزرج)(۱)

یہ تھے وہ بارہ خوش نصیب انصاری صحابی جن میں نو خزرج کے اور تین اوس کے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقیب اور اپنی ذمہ داری کے باعث جو دربار نبوت سے انہیں تعلیم ودعوت وتربیت وارشاد اور قوم کی خبر گیری اور کفالت وولایت کی عطا ہوئی تھی، ایک طرح سے منصب خلافت تھی جو علاقہ اور قوم و برادری کے حالات کے پیش نظر خدمت اسلام ودین کے لیے دی گئی تھی، یہ تھا کام اسلام کے نقیبوں کا اور ذمہ داری اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء جنہوں نے وہاں جا کر اس ذمہ داری کی ادائیگی کا کام جس کمال امانت و دیانت اور علم وعقل سے کیا وہ بے نتیجہ خیز نہ رہا، سیرت نگار رسول صلی اللہ علیہ وسلم علامہ شبلی نعمانیؒ اس سلسلہ میں اپنے مطالعہ کا نچوڑ اس طرح پیش کرتے ہیں:

> ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن باتوں پر انصار سے بیعت لی یہ تھیں؛ شرک، چوری، زنا، قتل اولاد اور افتراء کے مرتکب نہ ہوں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے جو اچھی بات کہیں گے اس سے سرتابی نہ کریں گے''(۲)

جب انصار بیعت کر رہے تھے تو اسعد بن زرارہؓ نے کھڑے ہو کر کہا: بھائیو! یہ بھی خبر ہے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ عرب وعجم اور جن وانس سے اعلان جنگ ہے، سب نے کہا: ہاں ہم اسی پر بیعت کر رہے ہیں۔

بارہ شخص جو نقیب انتخاب کیے گئے رئیس القبائل تھے، ان کا اسلام قبول کرنا تمام

---

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۱/ ۴۴۵، البدایہ والنہایہ: ۳/ ۴۱۸-۴۱۹

(۲) بحوالہ صحیح البخاری، (باب وفود الانصار الی النبی بمکۃ وبیعۃ العقبۃ)

انصار کا اسلام قبول کرنا تھا، صبح کو اس بیعت کی اڑتی سی خبر پھیلی، قریش انصار کے پاس آئے اور شکایت کی، انصار کے ساتھ جو بت پرست تھے، ان کو اس بیعت کی خبر نہ تھی، انہوں نے تکذیب کی کہ "ایسا ہوتا تو ہم سے کیوں کر چھپ سکتا تھا"۔

مدینہ میں اسلام کو پناہ حاصل ہوئی، تو آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو اجازت دی کہ مکہ سے ہجرت کر جائیں، قریش کو معلوم ہوا تو انہوں نے روک ٹوک شروع کی لیکن.....لوگوں نے ہجرت شروع کر دی، رفتہ رفتہ اکثر صحابہ چلے گئے۔(۱)

ابن اسحاق نے پہلے وفد کے ہی مدینہ میں جا کر اسلام کے تئیں ان کی ناقابل فراموش خدمات کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے:

"فلما قدموا المدينة الى قومهم ذكروا لهم رسول الله ﷺ ودعوهم الى الاسلام حتى فشا فيهم فلم يبق دار من دور الانصار الا وفيها ذكر رسول الله ﷺ حتى اذا كان العام المقبل وافى الموسم من الأنصار اثنا عشر رجلا"(۲)

(مدینہ اپنی قوم کے پاس واپس جا کر رسول اللہ ﷺ کا چرچا کیا، اور اسلام کی دعوت دی تو اسلام ایسا پھیلا کہ کوئی انصاری گھر باقی نہ بچا، جہاں رسول اللہ ﷺ کا چرچا نہ ہو، آنے والے سال میں پھر بارہ لوگوں کا وفد یہاں سے انصاریوں کا منی پہنچا)

ان بارہ لوگوں میں بھی حضرت عبادہ بن الصامت اور حضرت اسعد بن زرارہ تھے جو پہلے مدنی وفد میں بھی شریک تھے، اور پھر اس بدلے رکنی وفد میں بھی شریک رہے جس سے ۱۲ نقیب چنے گئے، اور ان بارہ میں بھی یہ دونوں بزرگ شامل تھے۔(۳)

---

(۱) سیرۃ النبی، یادگار ایڈیشن ۲۰۱۴، دار المصنفین جلد اول، صفحہ: ۱۹۰

(۲) البدایہ والنہایہ: ۳/۴۰۱، ط؛ قطر (۳) ان تینوں وفد کے افراد کے ناموں کی تفصیل اور اس سے متعلق دیگر تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: البدایہ والنہایہ: ۳/۴۰۰-۴۲۸، ط؛ وزارۃ الاوقاف قطر

بیعت سلوک واجازت تعلیم وتلقین

ایک دوسری بیعت کا وہ ذکر کرتے ہیں، جس کو امام محمد بن اسماعیل البخاریؒ نے اپنی کتاب ''الجامع الصحیح'' میں ذکر کیا ہے:

ابوادریس عائذ اللہ بن عبداللہ یہ جلیل القدر تابعی حضرت ابوادریس خولانی ہیں، اوران کے راوی امام زہری ابن اسحاق نے اس کی تصریح کی ہے، کہتے ہیں کہ حضرت عبادہ بن الصامت جو کہ بدری صحابی ہیں، اور لیلۃ العقبۃ کے نقباء میں سے بھی ہیں، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور جب وہ فرمارہے تھے تو ان کے آس پاس صحابہ (رضی اللہ عنہم) تھے کہ:

"بايعوني على أن لا تشركوا بالله شيئا، ولا تسرقوا ولا تزنوا ولا تقتلوا أولادكم ولا تأتوا ببهتان تفترونه بين أيديكم وأرجلكم ولا تعصوا في معروف فمن وفى منكم فأجره على الله ومن أصاب من ذلك شيئا فعوقب في الدنيا فهو كفارة له، ومن أصاب من ذلك شيئا ثم ستره الله عليه فهو الى الله ان شاء عفا عنه وان شاء عاقبه فبايعناه على ذلك"(۱)

(مجھ سے بیعت کرو اس بات پر کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے، اور نہ چوری کرو گے اور نہ زنا کرو گے، اور نہ اپنی اولاد کا خون کرو گے اور نہ بہتان باندھو گے، اور نہ ہی منکرات کا ارتکاب کرو گے، جس نے تم میں عہد کو پورا کیا وہ کفارہ ہو جائے گا، اور جس کے ساتھ اللہ نے ستاری کا معاملہ کیا دنیا میں اللہ پر ہے کہ آخرت میں معاف کردے یا پکڑ کرے، اس پر ہماری بیعت تھی)

مختلف مقامات پر امام بخاری نے اس حدیث کا مضمون ذکر کیا ہے، صاحب مجمع

---

(۱) کتاب الایمان، باب بغیر الترجمہ: ۱۸

البخاری نے لکھا ہے کہ:

"وكان ﷺ قد جعل ليلة العقبة كل واحد من الجماعة المبايعين نقيبا على قومه ليأخذ عليهم الاسلام ويعرفهم شرائعه وكانوا اثنى عشر رجلا من الأنصار وهم سباق الأنصار الى الاسلام"(۱)

(آپ ﷺ نے لیلۃ العقبہ میں جن لوگوں سے بیعت کی ان کے ہر گروپ کا ایک ذمہ دار بنایا جوان سے اسلام کی بیعت لے اور اس کے احکام سے ان کو واقف کرائے، یہ بارہ ذمہ دار تھے جو انصار سے تعلق رکھتے تھے، اور انصار میں سب سے پہلے ایمان لائے تھے)

مسند الہند حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ تراجم ابواب بخاری میں کہتے ہیں:

"النقباء جمع نقيب وهو الناظر على القوم وصنيعهم، اعلم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يعرض نفسه على القبائل فى كل موسم فبينا هو عند العقبة اذ لقى رهطا من الخزرج، فقال: ألا تجلسون أكلكم، قالوا: بلى، فجلسوا، فدعاهم الى الله عزوجل، وعرض عليهم الاسلام، وتلا عليهم القرآن، فأجابوا، فلما انصرفوا الى بلادهم وذكروه لقومهم، فشا أمر رسول الله ﷺ، فأتى فى العام القابل اثنا عشر رجلا الى الموسم من الأنصار، أحدهم عبادة بن الصامت، فلقوا رسول الله ﷺ بالعقبة، وهى بيعة العقبة الأولى، فبايعوا، ثم انصرفوا وخرج فى العام القابل الآخر سبعون رجلا منهم الى الحج، فواعدهم رسول الله ﷺ بالعقبة أوسط أيام التشريق، فأتى رسول الله ﷺ مع عمه

(۱) حاشیہ سہارنپوری

العباس لا غير، فتكلم رسول الله ﷺ داعيا الى أمر الله، مرغبا الى الاسلام، تاليا للقرآن، فأجبناه للايمان، فقلنا: ابسط يدك، نبايعك عليه، فقال رسول الله ﷺ: أخرجوا الى منكم اثنى عشر نقيبا، فأخرجنا من كل فرقة نقيبا، وكان عبادة نقيب بنى عوف، فبايعوه وهذه هى البيعة العقبة الثانية"

(نقیب قوم اور اس کے افعال کا نگراں ہوتا ہے، آپ کے علم میں یہ بات رہے کہ نبی کریم ﷺ حج وعمرہ کے مواقع پر قبائل کے سامنے خود کو پیش کرتے تھے، ایک بار عقبہ کے قریب قبیلہ خزرج کی ایک جماعت سے ملاقات ہوئی، آپ ﷺ نے فرمایا: آپ لوگ بیٹھیں تو کچھ بات کروں، ان لوگوں نے کہا: جی ضرور، وہ لوگ بیٹھ گئے، تو آپ ﷺ نے ان کو اللہ کی دعوت دی، ان کے سامنے اسلام پیش کیا اور قرآن پڑھ کر سنایا، تو ان لوگوں نے آپ کی بات مان لی (اور اسلام لے آئے) جب وہ لوگ اپنے وطن واپس گئے اور اپنی قوم سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ کی دعوت ان کی قوم میں پھیل گئی، اگلے سال حج کے موقع پر انصار کے بارہ لوگ آئے، ان میں سے ایک عبادہ بن صامت بھی تھے، یہ لوگ بھی عقبہ میں آپ ﷺ سے ملے، یہ عقبہ میں پہلی بیعت تھی، ان سب نے آپ سے بیعت کی پھر واپس ہوگئے، اس سے اگلے سال انصار کے ستر لوگ حج میں آئے، ان سے بھی آپ ﷺ نے ایام تشریق کے دوران عقبہ میں ملنے کا وعدہ کیا، آپ تشریف لائے، ابن عباسؓ کے سوا اور کوئی آپ کے ساتھ نہ تھا، رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی طرف بلاتے ہوئے گفتگو فرمائی، اسلام کی طرف رغبت وشوق دلاتے ہوئے بات کی، قرآن

کریم کی تلاوت سے ہمارے دلوں کو نرم کیا، ہم نے بشوق و رغبت ایمان قبول کرلیا، پھر ہم لوگوں نے عرض کیا کہ اپنا ہاتھ پھیلایئے، ہم آپ سے بیعت کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛ اپنی جماعت سے بارہ نقیب ہمیں دو، چنانچہ ہم لوگوں نے اپنی جماعت (انصار) کی ہر ٹکڑی سے نقیب پیش کیا، اور حضرت عبادہ بن الصامتؓ بنوعوف کے نقیب تھے، پھر سب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی، یہ تھی بیعت عقبہ ثانیہ)

علامہ بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری میں انصار کی خصوصیت میں اس بات کو لکھا ہے کہ:

"أن الأنصار هم المبتدئون بالبيعة على اعلاء توحيد الله وشريعته حتى يموتوا على ذلك فحبهم علامة الايمان مجازاة لهم على حبهم من هاجر اليهم ومواساتهم لهم فى أموالهم"(۱)

(بلاشبہ انصار کو ہی یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے اعلاء توحید و شریعت پر مرتے دم تک قائم رہنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی، اس لیے ان کی محبت ایمان کی علامت ہے، کیونکہ اس کے جزا کے طور پر کہ انہوں نے مہاجرین سے محبت کی اور اپنے مال و متاع میں ان کو شریک کیا)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی اہمیت و مقام اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان لوگوں میں ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کر کے بیعت کی، اور ان لوگوں میں بھی ہیں جن سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت میں داخل ہونے کو

---

(۱) کتاب الایمان، باب علامۃ الایمان حب الانصار، عمدۃ القاری

فرمایا اور پھر تعلیم و تبلیغ دین و شریعت کی ذمہ داری ڈالی اور اس کے نتیجہ میں نہ صرف انصار مدینہ میں رسول اللہ ﷺ سے تعلق پیدا ہوا، دین و شریعت سے اچھی وابستگی قائم ہوئی، جس نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب سے نصرت صحابہ اور نصرت مہاجرین اور نصرت دین کا وہ کام لیا ہے جس سے وہ اس مقام پر پہنچے کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف کی۔

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے آخر میں بیت المقدس کی سکونت اختیار کر لی تھی، جہاں رملہ میں سن ۳۴ھ کو ۷۲ سال کی عمر میں وفات پائی، ان کی تدفین بیت المقدس میں ہوئی۔(۱)

جہاد

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے علم، دعوت، جہاد، سب کو جمع کیا تھا اور حضرات خلفاء راشدین نے آپ کی ان خصوصیات کی ہمیشہ قدر فرمائی، جب سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحری بیڑا تیار کیا، اور اس کو روانہ کیا، تو حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ اس مجاہد جتھہ میں اپنی اہلیہ محترمہ حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کے ساتھ شریک تھے، جن کی وفات اسی موقع پر سواری سے گرنے کے نتیجہ میں گردن میں چوٹ کھانے سے ہوئی تھی، اور وہ حضور ﷺ کی بشارت کی مصداق ہوئی تھیں، جس بحری جتھے کی طرف آپ نے اشارہ دیا تھا، اور مغفرت کی بابت بات فرمائی تھی اور انہوں نے اپنے لیے شمولیت کی دعا کرائی تھی، وہاں سے آپ واپس آئے، اور کچھ مدت مزید شام میں رہے لیکن جو مناسب سمجھتے صاف صاف کہنے کا مزاج رکھتے تھے، جس کی وجہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو آپ کی روک ٹوک سے حکومت چلانے میں دشواری تھی، ان کی درخواست پر اس وقت کے خلیفہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں شام سے مدینہ طیبہ بلا لیا تھا،

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۲/۱۰-۱۱

لیکن وہاں کے حالات اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرہ کی وجہ سے تکلیف دہ تھے، اور آپ کے لیے مشکل تھا کہ حق بات کہیں اور دوسرے مان لیں، آپ وہاں سے بیت المقدس چلے گئے، جہاں تک حق بات کہنے کا تعلق ہے وہ خود بھی ایک طرح کا جہاد اور افضل جہاد ہے، اس لیے وہ حق بات کہنا اس قدر ضروری سمجھتے تھے کہ ایک خطیب کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے سنا رہا نہیں گیا کہ کیسے یہ خلاف سنت عمل ہو رہا ہے، ہاتھ میں مٹی لی خطیب کے منہ کو بھر دیا، حضرت معاویہ کو سماجی آداب کے خلاف یہ عمل محسوس ہوا اور برا لگا تو ان سے حضرت عبادہ نے کہا:

"انك لم تكن معنا حين بايعنا رسول الله ﷺ بالعقبة على السمع والطاعة فى منشطنا ومكرهنا ومكسلنا وأثرة علينا وألا ننازع الأمر أهله، وأن نقوم بالحق حيث كنا لا نخاف فى الله لومة لائم وقال رسول الله ﷺ: اذا رأيتم المداحين فأحثوا فى أفواههم التراب"(۱)

(بیعت عقبہ میں آپ ہمارے ساتھ نہیں تھے، جب ہم لوگوں نے حضور اکرم ﷺ سے خوشی اور غمی میں، پژمردگی وخود پسندی میں، سمع وطاعت پر بیعت کی تھی، اور اس پر بیعت کی تھی کہ ہم اہل استحقاق سے دست وگریباں نہیں ہوں گے، اور ہم ہر حال میں حق پر قائم رہیں گے، اور اللہ کے لیے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں گھبرائیں گے، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تعریف کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے منہ میں مٹی بھر دو)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں تین اہم پہلو ہیں، جس کا انہوں نے اپنے انفرادی واجتماعی امور میں پورا خیال رکھا، جہاں تک حدیث

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۲/۷

کے پہلے حصہ سمع وطاعت کا تعلق ہے، معصیت میں تو نہیں باقی سمجھ میں آئے یا نہ آئے، طبیعت آمادہ ہو یا نہ ہو اس کو لینا اور یہ چیز خود اس کے لیے اپنے معاملات میں حظ نفس سے بچنے میں جہاں معاون ہوتی ہے وہیں اجتماعیت کو قائم رکھنے میں بڑی مدد گار ہے، اور دینی مربی اس کو ہمیشہ بڑی اہمیت دیتے رہے ہیں۔

جہاں تک حدیث کے دوسرے پہلو کا تعلق ہے وہ حق کی حمایت وحمیت ہے، یہ خواص کی خاص ذمہ داریوں اور علماء کے فرائض منصبی میں ہے۔

اور تیسرا جزء احسان سے متعلق ہے، جو بیعت کا اونچا واعلی درجہ ہے، جیسے بیعت اسلام، بیعت جہاد اور بیعت احسان تینوں حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی روایات بیعت سے سامنے آتی ہیں، اور دوسری روایات سے بھی تائید وتصدیق ہوتی ہے، جیسے فتح مکہ کے بعد ایک صحابی نے ہجرت پر بیعت کی درخواست کی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منظور نہ فرمایا اور فرمایا:

"قد مضت الهجرة بأهلها" (کہ ہجرت کا وقت تو گذر گیا)

پھر ان صحابی نے عرض کیا جیسا کہ صحیح مسلم کے الفاظ ہیں:

"قلت: فبأی شیء تبایعه، قال علی الاسلام والجهاد والخیر"(۱)

(میں نے عرض کیا کہ پھر آپ کس چیز پر بیعت لیتے ہیں، فرمایا: اسلام پر، جہاد پر اور خیر کے کاموں پر)

(۱) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب المبایعۃ بعد فتح مکۃ علی الاسلام والجہاد والخیر: ۴۹۳۴

صاحب سرّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ

(المتوفی ۳۶ھ)

امتیازی مقام وخصوصیت

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو آپ سے خاص مناسبت تھی، امام ذہبی نے آپ کو نجباء صحابہ میں شمار کیا ہے، منافقین کی نشاندہی، فتنوں اور خطرات کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، جو فراست ایمانی میں بہت بڑھے ہوئے تھے وہ منافقین کے تعلق سے آپ سے تحقیق کرتے، ایک بار ان سے استفسار پر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جن لوگوں کو آپ نے عامل بنایا ہے ان میں ایک منافق بھی ہے، دوسرے روز اپنی فراست سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تاڑ لیا، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے تصدیق کی اور پھر حضرت عمرؓ نے اس کو معزول کر دیا، علامہ ابن عبد البر الاندلسی (م-۴۶۳ھ) نے آپ کو کبار صحابہ میں شمار کیا ہے، اور آپ کی خصوصیات اس طرح بیان کی ہیں، وہ لکھتے ہیں:

"كان حذيفة رضى الله عنه من كبار أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو الذى بعثه رسول الله صلى الله عليه

وسلم يوم الخندق لينظر إلى قريش فجاء ه بخبر رحيلهم، وكان عمر بن الخطاب رضى الله عنه يسأله عن المنافقين وهو معروف فى الصحابة بصاحب سرّ رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان عمر ينظر إليه عند موت من مات منهم، فإن لم يشهد جنازته حذيفة لم يشهد ها عمر رضى الله عنه، وكان حذيفة رضى الله عنه يقول: خيّرنى رسول الله صلى الله عليه وسلم بين الهجرة والنصرة فاخترت النصرة"(۱)

(حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کبار صحابہ میں ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خندق میں قریش کے پاس ان کی سرگرمیوں کی خبر لانے کے لیے بھیجا، وہ ان کے لشکر کی خبر لے کر واپس ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے منافقین کے بارے میں معلومات حاصل کرتے تھے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص رازدار کی حیثیت سے تمام صحابہ میں معروف تھے، ان میں سے کسی کے انتقال کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو تلاش کرتے، اگر وہ اس کے جنازہ میں شریک نہ ہوتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی شریک نہ ہوتے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ہجرت اور نصرت کے معاملہ میں اختیار دیا تھا، سو میں نے نصرت کا راستہ اختیار کیا)

امام زہری حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی فتنوں کی واقفیت سے متعلق اپنے استاد ابوادریس کی بات نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو خود فرماتے سنا وہ کہ رہے تھے:

---

(۱) الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب لابن عبدالبر: ۱/۳۹۴

"واللّٰہ إنی لأعلم الناس بکل فتنة هی کائنة فیما بینی و بین الساعة"(۱)

(بخدا میں ان تمام فتنوں کا سب سے زیادہ علم رکھتا ہوں جو قیامت تک وقوع پذیر ہونے والے ہیں)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کے بارے میں سوال کیا کرتے تھے اور میں شر کے بارے میں دریافت کرتا رہتا تھا، اس خوف سے کہ کہیں اس میں مبتلاء نہ ہو جاؤں۔(۲)

ایک بار حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے بارے میں پوچھا کہ کہیں میں منافق تو نہیں ہوں؟ انہوں نے فرمایا:

"لا، ولا أزکی أحداً بعدك"(۳)

(فرمایا: نہیں، لیکن آپ کے بعد اب کسی کی توثیق نہیں کروں گا)

اور بعض لوگوں کے بارے میں فتنوں سے حفاظت کی بات بھی بتائی۔

علامہ ابن سیرین نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے خود روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"ما من أحد إلا وأنا أخاف علیه الفتنة، إلا ما کان من محمد بن مسلمة (٤) فإنی سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۲/۳۶۵ (۲) الجامع الصحیح، باب علامات النبوة: ۳۶۰۶

(۳) سیر اعلام النبلاء ۲/۳۶۴ (۴) حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ بھی کبار صحابہ میں ہیں، امام ذہبی نے کبار صحابہ میں ان کا شمار کیا ہے، اور بدر اور دوسرے غزوات میں شریک قرار دیا ہے اور یہ خصوصیت ذکر کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ان کو مدینہ میں اپنا جانشین بنایا، وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو فتنہ سے دور رہے اور جنگ جمل اور صفین میں بھی شرکت نہیں کی، لکڑی کی ایک تلوار لے لی اور مقام ربذہ کی طرف منتقل ہو گئے اور ایک عرصہ وہاں قیام کیا۔ ۷۷ رسال کی عمر میں ۴۳ھ میں وفات پائی۔ (سیر: ۲/۳۶۹)

علیه وسلم یقول: لا تضره الفتنة"(۱)

(کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کے فتنہ میں مبتلاء ہوجانے کا مجھے خوف نہ ہو، سوائے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ فتنہ ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ شارح موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کی باتیں معلوم کیا کرتے تھے، اور میں شر کی باتیں دریافت کیا کرتا تھا، تاکہ ان سے بچا جائے، ایک مرتبہ میں نے دریافت کیا، یارسول اللہ! یہ خیر خوبی جس پر آج کل ہم لوگ آپ کی برکت سے ہیں، اس کے بعد بھی کوئی برائی آنے والی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں برائی آنے والی ہے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس برائی کے بعد پھر بھلائی لوٹ کے آئے گی کہ نہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حذیفہ! اللہ کا کلام پڑھو، اور اس کے معنی پر غور کرو، اس کے احکام کی اتباع کرو، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ اس برائی کے بعد بھلائی ہوگی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں بھلائی ہوگی، لیکن دل ایسے نہ ہونگے جیسے پہلے تھے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس بھلائی کے بعد پھر برائی ہوگی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسے لوگ پیدا ہوجائیں گے جو آدمیوں کو گمراہ کریں گے، اور جہنم کی طرف لے جائیں گے، میں

---

(۱) سنن أبی داؤد، أول کتاب السنة، رقم: ٤٦٦٤

نے عرض کیا اگر میں اس زمانہ کو پاؤں تو کیا کروں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر مسلمانوں کی کوئی متحدہ جماعت ہو اور اس کا کوئی امیر ہو تو اس کے ساتھ ہو جانا، ورنہ ان سب فرقوں کو چھوڑ کر ایک کونہ میں علیحدہ بیٹھ جانا، یا کسی درخت کی جڑ میں جا کر بیٹھ جانا اور مرنے تک وہیں بیٹھے رہنا، چونکہ ان کو منافقوں کا حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا تھا اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے دریافت فرمایا کرتے تھے کہ میرے حکام میں کوئی منافق تو نہیں؟ ایک مرتبہ انہوں نے عرض کیا کہ ایک منافق ہے، مگر میں نام نہیں بتاؤں گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول کر دیا، غالباً اپنی فراست سے پہچان لیا ہوگا، جب کوئی شخص مرجاتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تحقیق فرماتے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ ان کے جنازہ میں شریک ہیں یا نہیں، اگر حذیفہ شریک ہوتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی نماز پڑھتے، ورنہ وہ بھی نہ پڑھتے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا جب انتقال ہونے لگا تو نہایت گھبراہٹ اور بے چینی میں رو رہے تھے، لوگوں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ دنیا کے چھوٹنے پر نہیں رو رہا ہوں، بلکہ موت تو مجھے محبوب ہے، البتہ اس لئے رو رہا ہوں کہ مجھ کو اس کی خبر نہیں کہ میں اللہ کی ناراضی پر جا رہا ہوں کہ خوشنودی پر، اس کے بعد کہا: یہ میری دنیا کی آخری گھڑی ہے اور فرمایا کہ یا اللہ مجھے معلوم ہے کہ مجھے تجھ سے محبت ہے اس لئے اپنی ملاقات میں برکت عطا فرما۔"(۱)

---

(۱) حکایات صحابہ از مولانا محمد زکریا صاحب بحوالہ سنن ابوداؤد: ۴۲۴۴، و؛ اسد الغابہ: ۱/۷۰۶

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ سے بدر میں شریک نہ ہونا

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ مہاجر صحابی ہیں، لیکن بدر میں شرکت اس لئے نہ کر سکے کہ مشرکین قریش نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا، اور مدینہ جانے کی اجازت اس شرط پر دی تھی کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے خلاف اس موقع پر کھڑے نہ ہونگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کی پاسداری کا حکم فرمایا اور فرمایا ہم اللہ سے مدد حاصل کریں گے، حضرت حذیفہ کے الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق اس طرح ہیں:

"عن حذيفه رضى الله عنه قال: مَا مَنَعَنِى أَنْ أَشْهَدَ بَدْراً إِلَّا أَنِّى خَرَجْتُ أَنَا وَ أَبِى حُسَيْلٌ، قَالَ: فَأَخَذَنَا كُفَّارُ قُرَيْشٍ فَقَالُوا: إِنَّكُمْ تُرِيْدُوْنَ مُحَمَّداً، فَقُلْنَا مَا نُرِيْدُ إِلَّا الْمَدِيْنَةَ، فَأَخَذُوْا مِنَّا عَهْدَ اللّٰهِ وَمِيْثَاقَهُ لَنَنْصَرِفَنَّ إِلَى الْمَدِيْنَةِ وَلَا نُقَاتِلُ مَعَهُ، فَأَتَيْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْنَاهُ الْخَبَرَ فَقَالَ: انْصَرِفَا نَفِيْ لَهُمْ بِعَهْدِهِمْ وَنَسْتَعِيْنُ اللّٰهَ عَلَيْهِمْ"(۱)

(حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں؛ بدر میں شریک میں اس لیے نہیں ہوسکا کہ میں اور میرے والد حسیل (یمان) نکلے تھے کہ کفار قریش نے اپنی گرفت میں ہمیں لے لیا اور کہا کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جانا چاہتے ہو، ہم نے کہا: ہم صرف مدینہ جانا چاہتے ہیں، اس پر ان لوگوں نے عہد لیا کہ تمہیں ہم جانے دیں گے مگر ہم ان کے ساتھ جہاد میں حصہ نہ لیں، ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ماجرا سنایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دونوں جاؤ، ہم ان سے کیا ہوا عہد پورا

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب الوفاء بالعهد: ۱۷۸۷

کریں گے اور اللہ سے مدد کی دعا کریں گے)

فتوحات اور گورنری

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان چودہ مخصوص صحابہ میں ہیں جن کو نجباء کہا گیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ مسلسل مصروف جہاد رہے، دینور کا علاقہ آپ ہی کے مبارک ہاتھوں سے فتح ہوا، عراق اور ایران کی فتوحات میں آپ نے غیر معمولی خدمات انجام دیں، کسریٰ کے دربار میں آپ ہی نے وہ ولولہ انگیز تقریر فرمائی جس نے کسریٰ کے ایوان میں زلزلہ برپا کر دیا۔

ایران کی فتح کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو مدائن کا گورنر مقرر فرما دیا تھا، عرصہ دراز تک حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اسی سادگی کے ساتھ مدائن کے گورنر کی حیثیت سے کام کرتے رہے، ایک مرتبہ مدینہ طیبہ گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے سے راستہ میں چھپ کر بیٹھ گئے، مقصد یہ تھا کہ اگر مدائن سے کچھ مال و دولت لے کر آئے ہوں تو پتہ چل جائے، لیکن دیکھا کہ وہ جس حال میں گئے تھے، اسی حال میں واپس آگئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر انھیں گلے لگا لیا۔(۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہم نوائی

شہادت سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد ان کے قصاص کو لے کر امت میں جو دو مکتب فکر ظہور پذیر ہوئے تھے، جس کی وجہ سے امت کو باہم جنگی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا رجحان حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف تھا، چونکہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو آئندہ وقوع پذیر ہونے والے شر اور فتنوں کی سب سے زیادہ واقفیت تھی، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ان باتوں سے واقف کر دیا تھا، اور اسی لیے وہ صحابہ کرام میں راز دار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے معروف تھے، اور یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے حق اور ناحق کے

---

(۱) سیر اعلام النبلاء للذہبی: ۲/۳۶۶

بارے میں اور شر اور فتنوں کے بارے میں معلوم کرتے رہتے تھے، ایسی شخصیت کا رجحان حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف ہونا ایک قول فیصل رکھتا ہے، اور بعد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کے رجوع اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے واقعہ شہادت نے حق کو واضح کر دیا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، اور جو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا رجحان تھا، اس میں اہل حق کے لیے رہنمائی کا بڑا سامان تھا اور جو کچھ تکوینی نظام کے تحت وقوع پذیر ہوا، اس میں جو خیر پوشیدہ تھا وہ اپنے اپنے موقع پر زمان و مکان کے فرق کے ساتھ ظاہر ہو کر رہا۔

وفات

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے چالیس روز بعد ۳۶ھ میں مدائن میں وفات پائی۔ رضی اللہ عنہ وأرضاہ.

ایک عجیب ایمان افروز واقعہ اور کھلی کرامت

مولانا جسٹس محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ اپنی روداد سفر "جہان دیدہ" میں لکھتے ہیں:

"حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہ کے مزارات کے ساتھ اسی صدی میں ایک عجیب و غریب اور ایمان افروز واقعہ رونما ہوا، جو آج کل بہت کم لوگوں کو معلوم ہے، یہ واقعہ میں نے پہلی بار جناب مولانا ظفر احمد انصاری مدظلہ سے سنا تھا، پھر بغداد میں وزارت اوقاف کے ڈائرکٹر تعلقات عامہ جناب خیر اللہ حدیثی صاحب نے بھی اجمالاً اس کا ذکر کیا۔

یہ ۱۹۲۹ء کا واقعہ ہے، اس وقت عراق میں بادشاہت تھی، حضرت حذیفہ بن الیمان اور حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہما کی قبریں اس وقت یہاں (جامع مسجد سلمان کے احاطے میں) نہیں تھیں،

بلکہ یہاں سے کافی فاصلے پر دریائے دجلہ اور مسجد سلمان کے درمیان کسی جگہ پر واقع تھیں۔

۱۹۲۹ء میں بادشاہ وقت نے خواب میں دیکھا کہ حضرت حذیفہ بن الیمان اور حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہما ان سے فرما رہے ہیں کہ ہماری قبروں میں پانی آرہا ہے، اس کا مناسب انتظام کرو، بادشاہ نے حکم دیا کہ دریائے دجلہ اور قبروں کے درمیان کسی جگہ گہری کھدائی کر کے دیکھا جائے کہ دجلہ کا پانی اندرونی طور پر قبروں کی طرف رِس رہا ہے یا نہیں، کھدائی کی گئی لیکن پانی رِسنے کی کوئی آثار نظر نہیں آئے، چنانچہ بادشاہ نے اس بات کو ایک خواب سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔

لیکن اس کے بعد پھر۔ غالباً ایک سے زیادہ مرتبہ۔ وہی خواب دکھائی دیا، جس سے بادشاہ کو بڑی تشویش ہوئی، اور اس نے علماء کو جمع کر کے ان کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا، ایسا یاد پڑتا ہے کہ اس وقت عراق کے کسی عالم نے بھی بیان کیا کہ انھوں نے بھی بعینہٖ یہی خواب دیکھا ہے، اس وقت مشورے اور بحث و تمحیص کے بعد رائے یہ قرار پائی کہ دونوں بزرگوں کی قبروں کو کھول کر دیکھا جائے اور اگر پانی وغیرہ آرہا ہو تو ان کے جسموں کو منتقل کیا جائے، اس وقت کے علماء نے بھی اس رائے سے اتفاق کر لیا۔

چونکہ قرون اولیٰ کے دو عظیم بزرگوں اور صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبروں کو کھودنے کا یہ واقعہ تاریخ میں پہلا واقعہ تھا، اس لیے حکومت عراق نے اس کا بڑا زبردست اہتمام کیا، اس کے لیے ایک تاریخ مقرر کی تاکہ لوگ اس عمل میں شریک ہو سکیں، اتفاق سے وہ

تاریخ ایام حج کے قریب تھی، جب اس ارادے کی اطلاع حجاز پہنچی تو وہاں حج پر آئے ہوئے لوگوں نے حکومت عراق سے درخواست کی کہ اس تاریخ کو قدرے مؤخر کر دیا جائے تا کہ حج سے فارغ ہو کر جو لوگ عراق آنا چاہیں، وہ آسکیں، چنانچہ حکومت عراق نے حج کے بعد کی ایک تاریخ مقرر کر دی۔

کہا جاتا ہے کہ مقررہ تاریخ پر نہ صرف اندرون عراق بلکہ دوسرے ملکوں سے بھی خلقت کا اس قدر ازدحام ہوا کہ حکومت نے سب کو یہ عمل دکھانے کے لیے بڑی بڑی اسکرینیں دور تک فٹ کیں تا کہ جو لوگ براہ راست قبروں کے پاس یہ عمل نہ دیکھ سکیں وہ ان اسکرینوں پر اس کا عکس دیکھ لیں۔

اس طرح یہ مبارک قبریں کھولی گئیں اور ہزار ہا افراد کے سمندر نے یہ حیرت انگریز منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ تقریباً تیرہ صدیاں گزرنے کے باوجود دونوں بزرگوں کی نعش ہائے مبارکہ صحیح و سالم اور تر و تازہ تھیں، بلکہ ایک غیر مسلم ماہر امراض چشم وہاں موجود تھا، اس نے نعش مبارک کو دیکھ کر بتایا کہ ان کی آنکھوں میں ابھی تک وہ چمک موجود ہے جو کسی مردے کی آنکھوں میں انتقال کے کچھ دیر بعد بھی موجود نہیں رہ سکتی، چنانچہ وہ شخص یہ منظر دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔

نعش مبارک کو منتقل کرنے کے لیے پہلے سے حضرت سلمان فارسیؓ کی قبر کے قریب جگہ تیار کر لی گئی تھی، وہاں تک لے جانے کے لیے نعش مبارک کو جنازے پر رکھا گیا، اس میں لمبے لمبے بانس باندھے گئے اور ہزار ہا افراد کو کندھا دینے کی سعادت نصیب ہوئی اور اس طرح اب ان دونوں بزرگوں کی قبریں موجودہ جگہ پر بنی ہوئی ہیں۔

حضرت مولانا ظفر احمد انصاری مدظلہ کا بیان ہے کہ ۱۹۲۹ء کا یہ واقعہ مجھے یاد ہے، اس زمانہ میں اخبارات کے اندر اس کا بڑا چرچا ہوا تھا، اور اس وقت ہندوستان سے ایک ادبی گھرانے کا ایک جوڑا عراق گیا ہوا تھا، ان دونوں میاں بیوی نے یہ واقعہ بچشم خود دیکھا اور غالباً بیوی نے اپنے اس سفر کی روداد ایک سفرنامے میں تحریر کی جو کتابی شکل میں شائع ہوا جس کی ایک کاپی حضرت مولانا مدظلہم کے پاس محفوظ ہے۔

اس سفرنامے میں یہ بھی مذکور ہے کہ اس وقت کسی غیر ملکی فرم کے ذریعہ اس پورے عمل کی عکس بندی بھی کی گئی تھی، اور بہت سے غیر مسلم بھی یہ واقعہ خاص طور پر دیکھنے آئے تھے، وہ اس اثر انگیز منظر سے نہ صرف بہت متاثر ہوئے بلکہ بہت سے لوگوں نے اس منظر کو دیکھ کر اسلام قبول کیا۔

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ اور اپنے دین کی حقانیت کے ایسے معجزے کبھی کبھی دکھلاتے ہیں۔

﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ﴾ (حم السجدة:۵۳)

(ہم ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے آفاق میں بھی اور خود ان کے وجود میں بھی، تاکہ ان پر یہ بات واضح ہو جائے کہ یہی (دین) حق ہے)

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اگر عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہ اگر حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہی کے صاحبزادے ہیں تو یہ عجیب وغریب اتفاق ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ان کے دادا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی بعینہٖ اسی طرح کا واقعہ پیش آچکا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ غزوۂ احد کے سب سے پہلے شہید تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن فرمایا تھا، اس وقت مسلمانوں کی تنگ دستی کا یہ عالم تھا کہ شہداء کے لیے کفن تک میسر نہ تھے، اس لیے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ایک چادر میں کفن دیا گیا، جس میں چہرہ تو چھپ گیا لیکن پاؤں کھلے رہے، جن پر گھاس ڈالی گئی، اتفاق سے یہ قبر نشیب میں واقع تھی، چالیس سال بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہاں سیلاب آ گیا اور وہاں سے ایک نہر بھی نکالنی تھی، اس موقع پر قبر کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں کھولا گیا تو دونوں بزرگوں کے اجسام بالکل صحیح وسالم اور تر وتازہ تھے، بلکہ ایک روایت یہ ہے کہ ان کے چہرے پر جو زخم تھا، ان کا ہاتھ اس زخم پر رکھا ہوا تھا، لوگوں نے ہاتھ وہاں سے ہٹایا تو تازہ خون بہنے لگا، پھر ہاتھ دوبارہ وہاں رکھا تو خون بند ہو گیا۔(۱)(۲)

---

(۱) جہاں دیدہ (۲) طبقات ابن سعد: ۳/۵۶۲-۵۶۳

شہید حق

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ

(المتوفی ۳۷ھ)

شخصیت(۱)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ان کبار صحابہ میں سے ایک ہیں جن کی سیرت و اخلاق کو مثالی قرار دیا گیا، اور ان کے کردار کو اپنانے کی ترغیب دی گئی، دین حق کے لئے انہوں نے اور ان کے پورے خاندان نے غیر معمولی اذیتیں اٹھائیں، اور اسی میں ان کی والدہ حضرت سمیہ بنت خیاط شہید ہو گئیں، اور اسلام میں شہید ہونے والی پہلی خاتون قرار پائیں، علامہ ابن عبد البر الاندلسیؒ ان کے خاندان کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"کانوا کلھم ممن عذب فی اللہ تعالی"(۲)

(یہ سب کے سب وہ لوگ ہیں جن کو اللہ پر ایمان لانے کی وجہ سے تکلیفیں دی گئیں تھیں)

خاندان اور افراد خاندان

حضرت یاسر کا خاندان قیس بن مالک بن ادر بن زید کا خاندان ہے، یہ قیس کی ہی اولاد میں ہیں، اس لئے عنسی کہے گئے، حضرت عمار بن یاسر کو مولی بنی مخزوم اس

(۱) ملاحظہ ہو: الاصابہ: ۷/۶۴، أسد الغابہ: ۴/۱۲۹، سیر أعلام النبلاء: ۱/۴۰۶ (۲) الاستیعاب: ۳/۱۲۳

لیے کہا گیا کہ جب حضرت یاسر بن عامر بن مالک رضی اللہ عنہ اپنے بھائیوں حارث و مالک کے ساتھ مکہ اپنے چوتھے بھائی کی تلاش میں آئے، حارث و مالک تو واپس یمن چلے گئے لیکن حضرت یاسر مکہ میں پڑ گئے، اور ابو حذیفہ بن مغیرہ مخزومی سے موالات کر لی اور ابو حذیفہ نے اپنی باندی سے حضرت یاسر کا نکاح کر دیا جن کا نام حضرت سمیہ تھا، انہی سے حضرت عمار بن یاسر پیدا ہوئے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین حق کی دعوت دی تو اس خاندان نے اس دعوت پر لبیک کہا جس کے نتیجہ میں آل مخزوم نے ان کو وحشت ناک اذیتیں دیں تا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ جائیں اور ہمارے ہی پاس رہیں، لیکن ایمان ان کے دلوں میں اتر چکا تھا، اذیتیں سہتے رہے اور پوری ثابت قدمی سے توحید و رسالت کے اقرار پر جمے رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صبر کی تلقین اور دعاء

علامہ ابن عبدالبر کہتے ہیں:

"وجاء الله بالإسلام فأسلم ياسر وابنه عمار وسمية، وعبد الله أخو عمار بن ياسر، وكان إسلامهم قديماً في أول الإسلام، وكانوا ممن يعذب في الله وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يمر بهم وهم يعذبون، فيقول: صبراً يا آل ياسر، اللهم انصر لآل ياسر وقد فعلتَ"

وفي رواية: مرّ رسول الله صلى الله عليه وسلم بياسر وعمار وهم يوذون في الله فقال لهم صلى الله عليه وسلم: صبراً يا آل ياسر فإن موعدكم الجنة"(۱)

(اللہ نے اسلام کو ظاہر فرمایا تو حضرت یاسر، ان کے بیٹے حضرت عمار، ان کی بیوی حضرت سمیہ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہم

(۱) الاستیعاب: ۴/۵۱-۱۵۰

(حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے بھائی) ایمان لائے، ان کا ایمان لانا اسلام کے آغاز کے وقت ہی سے تھا، اور یہ ان لوگوں میں تھے جنھیں راہ خدا میں بڑی تکلیفیں دی گئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تکلیف میں دیکھتے تو ان کو صبر کی تلقین کرتے اور دعا کرتے کہ اے اللہ! آل یاسر کی مدد فرما اور تو نے ہی مدد کی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو تکلیف میں دیکھا تو فرمایا: اے آل یاسر! صبر کرو، تمہارے لیے جنت کا وعدہ ہے)

غزوات اور جنگی مہمات میں شرکت اور قربانیاں

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے اسلام کی سبھی مہمات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، حبشہ ہجرت کی پھر مدینہ آئے، بدر میں شریک ہوئے، اور غزوات اور جنگی مہمات میں شرکت کی، جنگ یمامہ، جس میں بڑی تعداد میں صحابہ شہید ہوئے آپ کا ایک کان اسی میں شہید ہوا، جنگ یمامہ میں جب لوگوں پر گھبراہٹ طاری ہونے لگی جو کہ ایک بڑا امتحان تھا، تو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے بلندی پر جا کر مسلمانوں کو آواز لگائی:

"من الجنة تفرون؟ أنا عمار بن ياسر، هلموا إليّ، يقول الراوي: وأنا أنظر إلى أذن قد قطعت فهي تذبذب وهو يقاتل أشد القتال"(۱)

(کیا جنت سے بھاگ رہے ہو؟ میں عمار بن یاسر ہوں، میرے پاس آؤ، راوی کہتے ہیں: میں نے ان کے کان کو دیکھا کہ وہ کٹ گیا ہے اور اس سے خون ٹپک رہا ہے اور وہ بے جگری سے لڑ رہے ہیں)

---

(۱) الاستیعاب: ۳/ ۲۲۸

شہادت

آخری جنگ جس میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے شرکت کی وہ جنگ صفین ہے، جس میں دونوں فریق اس یقین پر ایک دوسرے سے برسر پیکار تھے کہ وہ حق پر ہے، لیکن حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی شہادت نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ فریق حق پر تھا جس کا وہ ساتھ دے رہے تھے، جب کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی عمر شریف اس وقت ۹۳ رسال یا اس کے آس پاس تھی، علامہ ابن عبد البر الاندلسی لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ روایات منقول ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا:

"وتواترت الآثار عن النبي صلى الله عليه وآله وسلم أنه قال: تقتل عماراً الفئة الباغية." وهذا من أصح الأحاديث"(۱)

(کہ متواتر روایات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں کہ عمار کو باغی لوگ شہید کریں گے اور یہ صحیح روایت ہے)

اور اس طرح حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ صاحب سرّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی بھی صحیح ثابت ہوئی جو کہ حضرت ابو مسعودؓ بدری اور کچھ لوگوں کے سامنے اس وقت بیان کی تھی جب فتنہ اور آزمائش کا بار بار تذکرہ آتا تھا۔

علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرات نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

"إذا اختلف الناس بمن تأمرنا؟ قال: عليكم بابن سمية، فإنه لن يفارق الحق حتى يموت. أو قال: فإنه يدور مع الحق حيث دار"(۲)

---

(۱) الاستیعاب: ۳/۲۳۱ (۲) الاستیعاب: ۳/۲۳۰

(لوگ جب بکھر جائیں تو کس کے تعلق سے آپ ہمیں نصیحت کریں گے، فرمایا: ابن سمیہ کی راہ لینا وہ برابر حق پر رہیں گے)

ابن عبد البر کہتے ہیں کہ اس حدیث کو بعض حضرات حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عمر تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے:

"لم يكن أحد أقرب به سناً مِنّي"(۱)

(عمر کے اعتبار سے ان سے مجھ سے زیادہ کوئی قریب نہیں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے لئے بڑی بشارتیں ہیں، کچھ تو خود ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں اور کچھ دوسروں سے، حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت سے سرفرازی کی بشارت ان سے خود یہ کہہ کر سنائی: "تقتلك الفئة الباغية" کہ تمہیں باغی گروہ قتل کردے گا۔

اس بشارت کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں اور امام احمد نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے، چنانچہ یہ بشارت پوری ہوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ جب امیر المومنین ہوئے اور سخت ترین داخلی شورشوں سے گزرنا پڑا تو وہ جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے، دوسرے گروہ نے ان پر وار کیا، اور اس سے وہ شہید ہوئے، یہ ربیع الثانی ۳۷ھ کا واقعہ ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں ان ہی کپڑوں میں دفن کیا اور غسل نہیں دیا، البتہ نماز پڑھائی، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اشتاقت الجنة إلى علي، وعمار، وسلمان، وبلال رضي الله عنهم"(۲)

---

(۱) أیضاً: ۳/ ۲۲۸ (۲) أیضاً: ۳/ ۲۲۹، سنن ترمذی، کتاب المناقب: ۳۷۹۷

(جنت علی، عمار، سلمان اور بلال رضی اللہ عنہم کے لیے مشتاق ہے)

اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

"ما من أحد من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم أشاء أن أقول فيه إلا قلت إلا عمار بن ياسر فإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ملئ عمار إيماناً إلى أخمص قدميه"

(اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جس کے بارے میں چاہوں اظہار خیال کر سکتی ہوں سوائے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عمار اوپر سے نیچے تک ایمان سے بھرے ہوئے ہیں)

ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت بھی منقول ہے:

"إن عمار بن ياسر حشى من بين أخمص قدميه إلى شحمة أذنيه إيماناً"(۱)

(حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ پاؤں کے تلوے سے کانوں کی لو تک ایمان سے لبریز ہیں)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو جو امتیاز و خصوصیت حاصل ہوئی وہ کم لوگوں کو ملی، اس میں ان کی فطری و طبعی اور فکری سلامتی بھی ہے، جس کو ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یوں بیان کیا ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَا خُيِّرَ عَمَّارٌ بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلَّا اخْتَارَ أَرْشَدَهُمَا"(۲)

(حضرت عمار کے سامنے جب دو معاملے پیش ہوں تو ان میں زیادہ رشد والے معاملہ کو اختیار کرتے ہیں)

امام ذہبی کہتے ہیں اسناد صحیح ہے اور نسائی و ترمذی نے روایت کیا ہے۔

---

(۱) الاستيعاب لابن عبد البر: ۳/۲۲۸-۲۲۹ (۲) سنن ترمذی، کتاب المناقب: ۳۷۹۹

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ فتنہ و آزمائش میں پڑوں تو کیا کروں؟ فرمایا: کتاب اللہ کو لازم پکڑنا، اس شخص نے عرض کیا کہ کہ اور لوگ بھی کتاب اللہ کی طرف بلا رہے ہوں تو کیا کروں؟ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے سنا ہے:

"إذا اختلف الناس كان ابن سمية مع الحق"(۱)

(جب لوگ بکھر جائیں گے تو ابن سمیہ یعنی حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ حق کے ساتھ ہوں گے)

ایک بار حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی اجازت چاہی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مرحباً بالطَّيِّبِ الْمُطَيَّبِ" (خوش آمدید ہو پاک، طینت پاک باز کو) امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔(۲)

اور ایک بار حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کی حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے کسی مسئلہ میں سخت کلامی ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پہنچی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگواری ہوئی، اور ارشاد فرمایا: (جس کے راوی خود حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ہیں)۔

"من عادى عماراً عاداه الله ومن أبغض عماراً أبغضه الله"(۳)

(جو حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے عداوت رکھے گا اللہ تعالیٰ اس شخص سے عداوت رکھے گا، اور جو حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے بغض رکھے گا اللہ تعالیٰ اس سے بغض رکھے گا)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چودہ رفقاء خاص اور نجباء وزراء کے نام لئے تو ان میں ایک نام حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا بھی تھا۔(۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ بھی منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) الخلفاء الراشدون للذهبي: ۲۲٤ (۲) بحوالہ سابق ۲۲۳

(۳) ایضا/۲۲۳ بحوالہ مسند احمد (۴) ذہبی ص/۲۴۴

"دم عمار و لحمه حرام علی النار"(۱)

(حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے خون اور گوشت پر دوزخ حرام ہے)

جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کی پیشین گوئی فرمائی ہے وہ متعدد صحابہ سے منقول ہے، ابوعوانہ نے اپنی مسند میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ابشر عمار! تقتلك الفئة الباغية" خود حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تقتلك الفئة الباغية" جب صفین میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ پر وار ہوا اور وہ شہید ہوئے، تو حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ حضرت عمرو بن العاصؓ کے پاس آئے، ذہبی کہتے ہیں:

"فقال قتل عمار و قد قال النبی صلی اللّٰہ علیه و سلم تقتله الفئة الباغية، فدخل عمرو بن العاص علی معاویة فقال: قتل عمار، قال معاویة فماذا؟ قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم یقول تقتله الفئة الباغية"(۲)

(عمار تو شہید ہو گئے، حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ باغی لوگ شہید کریں گے، حضرت عمرو بن العاص نے حضرت معاویہ کو یہ خبر دی اور کہا کہ عمار تو شہید ہو گئے، حضرت معاویہ نے کہا: تو کیا ہوا؟ حضرت عمرو بن العاص نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ انہیں باغی لوگ شہید کریں گے)

حالانکہ ابن کثیرؒ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس تاویل کا ذکر کیا ہے کہ

"أنحن قتلنا؟ انما قتله الذین جاء وا به"

(کیا ہم نے قتل کیا ہے؟ (عمار کا) جو انہیں جنگ میں لائے وہ قاتل ہیں)

---

(۱) أیضاص/۲۲۴ (۲) ایضاص/۲۲۵

اس سے بھی حدیث نبوی ﷺ کا پورا اقرار اور تصدیق ظاہر ہو رہی ہے، البتہ اس کی جو تاویل ذہن میں آئی وہ حضرت معاویہ نے پیش کر دی، لیکن علامہ ابن کثیر نے اس تاویل کو بہت دور کی بات قرار دیا ہے اور لکھا ہے:

"وهذا التاويل الذى سلكه معاوية رضى الله عنه بعيد"(۱)

البتہ علامہ ابن کثیرؒ نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ اور ان کے والد حضرت عمرو بن العاص کے درمیان گفتگو کے حوالہ سے یہ بات لکھی ہے، جس پر حضرت عمرو بن العاص نے حضرت معاویہ سے کہا تھا:

"ألا تسمع ما يقول عبد الله هذا"(۲)

اس طرح حضرت عمار کی شہادت سے سب سے اہم بات جو کھل کر آئی وہ حضرت عمرو بن العاص کا حضرت معاویہ کے پاس گھبرا کر جانا ہے، اور اس یقین کی وجہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر ایسا یقین کامل ہوتا تھا کہ وہ اس سے ذرا ہٹ کر نہیں سوچتے تھے، اس سے انہیں حضرت علیؓ کی جماعت کے برحق ہونے کا یقین ہو گیا۔

ذہبی کہتے ہیں کہ ابو عوانہ نے اپنی مسند میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تقتل عمارا الفئة الباغية"(۳)

(حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو باغی گروہ قتل کرے گا)

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ دونوں ہی گروہ اپنے کو حق پر سمجھ کر اور احقاق حق کے لیے سرگرم عمل تھے اور مخلص تھے، حضرت علی مرتضیٰؓ کے اقدام کو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے واقعۂ شہادت سے تقویت ملی، گو کہ ان کا واقعہ شہادت بہت بڑی خیر و برکت کے اٹھ جانے کا واقعہ تھا، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان و یقین اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے عشق و محبت اور دین و حق کے لیے بڑی سے بڑی قربانی

---

(۱) البدایہ والنہایہ: ۷/۴۶۰، ط: قطر (۲) ابن کثیر: ۷/۴۶۰

(۳) الخلفاء الراشدون للذهبی ص/۲۲۵

دینے کے جذبہ کا اندازہ لگائے کہ برسرپیکار ہوتے ہوئے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات آجاتی ہے، اپنے جذبات کو کنارے لگادیتے ہیں۔

جہاں کردیا گرم، گرما گئے وہ
جہاں کردیا نرم، نرما گئے وہ

جہاں تک حضرت عمارؓ کے قاتل کی بات ہے، جس کے حملہ سے وہ جانبر نہ ہوسکے، اس کے لیے جہنمی ہونے کی بات فرمائی گئی ہے، مصنف ابن ابی شیبہ ۱۵/ ۳۰۲، کی ایک حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں "وقاتله فی النار" کے الفاظ ہیں، جسے علامہ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے۔(۱)

البتہ پورے گروہ پر اس کے اطلاق کو غلط قرار دیا ہے، اور "الفئة الباغية" کے ساتھ بعض جگہ ان الفاظ "لا أنالها والله شفاعتی یوم القیامة" کو غلط اضافہ، جھوٹ اور بہتان قرار دیا ہے، اور لکھا ہے:

"وما زاده الروافض فی هذا الحدیث بعد قوله "الباغية" "لا أنالها والله شفاعتی یوم القیامة" فهو کذب و بهت علی رسول الله صلی الله علیه وسلم فانه قد ثبت الأحادیث علیه صلوات الله وسلامه بتسمیة الفریقین مسلمین"(۲)

علامہ ابن کثیر کی یہ بات بالکل درست ہے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے صلح کے اقدام کے سلسلہ میں ان کی سیادت کی شہادت دی، اس میں اس کی وضاحت ملتی ہے، اور امام بخاریؒ سے حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع روایت اس طرح ذکر کی ہے:

"لا تقوم الساعة حتی تقتتلان فئتان عظیمتان یقتل بینهما مقتلة عظیمة ودعواهما واحدة"(۳)

امام ابن کثیرؒ نے اس کو اسی واقعہ کے متعلقات میں ذکر کیا ہے۔(۴)

---

(۱) البدایہ والنہایہ: ۷/ ۴۶۱ (۲) البدایہ والنہایہ: ۷/ ۴۶۲، ط: محقق قطر
(۳) صحیح البخاری، مناقب: ۳۶۰۸، فتن: رقم الحدیث: ۷۱۲۱ (۴) البدایہ والنہایہ: ۷/ ۴۶۷

نمونہ اہل بیت

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

(المتوفی ۳۷ھ)

نام ونسب، ابتدائی حالات اور تلاش حق میں مجاہدہ(۱)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایران کے شہر ''اصفہان'' کے رہنے والے تھے، ان کے والد چودھری تھے یعنی گاؤں کے سردار تھے اور اپنے ان فرزند سے بہت محبت کرتے تھے، تعلیم وتربیت خود دیتے اور باہری اختلاط سے دور رکھتے، آتش پرستی مذہب تھا، یعنی مجوسی تھے، اور آگ کی پوجا کرتے، عبادت ان کا ذوق وشوق تھا، ایک دن کسی کام سے باہر نکلے تو کنیسہ (عیسائیوں کا گرجا گھر) مجوسیت کے مقابلہ یہ زیادہ اچھا لگا، آخر اس دین سے دلچسپی لینے لگے، بات بات میں اصل مرکز کی بات آئی، معلوم ہوا ملک شام میں ہے، مزاج وطبیعت میں صداقت تھی خطرہ میں پڑ جانا برداشت تھا، مگر جھوٹ گوارا نہ تھا، والد نے خبر لی یہ دیر کیوں ہوئی اور کہاں تھے، صاف صاف سچ سچ بتا دیا، اور نصرانیت کی طرف رغبت سے مطلع کر دیا، حق کی تلاش تھی، طلب سچی تھی، کیسے نصرت ایزدی نہ آتی لیکن حق کے تلاشی کو پہلے آزمائشوں سے گزرنا

(۱) ملاحظہ ہو: سیر أعلام النبلاء: ۱/ ۵۰۵، الاستیعاب: ۴/ ۲۲۱، الاصابۃ: ۴/ ۲۲۳، أسد الغابۃ: ۲/ ۴۱۷

پڑتا ہے، خانہ قید کردئے گئے، پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں، بے چینی اور بڑھی اور یہ فکر طاری ہوگئی کہ شام سے کوئی قافلہ تو نہیں آیا، اہل کنیسہ کو کہلا بھی دیا کہ قافلہ آئے تو انہیں ضرور مطلع کریں، آخر قافلہ آیا اور آپ بیڑیاں توڑ کر خانہ قید سے باہر نکل آئے، اور قافلے سے جا ملے اور اس کے ساتھ ملک شام پہنچ گئے، بڑے نصرانی عالم کی تلاش ہوئی، ان کی خدمت میں حاضری دی، مقصد بتایا، انہوں نے اپنے مدرسہ و خانقاہ میں رکھا لیکن وہ آپ کو پسند نہ آیا، کہ کہتا کچھ تھا عمل کچھ کرتا تھا، حریص تھا، پیسے وصول کر اپنے لیے جمع کرتا، اس طرح سونے چاندی کے پانچ مٹکے بھر لئے تھے، کہتے ہیں اسی وجہ سے مجھ کو اس سے نفرت ہوگئی، کچھ ہی عرصہ میں وہ دنیا سے رخصت ہوگیا، اور اس کی جگہ ایک متدین عابد زاہد عالم نے جگہ لی، کہتے ہیں میں ان کے پاس رہا ان کے صلاح وتقوی کی وجہ سے مجھے ان سے محبت اور عقیدت ہوگئی، جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے ان مسترشد شاگرد کو ان کی وصیت طلب کرنے پر موصل نامی شہر جانے کی بھی ہدایت کی، وہاں مقیم عالم نے ان کو اپنے پاس رکھ لیا، جب وہ اپنے شیخ کی وفات کے بعد وہاں حاضر ہوئے، ان کا بھی جلد وقت آگیا، ان سے بھی ان مسترشدِ صادق نے وصیت چاہی، انہوں نے نصیبین جانے کو کہا، کچھ ہی وقت میں یہ محسوس کیا کہ ان شیخ کا بھی چل چلاؤ ہے، ان سے وصیت چاہی، انہوں نے ملک روم کے شہر عموریہ میں ایک بڑے عالم اور بزرگ کی نشاندہی کی، حضرت سلمان کہتے ہیں ''یہاں میں نے تحصیل علم کے ساتھ کچھ تجارت بھی کی'' ان کا بھی وقت آگیا، نصیحت چاہنے پر کہا کہ نصاری میں اب کوئی ایسا عالم و بزرگ نہیں جس کی طرف رہنمائی کی جاسکے، البتہ ایک ایسی بات کی خبر دی جو صاحب حق عالم انجیل ہی کہ سکتا تھا، کہ اب نبی آخر الزماں (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت کا وقت قریب آچکا ہے، وہ ملت ابراہیمی پر ہوں گے، اور ان کا دار الہجرۃ ایک ایسا نخلستان یعنی کھجوروں کا علاقہ ہوگا، جو دو پتھریلے علاقوں کے بیچ میں ہوگا، ان کی علامات نبوت بالکل واضح ہوں

گے، وہ ہدیہ قبول کریں گے، صدقہ نہیں، ان کی کمر میں دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی، اگر تمہاری رسائی ان تک ہو سکے تو ضرور ان کی خدمت میں چلے جانا۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو تلاش حق کے ان مراحل سے گزرنے کے بعد ایک سخت ابتلا کے مرحلہ سے گزرنا پڑا کہ وہ عموریہ میں اپنے شیخ کی وفات کے بعد مقیم تھے، ملک عرب کے قبیلہ بنو کلاب کا تجارتی قافلہ پہنچا ان کے ساتھ مدینہ طیبہ چلنے کو کہا، کہ اس کی علامات ان کے شیخ ان کو بتا چکے، مگر اس قافلہ والوں نے ان کے ساتھ بدعہدی کرتے ہوئے اپنا غلام بتا کر ایک یہودی کے ہاتھ بیچ دیا، جو خیبر کے قریب وادی القری میں رہتے تھے، بعد میں اللہ کا فضل یہ ہوا کہ اس یہودی کا ایک عزیز مدینہ طیبہ سے آیا اور ان سے خرید کر اپنے ساتھ مدینہ منورہ لے گیا، حضرت سلمان کا یہاں پہنچ کر دل باغ باغ ہو گیا، وہ خود کہتے ہیں:

> ''مدینہ طیبہ میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے دار الہجرت ہونے کی وہ تمام علامات موجود تھیں، جو مجھے عموریہ کے عالم نے بتائی تھی، اور مجھے یقین ہو گیا کہ ایک دن ضرور نبی آخر الزماں یہاں تشریف لائیں گے۔''

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ تلاش حق میں سرگرداں رہتے ہوئے کس طرح امیری سے غلامی کی طرف آ گئے، لیکن واپس گئے نہیں کہ دنیوی منصب و اعزاز کے لیے جہاں سے آئے تھے وہیں واپس چلے جائیں، اور آتش گاہ میں مذہبی رہنما کی حیثیت سے رہیں، ان کی طلب سچی تھی، اور واقعہ یہ ہے کہ سچی طلب والا محروم نہیں ہوتا، کچھ آزمائشوں کے بعد اس کی منزل مقصود کی طرف رسائی ہو جاتی ہے، غلامی میں تھے مکہ کی خبریں آتیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بھی خبر آئی، مگر انہیں معلوم نہ ہو سکی، ایک دن یکا یک ان کے مالک کے ایک عزیز نے خبر دی کہ مدینہ کے بہت سے لوگ ایک ایسے شخص کے استقبال کے لئے قبا تک گئے ہیں جو مکہ سے آ رہے ہیں، اور

خود کو اللہ کا نبی کہتے ہیں، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو مطلوب مل گیا، مقصود حاصل ہو گیا، انہیں آپ ہی کی تلاش تھی، اور آپ ہی کے ذریعہ حق کی تلاش تھی، اور اللہ کی مرضی ومنشاء کی تلاش تھی، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنی تلاش حق کی کہانی سنائی تھی جس کی روشنی میں یہ واقعہ ناظرین کے سامنے پیش کیا گیا، کہانی کا آخری حصہ پورا نقل کیا جاتا ہے، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ خود سنا رہے ہیں، راوی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں، مترجم اس عہد کے نہیں موجودہ عہد کے عالم حدیث اور اس کے کہنہ مشق معلم مولانا محمد زکریا صاحب سنبھلی مدظلہ (استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء) ہیں اور وہ اس طرح ہے:

قبول اسلام کا واقعہ

"یہ خبر سنتے ہی میرا عجیب حال ہو گیا جسم کانپنے لگا، اور مجھے خطرہ ہوا کہ کہیں درخت سے نیچے نہ گر جاؤں، بمشکل تمام اتر کر آیا، اور خبر دینے والے شخص سے پوچھنے لگا کہ تم کیا کہہ رہے تھے؟ میرے مالک کو میرے سوال پر بہت غصہ آیا، اس نے میرے منھ پر ایک طمانچہ مارا، اور کہا تم سے کیا مطلب تم اپنا کام کرو، میں نے کہا بس یوں ہی سوال کر رہا تھا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ پہونچ گئے، تو ایک رات کو میں کھانے کا کچھ سامان لے کر بغرض امتحان آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا یہ صدقہ آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے لایا ہوں، آپ نے غریب صحابہ کرام سے فرمایا تم کھاؤ، اور خود اس کو ہاتھ نہیں لگایا، میں نے دل میں کہا جو علامات عموریہ کے عالم نے بتائی تھیں ان میں سے ایک علامت تو صحیح نکلی، کچھ دنوں کے بعد کھانے کا کچھ سامان لے کر دوبارہ حاضر ہوا، اور عرض کیا، یہ آپ کی خدمت میں ہدیہ ہے، آپ نے اس کو قبول فرمالیا، خود بھی کھایا اور

صحابہ کرام کو بھی کھلایا، میں نے اپنے دل میں کہا، یہ دوسری علامت بھی صحیح ثابت ہوئی، پھر ایک دن موقع پا کر کمر مبارک پر خاتم نبوت بھی دیکھ لی، اور آخری علامت دیکھ کر صبر نہ ہو سکا اور میں پشت مبارک سے چمٹ کر رونے لگا، آپ نے مجھے اپنے سامنے کی جانب بلایا، میں نے آپ کے سامنے بیٹھ کر اپنا پورا قصہ سنا دیا، آپ نے میرا قصہ موجودہ صحابہ کرام کو بھی سنوایا، اب کس چیز کا انتظار تھا، زندگی بھر سے جس نور ہدایت کی تلاش تھی میں اس کے سامنے تھا، تمام عمر کی بے چینی کو قرار نصیب ہو گیا، کلمہ شہادت پڑھ کر اسی وقت مسلمان ہو گیا۔"(۱)

غلامی سے آزادی

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی فکر ہوئی کہ یہ کس طرح غلامی سے آزاد ہوں، مکاتبت کی شکل اختیار فرمائی، حضرت سلمان نے اپنے مالک سے کتابت کر لی مگر اس یہودی مالک نے بہت سخت شرائط پہ کتابت کی، شرائط منظور کی گئیں، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوشش کر کے یہ مسئلہ جلد طے کرا لیا، کہ تھوڑی ہی مدت میں شرائط پوری ہو گئیں، تین سو کھجور کے درخت اور یہ کہ وہ پھل دینے لگ جائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے درخت لگائے اور خلاف توقع اسی سال سارے درخت پھل دینے لگ گئے، ایک درخت جو کسی اور نے لگایا تھا، پھل نہیں دے رہا تھا اکھاڑ کر دوبارہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ درخت لگایا، اور پھل دینے لگا، چالیس اوقیہ چاندی کی شرط تھی، وہ بھی پوری کرائی، اس طرح وہ غلامی سے آزاد ہو گئے، آزادی کے بعد غزوۂ خندق میں شریک ہوئے، اور انہیں کی تجویز پر مدینہ کے اطراف میں خندق کھودی گئی، پھر بعد میں جو غزوات ہوئے ان سب میں شریک تھے، ان کے طفیل

---

(۱) البدایہ والنہایہ: ۲/ ۳۸۰ سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۵۰۱ اور مسند احمد: ۵/ ۴۴۱ (رقم ۲۴۳۱۸) میں یہ قصہ مذکور ہے۔ معارف الحدیث ۸/ ۶۱۵-۶۱۹

اللہ نے ان کی قوم کو نواز دیا، اور بعد میں علم دین کی خدمت کے لئے قوم فارس اور خطہ ایرانی واصفہانی سے جو شخصیتیں ابھریں ان کے نقوش باقی رہیں گے جب تک اسلام باقی ہے، تفصیل میں جانے کی گنجائش نہیں، اس آیت کریمہ پر ہی غور کرلیا جائے: ﴿إِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْماً غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ﴾ (۱) جو نازل ہوئی یعنی اگر تم لوگ دین کی خدمت میں کوتاہی کروگے تو اللہ تعالی تمہارے بجائے دوسرے لوگوں سے دین کا کام لے گا جو تمہاری طرح غلطی وکوتاہی نہ کریں گے، صحابہ نے پوچھا: "ومن يستبدل بنا؟" راوی کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمانؓ کے منکب (مونڈھے) پر ہاتھ مارا پھر فرمایا: "هذا و قومه، هذا و قومه" دوسری روایت میں ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ پہلو ہی میں تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف اشارہ کیا اور مزید فرمایا:

"هذا وأصحابه والذی نفسی بیده لو کان الإیمان منوطاً بالثریا لتناوله رجال من فارس" (۲)

(یہ اور ان کے ساتھی، خدا کی قسم اگر ایمان ثریا پر بھی ہوتا تو فارس کے کچھ لوگ اسے حاصل کر کے رہتے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب اہل عرب صحابہ سے تھا، اور اہل فارس کو جو بشارت دی گئی اس کا ظہور دنیا نے بعد میں دیکھ لیا اور ایک اندیشہ سے بھی باخبر کیا گیا تھا جس کا ظہور متعدد ادوار میں سیاسی طور پر ہوتا رہا، وہ اس طرح تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو اشارہ کردیا تھا کہ کہیں تم ہم سے نفرت نہ کرنے لگو، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو تعجب ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قوم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ عربوں سے نفرت نہ کرنے لگیں، اس میں اس بات کا کھلا اشارہ تھا کہ عربوں سے نفرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے تعلقی کی طرف لے جائے گی، جو دین سے پھیر دے گی، چنانچہ رفض وشیعیت کی بنیاد

---

(۱) محمد: ۳۸ (۲) جامع ترمذی، کتاب التفسیر، باب سورۃ محمد ﷺ (رقم ۳۲۶۱)

ہی اسی پر قائم ہوئی اور اس کا مرکز خطہ فارس بنا، اسی لیے روافض کو جو بغض فاتح فارس حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہے کسی اور سے نہیں۔

حضرت سلمان فارسیؓ کو اللہ نے ان کے جذبۂ تلاش حق اور طلب معرفت کی وجہ سے ان کو ایسے کمالات، خصوصیات اور امتیازات سے نواز دیا تھا، جن پر صحابہ بھی رشک کرتے، ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"سلمان منا أهل البيت" (کہ سلمان تو ہمارے اہل بیت میں سے ہیں)

تقوی وخشیت اور جود وسخا کا یہ حال تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدائن کا حاکم بنا کر بھیجا، ہزار درہم مشاہرہ مقرر کیا، سب کا سب راہ خدا میں خرچ کر دیتے، اور خود اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے۔

مجمع الکمالات ہستی

مزاج میں بڑا اعتدال، میانہ روی، حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی رعایت، ہر ایک کی خیر خواہی، جذبہ تعاون وہمدردی، علم میں رسوخ اور تفقہ، قول میں سچائی اور پختگی، جوش پر ہوش کو غالب رکھنا، جذبات کے موقع پر بھی عقل کی بالا دستی، پھر زہد واستغناء، ورع واحتیاط، اور طاعت وعبادت یہ سب وہ باتیں تھیں جس نے انہیں مجمع الفضائل اور کمالات ہستی بنا دیا تھا، اور صحابہ میں بھی ایک ممتاز شخصیت کے طور پر نمایاں کر دیا تھا۔

یہاں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا واقعہ قابل ذکر ہے، جب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے ملنے ان کے مکان میں آئے، (اور ان دونوں کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مواخات کرائی تھی) تو ان کی اہلیہ حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا کو معمولی حال میں دیکھا، اور یہ کہ معمولی زیب وزینت کی چیز بھی نہیں جس سے وہ اپنا خیال رکھتیں، ان سے کہا تم نے اپنا یہ حال کیوں بنا رکھا ہے، جواباً کہا تمہارے بھائی ابو الدرداء کو دنیا سے کوئی سروکار نہیں اتنے میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بھی آ گئے، کھانا پیش کیا حضرت سلمان

رضی اللہ عنہ سے کھانے کو کہا، اور اپنے تعلق سے کہا کہ میرا روزہ ہے، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تمہارے بغیر نہیں کھاؤں گا، اس پر حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے بھی کھالیا، جب رات آئی تو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نفل میں مشغول ہو گئے، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا سو جایئے، وہ سو گئے، کچھ دیر بعد پھر وہ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا سو جایئے، حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ پھر سو گئے، جب رات کا آخری حصہ ہوا، تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا اب کھڑے ہو جایئے، اور نماز پڑھئے، دونوں نے نماز پڑھی، اس کے بعد حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے فرمایا، تمہارے رب کا بھی تم پر حق ہے، اور تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے، اور تمہارے اہل وعیال کا بھی تم پر حق ہے، ہر صاحب حق کو اس کا حق دینا چاہئے، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر اس پورے واقعہ کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا: "صدق سلمان" (سلمان نے صحیح کہا)(۱)

امام ذہبی نے اپنی تاریخ میں ان کا ایسا ہی تربیتی واقعہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی لکھا ہے، اور کہا کہ وہ بڑے قائم اللیل اور صائم النہار تھے، ان سے ایک بار حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا:

"إن لبدنك عليك حقاً، ولزوجك عليك حقاً، فأقل مما تصنع"(۲)

(تم پر تمہارے جسم کا حق ہے، اور بیوی کا بھی حق ہے، اپنے معمولات میں کمی کرو)

---

(۱) صحيح البخاری، كتاب الصوم (رقم ۱۹٦۸)
و سنن ترمذی، أبواب الزهد (رقم ۲٤۱۳)

(۲) الخلفاء الراشدون (من تاريخ الإسلام) للذهبی ص/۱۹٥

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ تعلق، دین کی روح اور اس کے مزاج سے گہری واقفیت اور ارشاد و تربیت

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق اور آپ نے جو تعلق قائم کرائے ان کا آپ کو بڑا پاس ولحاظ رہتا تھا، اسی تعلق سے آپ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ معاملہ کیا، اور جب حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ملک شام چلے گئے اور وہاں دمشق میں قاضی بنا دیئے گئے، تو جسم تو دونوں کا دور ہو گیا لیکن ملنے کے لئے طبیعت دونوں کی بے چین رہتی، اور یہ اس تعلق کا نتیجہ تھا جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اخوت کا قائم کرایا تھا، اس لئے وقتاً فوقتاً حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے یہاں آتے، اور بے تکلف معاملہ کرتے، شام سے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو خط بھیجا کہ ارض مقدس تشریف لایئے، شام کو ارض مقدس اس لئے بھی کہتے ہیں کہ وہاں فلسطین ہے، جس میں بیت المقدس ہے، اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہاں اسراء ہوئی، اور وہاں کے مقامات کو قرآن نے بابرکت مقامات کہا ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿سُبْحَانَ الَّذِیٓ أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِۦ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِی بَارَكْنَا حَوْلَهُۥ﴾ (الاسراء: ۱)

(پاک اور بابرکت ہے وہ ذات جس نے ایک رات اپنے بندے (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو مسجد حرام سے مسجد اقصی تک سفر کرایا، جس کے آس پاس ہم نے برکت رکھی ہے)

امام ذہبی نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی اس پیش کش کا ذکر کیا ہے، اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا جواب بھی ذکر کیا ہے کہ انہوں نے لکھا ہے۔

"إن الأرض لا تقدس أحداً وإنما تقدس الإنسان عمله"
(کوئی جگہ کسی کو پاکیزہ نہیں بناتی بلکہ انسان کو اس کا عمل پاکیزہ بناتا ہے)
پھر حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو ان کی ذمہ داری کی بات کہی:

"وقد بلغني أنك جعلت طبيباً فإن كنت تبرئ فنعما لك وإن كنت متطبباً فاحذر أن تقتل إنساناً فتدخل النار"
(مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم طبیب بنائے گئے ہو، تو اگر تمہارے ذریعہ مریض شفایاب ہوں تو بہت خوب، اور اگر تم خود مریض ہو گئے تو ڈرنے کی بات ہے کہ تم کسی انسان کے قتل کے مرتکب نہ ہو جاؤ، جس کی وجہ سے جہنم میں داخل ہو جاؤ)

اس کے بعد حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا یہ حال ہو گیا تھا کہ:

"فكان أبو الدرداء إذا قضى بين اثنتين ثم أدبرا عنه نظر إليهما و قال: متطبب والله، ارجعا إليّ أعيدا عليّ قصتكما"(۱)
(حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ جب دو لوگوں کے درمیان کوئی فیصلہ کرتے اور وہ دونوں واپس ہونے لگتے تو انھیں واپس بلاتے اور کہتے کہ بخدا میں بیمار ہوں، اپنا معاملہ دوبارہ پیش کرو)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ تربیتی امور اور ارشاد و ہدایت کی باتوں میں ذرا غفلت نہ کرتے، اور تربیت نفس کی باتوں میں فوراً تنبیہ کرتے، وہ شریعت کے بڑے عالم اور صحابہ میں شیخ طریقت کا درجہ رکھتے تھے، اس لئے اونچے صحابہ بھی ان کی باتوں کو یوں ہی نہ لیتے بلکہ اصلاح لیتے۔

بہر حال حضرت سلمان رضی اللہ عنہ شام پھر تشریف لے گئے، یہاں انہوں نے نماز پڑھی، لوگ ملاقات کے لئے ٹوٹ پڑے، جیسے خلیفہ سے ملاقات کی جارہی ہے،

(۱) الخلفاء الراشدون للذهبي: ۱۹۹، سير أعلام النبلاء: ۱/۵٤۹

دمشق میں بشیر بن سعد کے مہمان رہے، اپنے دینی بھائی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا، لوگوں نے بتایا: ھو فی المرابط (وہ مورچہ پر ہیں) انہوں نے کہا أین مرابطکم؟ (تمہارا مورچہ کہاں ہے) لوگوں نے عرض کیا: بیروت، ذہبی کہتے ہیں: فتوجّه قبله. (پھر ان کی طرف قصد کیا)۔(۱)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو اللہ نے قرآن مجید کا علم عطا فرمایا، اور اس کے ساتھ انجیل کا بھی، علم عطا فرمایا تھا، اس لئے کہ وہ انجیل کے کئی بڑے عالموں کے پاس خاصا وقت گزار چکے تھے، امام ذہبی نے حضرت قتادہ کے حوالہ سے "ومن عنده علم الکتاب" (۲) کا مصداق حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو بھی قرار دیا ہے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی وفات کے وقت علم میں ان سے رجوع کرنے کو کہا تھا، اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے آپ کے بارے میں فرمایا:

"لقد اتسع من العلم"

(کہ وہ اپنے علم کی وجہ سے بڑی وسعت اختیار کر گئے) (۳)

فکر آخرت

ان کو دنیا و آخرت کا بڑا علم عطا ہوا تھا، وہ آخرت کی تیاری میں رہتے تھے اور دنیا سے بقدر ضرورت لیتے، ان کا ایک نصیحت آموز واقعہ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، وہ کہتے ہیں:

"نزلت فی الصفاح (موضع بین حنین وأنصاب الحرم) فی یوم شدید الحر، فإذا رجل نائم مستظل بشجرة معه شئ من الطعام فی مزود تحت رأسه، وقد التف فی عباءة، فأمرت أن یظلل علیه، ونزلنا فانتبه فإذا هو سلمان، فقلت: ما

(۱) الخلفاء الراشدون للنعیمی ۱۹۹ (۲) الرعد/۴۳ (۳) ملاحظہ ہو: الخلفاء الراشدون ص/۱۹۷

عرفناك، فقال: يا جرير! تواضع فى الدنيا فإن من تواضع فى الدنيا يرفعه الله يوم القيامة ومن يتعظم فى الدنيا يضعه الله يوم القيامة، ياجرير! لو حرصت على أن تجد عوداً يابساً فى الجنة لم تجده، لأن غصون الشجرة ذهب وفضة وأعلاها الثمار، يا جرير! أتدرى ما ظلة النار؟ قلت: لا قال ظلم بعضهم بعضاً"(۱)

(میں نے سخت گرمی کے دنوں میں مقام صفاح (۲) میں قیام کیا، دیکھتا ہوں کہ ایک شخص ایک پیڑ کے سایہ میں سو رہا ہے، زادراہ کا تھوڑا کھانا اس کے سر کے پاس ایک چادر میں لپٹا رکھا ہے، ہم نے ان کے اوپر سائبان لگانے کا حکم دیا، جب ہم اتر پڑے تو وہ اٹھ بیٹھے، دیکھا کہ وہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ہیں، میں نے کہا: آپ کو پہچان نہ سکا، انھوں نے فرمایا: اے جریر! دنیا میں تواضع اختیار کرو، کیونکہ جو دنیا میں تواضع اختیار کرے گا، قیامت کے دن اللہ اس کو بلندی عطا فرمائے گا، اور جو دنیا میں بڑاپن اختیار کرے گا، قیامت کے دن اللہ اس کو ذلیل کردے گا، اے جریر! تم جنت میں سوکھی لکڑی حاصل کرنا چاہو تو نہیں ملے گی، کیونکہ جنت کے درختوں کی شاخیں سونے اور چاندی کی ہوں گی جن کے اوپری حصہ میں پھل لگے ہوں گے، اے جریر! جانتے ہو، آگ کا سایہ کیا ہے؟ میں نے کہا: نہیں، فرمایا: لوگوں کا ایک دوسرے پر ظلم وزیادتی کرنا)

معذوروں کے ساتھ برتاؤ

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے اور بھی بہت سے واقعات ہیں، بڑے خود

(۱) ملاحظہ ہو: الخلفاء الراشدون ص/ ۱۹۹ (۲) حنین اور انصاب حرم کے درمیان ایک مقام ہے۔

دار، غیرت مند اور معذوروں کے کام آنے والے، مریضوں کو کھانا پہنچانے والے تھے، حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"کان سلمان یعمل بیدہ، فإذا أصاب به شیئاً اشتری به لحماً و سمکاً ثم یدعو المجذومین فیأکلون معه"(۱)

(حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھ سے کام کرتے اور جو کمائی ہوتی اس سے گوشت اور مچھلی خریدتے، پھر جذامیوں کی دعوت کرتے اور خود بھی ان کے ساتھ کھانا تناول فرماتے)

زہد وقناعت کی اعلیٰ مثال

قناعت اور زہد کی یہ کیفیت تھی کہ صرف بیس سے تیس درہم اپنے پیچھے چھوڑا، اس کو بھی وہ زیادہ سمجھتے تھے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ کے مرض وفات میں عیادت کے لئے آئے، تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ رونے لگے، عرض کیا گیا، یہ رونا کیسا؟ فرمایا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ایک عہد لیا تھا، اس کی بھی ہم حفاظت نہ کر سکے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

"لیکن بلاغ أحدکم کزاد الراکب"

(تمہاری کل متاع ایک سوار کے زادراہ کے بقدر ہونا چاہیے)

جنگی فنون میں مہارت اور شوق جہاد

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ جنگی فنون کے بڑے ماہر تھے، غزوات کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگی امور میں آپ سے مشورہ بھی فرماتے، غزوۂ احزاب کے موقع پر جب چہار جانب سے کفار کی فوجیں مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئیں اور مدینہ منورہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور مسلمانوں کو سخت خطرہ لاحق ہو گیا تھا، اس وقت

---

(۱) ملاحظہ ہو: الخلفاء الراشدون ص/ ۱۹۹

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی ہی تجویز پر مدینہ منورہ کے تین جانب خندق کھود کر دشمن سے حفاظت کا سامان کیا گیا اور ایک طرف سے ان کا مقابلہ کیا گیا، اسی وجہ سے اس غزوہ کو "غزوۂ خندق بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی اس تجویز نے مسلمانوں کو بہت بڑے خطرے سے محفوظ کر دیا، اور خندق کھودنے کے عمل میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس حصہ لیا تھا، خندق کی کھودائی کے دوران ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روم وایران، شام وفارس کی فتوحات کی پیشین گوئی فرمادی تھی، بالآخر دشمنوں کی تمام فوجیں ناکام ونامراد واپس ہوگئیں، اور اسی غزوہ کے بعد صلح حدیبیہ اور اس کے نتیجہ میں "فتح مبین" کے دور کا آغاز ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مسلسل جہاد میں حصہ لیتے رہے، خاص طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب ایران پر لشکر کشی ہوئی تو اس میں آپ نے ایک نمایاں سالار کی حیثیت سے حصہ لیا، سیکڑوں بلکہ ہزاروں عرب مسلمان آپ کی کمان میں جہاد کرتے تھے، جامع ترمذی میں ہے کہ ان کا قاعدہ تھا کہ جب ایران کے کسی قلعہ پر حملہ کرنا ہوتا تو پہلے تین بار انھیں اسلام اور حق کی دعوت دیتے، حملہ کرنے سے پہلے برادرانہ تعلق کا اظہار کرتے ہوئے بتاتے کہ دیکھو اسلام کی بدولت ہی میں عربوں کا سالار بنا ہوا ہوں، پھر جزیہ کی بات کہتے اور قتال سے ڈراتے، ایسا تین بار کرتے، پھر تین دن کا موقع دیتے اور نہ ماننے کی صورت میں قلعہ پر حملہ کرتے۔

ایران فتح ہونے کے بعد آپ نے مدائن کو اپنا مستقر بنالیا تھا، کچھ عرصہ وہاں کے گو[illegible] رہے، لیکن اپنی امارت کے زمانہ میں بھی اتنے سادہ رہتے کہ دیکھ کر کوئی شخص انھیں ا[illegible]ئن نہ سمجھ سکتا تھا۔

ایک مرتبہ شام کا ایک تاجر کچھ سامان لے کر مدائن آیا، حضرت سلمان فارسیؓ

ایک عام آدمی کی طرح جا رہے تھے، شام کا وہ تاجر انھیں مزدور سمجھا اور ان سے کہا کہ یہ گٹھری اٹھالو، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کسی تامل اور توقف کے بغیر وہ گٹھری اٹھالی اور چل دیئے، مدائن کے باشندوں نے یہ ماجرا دیکھا تو اس تاجر سے کہا یہ ہمارے امیر ہیں، اس پر وہ دنگ رہ گیا اور ندامت و معذرت کے ساتھ آپ سے درخواست کی کہ وہ گٹھری اتار دیں اور اسے معاف کر دیں، لیکن حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ایک نیکی کی نیت کر لی ہے اس لیے اس کام کو پورا بھی کروں گا، اور اس کا وہ سامان اس کی منزل تک پہنچا کر واپس ہوئے۔(۱)

وفات

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے بڑی لمبی عمر پائی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں (۳۶ھ یا ۳۷ھ میں) مدائن میں ہی وفات پائی، وہیں مدفون ہوئے، آپ کی قبر مبارک پر آج بھی یہ حدیث کندہ ہے:

"سلمان منا أهل البيت"(۲)

(۱) جہاں دیدہ از جسٹس محمد تقی عثمانی ص/۵۱ (بحوالہ طبقات ابن سعد ۴/ ۸۸)
(۲) جہاں دیدہ از جسٹس محمد تقی عثمانی ص/۵۲

سابق الروم

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ

(وفات ۳۸ھ)

شخصیت وکمالات

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ عربی النسل جلیل القدر رومی النسبت وہ عظیم صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جنہیں سابقین اولین میں جگہ ملی، اور دین کے لیے بڑی مشقت اور مکہ معظمہ میں کفار قریش سے بڑی تکلیفیں برداشت کیں۔

ابو یحییٰ کنیت ہے، صہیب بن سنان ولدیت ہے(۱) عبداللہ بن جدعان التیمی ولاء ہے، نمیر بن قاسط کی نسل سے ہیں(۲) دجلہ وفرات کے درمیان موصل کے سرزمین پر ان کے قبیلہ کے مکانات اور آبادی تھی، وہاں جب روم نے غارت گری کی تو یہ اس وقت کم سن تھے، تو انہیں اہل روم اپنے ساتھ لیتے گئے، اور غلام بنالیا، اور اسی ماحول میں نشو ونما ہوئی، پھر انہیں کلب (یا کلیب) نے خرید لیا، اور وہ انہیں مکہ معظمہ لے آئے، جہاں عبداللہ بن جدعان تیمی نے اپنے لیے ان سے خریدا، پھر کچھ مدت

---

(۱) ملاحظہ: مسند أحمد: ٤/٣٣٢، التاريخ الكبير: ٤/٣١٥، الاستيعاب: ٥/١٤٧، أسد الغابة: ٣/٣٦، تاريخ الاسلام: ٢/١٨٥، سير أعلام النبلاء: ٢/١٧

(۲) طبقات ابن سعد: ٣/٢٢٧

کے بعد آزاد کردیا، مگر یہ اپنے انہیں مالک کے ساتھ اس وقت تک رہے جب تک وہ زندہ رہے، رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی، انہوں نے اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے ایک ہی روز میں رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، جب آنحضور ﷺ دار الارقم میں تشریف فرما تھے، اس وقت تیس سے کچھ اوپر لوگ ہی مسلمان ہوئے تھے، یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ اہل روم میں کے بیچ میں وہ بڑی عمر کو پہنچ گئے تھے اور سمجھدار تھے، عقل سلیم رکھتے تھے، وہاں سے بھاگ نکلے اور مکہ معظمہ آکر عبداللہ بن جدعان سے معاہدہ کرلیا اور مکہ معظمہ میں شروع میں اسلام لانے والوں میں ہوئے۔

ان صحابہ میں تھے جن کو پشت پناہی حاصل نہ تھی، اور وہ دین کے خاطر بہت ستائے گئے (۱) جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ پاک ہجرت فرمائی تو انہوں نے بھی ہجرت کی، اور یہ وہ خوش نصیب صحابی ہیں جن کے بارے میں آیت کریمہ ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ﴾ (البقرة: ۲۰۷) نازل ہوئی، بدر میں شریک صحابہ میں ان کا شمار ہے، اور دوسرے غزوات میں حصہ لیا اور جوہر دکھائے، صحابہ کرام میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ان سے روایت لی ہے اور تابعین میں حضرت سعید بن المسیبؒ کا نام استفادہ کرنے والوں میں نمایاں ہے، ۳۸ھ کو ستر سال کی عمر میں مدینہ طیبہ میں وفات پائی، اور بقیع میں سپرد خاک ہوئے، اور ایک بات ۳۹ھ کی بھی کہی گئی ہے، اور عمر ۷۳ سال کی تھی۔ (۲)

ان سے جو روایات مروی ہیں، ان میں ایک روایت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اذا دخل أهل الجنة الجنة، يقول الله تبارك و تعالىٰ: تريدون شيئا أزيدكم؟ فيقولون: ألم تبيض وجوهنا؟ ألم تدخلنا الجنة؟ و تنجنا من النار؟ فيكشف الحجاب، فما

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۲/۲۱

(۲) جامع الاصول فی احادیث الرسول، الجزء العاشر: ۲۹۵، وزارة الاوقاف قطر ۲۰۱۲ء

أعطوا شيئا أحب اليهم من النظر الى ربهم تبارك و تعالىٰ.

زاد فی روایة: ثم تلا هذه الآية:

﴿للذين أحسنوا الحسنى وزيادة﴾(يونس: ٢٦)(١)

(کہ جب جنتی جنت میں جائیں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا، مزید تمہیں چاہیے میں دوں؟ وہ سب کہیں گے کیا یہ کم نہیں، آپ نے ہمارے چہروں کو روشن کیا، کیا یہ کم نہیں کہ آپ نے ہمیں جنت میں جگہ دی اور دوزخ سے نجات دی، پھر اللہ تعالیٰ حجاب ہٹادیں گے اور دیدار الٰہی سے بڑھ کر کوئی انعام نہیں ہوگا، جو اس وقت انہیں عطا ہوگا، ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت بھی تلاوت کی: ﴿للذين أحسنوا الحسنى وزيادة﴾

مبارک تاجر

ابو یحییٰ حضرت صہیب بن سنان بن مالک الرومی کے صدق ایمان کی گواہی قرآن پاک نے دی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاء مَرْضَاتِ اللّهِ وَاللّهُ رَؤُوفٌ بِالْعِبَادِ﴾ (البقرة: ٢٠٧)

(اور لوگوں میں وہ بھی ہیں جو اپنا سب کچھ لٹادیتے ہیں، اللہ کی خوشی حاصل کرنے کے جذبہ سے، اور اللہ بندوں کے معاملہ میں بڑی رافت رکھنے والا ہے)

واقعہ یہ ہوا کہ مشرکین مکہ ان کی ہجرت میں آڑے آرہے تھے، انہوں نے ان میں مال کی ہوس دیکھ کر اپنے مقصد میں کامیابی کا راستہ پالیا، اور کہا: تم لوگ اگر مال چاہتے ہو تو فلاں جگہ پر مال مدفون ہے، وہ لوگ ان کو چھوڑ کر مال لینے چلے گئے، اور یہ

(١) أخرجه مسلم: ٤٦٧، والترمذی: ٣١٠٥

مدینہ پاک کی طرف ہو لیے، جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو ان سے آنحضور ﷺ نے فرمایا:

"ربح البيع أبا يحيٰ"(۱) (تجارت نفع بخش رہی ابو یحییٰ!)

بدر واحد اور دوسرے غزوات میں شریک رہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھائی تھی، ان کی وصیت کے مطابق' ابن کثیر کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ نے انتخاب خلیفہ کا معاملہ شوری بنا کر اس کے سپرد کیا تھا، تو یہی تعیین خلیفہ تک نماز کی امامت فرماتے رہے۔(۲)

سرخ سپید تھے، سرخی غالب تھی، قد درمیانی تھا، زبان میں لکنت تھی، مزاج ہنس مکھ تھا، ستر سال سے زائد عمر پائی اور ۳۸ھ میں مدینہ منورہ میں پائی۔

رسول اللہ ﷺ کی خصوصی شفقت

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ حضرت سلمان اور حضرت بلال کی طرح ان کمزور اور ستائے ہوئے صحابہ میں تھے جن کی رسول اللہ ﷺ بڑی دل داری فرمایا کرتے تھے، صحیح مسلم کی روایت ہے کہ

"ان أبا سفيان أتى على سلمان وصهيب وبلال فى نفر، فقالوا: والله ما أخذت سيوف الله من عنق عدو الله مأخذها، قال فقال أبوبكر: أتقولون هذا لشيخ قريش وسيدهم، فأتى النبى صلى الله عليه وسلم فأخبره، فقال يا أبابكر لعلك أغضبتهم، لئن كنت أغضبتهم لقد أغضبت ربك، فأتاهم أبوبكر فقال: يا اخوتاه! أغضبتكم؟ قالوا: لا، يغفر لك الله يا أخي"(۳)

---

(۱) البدایہ والنہایہ: ۷/۵۳۳، حاکم: ۳/۳۹۸ (۲) تاریخ ابن کثیر: ۷/۵۳۳

(۲) صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب فضائل سلمان وصهيب وبلال: ۲۵۶۸

(کہ سلمان، صہیب اور بلال کچھ لوگوں کے ساتھ تھے، ان میں ابوسفیان آگئے، ان لوگوں نے کہا: اللہ کی تلواریں اللہ کے دشمن کی گردن پر جیسی پڑنی چاہئیں نہیں پڑیں، راوی کہتے ہیں: اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شیخ قریش اور سید قریش کو ایسی بات کہتے ہو تم لوگ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ ماجرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! لگتا ہے تم نے ان لوگوں کا دل دکھایا، اگر ایسا تم نے کیا ہے تو اپنے رب کو ناراض کیا ہے، فوراً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے پاس آئے، فرمایا: بھائیو! بتاؤ میں نے تم کو ناراض تو نہیں کیا؟ ان سبھوں نے کہا: نہیں، ایسی کوئی بات نہیں، اے بھائی! اللہ آپ کی مغفرت فرمائے)

خصوصیات

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ قبل از بعثت انہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل تھی، فرماتے تھے:

"صحبتُ النبي صلى الله عليه وسلم قبل أن يوحى اليه"(۱)

اور یہ امتیاز فاصل ہے کہ ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"صهيب سابق الروم الى الجنة"(۲)

(اہل روم میں صہیب سب سے پہلے جنت میں جانے والے شخص ہیں)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں فرمایا:

"من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليُحب صهيبا حبَّ الوالدة لِولَدِها" (۳) (یعنی اہل ایمان کو چاہیے کہ صہیب سے ایسی محبت کریں جیسی ماں اپنے بیٹے سے کرتی ہے)

---

(۱) مجمع الزوائد، باب فضل صہیب، بحوالہ طبرانی (۲) أیضا (۳) معارف الحدیث، جلد ہشتم، صفحہ: ۶۳۷، بحوالہ: سير أعلام النبلاء للذهبي، وكتاب الثقات لابن حبان

فاتح مصر وقدس
حضرت عمرو بن العاص السہمی رضی اللہ عنہ
(وفات ۴۳ھ)

نسب وخاندان (۱)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ قبیلۂ قریش کے ہی ممتاز اور مجموعہ کمالات شخصیت ہیں، کعب (بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر) پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتے ہیں، فہر بن مالک کو قریشی کہا گیا ہے، امام عبداللہ بن امام محمد بن عبدالوہاب نجدی (م ۱۲۴۲ھ) لکھتے ہیں:

"وفهر هذا هو أبو قريش كلها فكل من كان من ولده فليس قرشيا"

اور لکھتے ہیں:

"وقد قيل ان النضر بن كنانة هو قريش والصحيح أنه فهر بن مالك" (۲)

مقام اور شخصیت

جلیل القدر صحابی رسول، عظیم فاتح اسلام و قائد، فصیح عرب، خطیب قریش

(۱) ملاحظہ ہو: مسند أحمد: ۴/۲۰۲، طبقات ابن سعد: ۴/۲۵۴

(۲) مختصر سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، ص: ۱۰، ط: مطبعہ سلفیہ قاہرہ

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جماعت صحابہ میں ان گنے چنے افراد میں ہیں جن کے ذکر کے بغیر اسلام کی تاریخ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ نامکمل رہے گا، اگرچہ اسلام لانے میں وہ مؤخر نظر آتے ہیں، لیکن قبول اسلام میں وہ غور وفکر، تدبر اور دل کی گہرائی سے نظر آئے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا جیسا کہ سنن ترمذی کی روایت ہے:

"أسلم الناس وآمن عمرو بن العاص"(۱)

(لوگوں نے اسلام قبول کیا اور عمرو بن العاص نے ایمان قبول کیا)

ان کے ایمان کی یہ تاثیر تھی کہ ایمان لانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر پوری نظر نہیں ڈال پاتے تھے، محبت واحترام عقیدت وتقدس میں نگاہ نیچی ہوجاتی، اور ان کا یہ بھی حال سامنے آیا کہ ایمان لانے سے پہلے انھیں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے بڑا ہی بعد تھا، اور ہاتھ میں ہاتھ دیتے ہی ایسا قرب ہوا کہ پھر کوئی دل سے ایسا قریب ومحبوب نہیں ہوا۔

حبشہ کا سفر اور نجاشی کی دعوت ایمان

جہاں تک ان کے ایمان لانے کا تعلق ہے اس کا بیج ان کے دل میں اسی وقت پڑ گیا تھا جب وہ حبشہ ہجرت کرنے والے اپنے قبیلۂ قریش کے بعض افراد کے سلسلہ میں گفتگو کرنے کے لیے اپنے ایک قریشی بھائی حضرت ابوسفیان اموی رضی اللہ عنہ (والد گرامی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) کے ساتھ گئے تھے، بات چیت کا کوئی نتیجہ کیسے نکلتا، جب کہ شاہ حبشہ نجاشی کے دل میں خود اسلام گھر کر گیا تھا اور ہجرت کرنے والوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر عم زاد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جیسے مؤمن صادق اور فصیح وبلیغ مہاجر موجود تھے، انہوں نے اس موقع پر اسلام کی حقانیت وصداقت کو پیش کرتے ہوئے جو نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے

(۱) سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب فضل عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ: ۳۸۴۴

احسانات انسانیت پر گنائے وہ خود اسلامی انسانی ادب کا شاہکار ہے، آخر مایوس جب یہ دورکنی قریشی وفد مکہ معظمہ کو روانہ ہونے لگا تو نجاشی نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے سوال کیا۔

"كيف يعزب عنك امر محمد ياعمرو! على ما أعرفه من رجاحة عقلك وبعد نظرك، فوالله انه رسول الله اليكم خاصة والى الناس كآفة فقال له عمرو: أأنت تقول ذلك أيها الملك بمحمد(صلى الله عليه وسلم) وماجاء كم من الحق، فقال النجاشي: اى والله! فأطعني يا عمرو! وآمن"

(محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں تمہاری یہ دوری کیسے اے عمرو جیسا کہ مجھے تمہاری دوراندیشی اور اصابت رائے کا علم ہے، بخدا وہ یقینی طور پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، خاص طور پر تم لوگوں کی طرف اور پھر سبھی انسانوں کی طرف رسول بنا کر مبعوث کئے گئے ہیں، حضرت عمرو بن العاص نے کہا آپ ایسا کہتے ہیں اے بادشاہ! نجاشی نے کہا: ہاں بخدا ایسا ہی ہے تم میری بات مان لو اے عمرو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور وہ جو حق لے کر آئے ہیں اس پر ایمان لے آؤ۔)(۱)

بارگاہ رسالت میں حاضری اور ہجرت

حق کی یہ چنگاری دھیرے دھیرے شعلہ بنتی رہی، اور ان کا دل جگمگا گیا، وہ زمانہ صلح میں جو دو سال کا عرصہ ہے، مدینہ طیبہ اپنے دو ساتھیوں حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ اور کلید بردار کعبہ حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ دربار نبوت میں نیاز مندانہ حاضر ہوئے، جن کا راستہ میں ساتھ ہوا تھا، پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

(۱) صور من حیاۃ الصحابۃ ص: ۵۷۵:۵۷۶، ط؛ دار الادب الاسلامی، قاہرہ

حضرت خالد بن الولید اور حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے بیعت کی تھی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص کے لیے ہاتھ بڑھایا، اور معاملہ عجیب یہ ہوا کہ اس طالب صادق نے ہاتھ روک لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مالك يا عمرو!؟" (کیا معاملہ ہے اے عمرو)

حضرت عمرو نے عرض کیا:

"أبايعك على ان يغفرلى ماتقدم من ذنبى"

(کہ میں بیعت آپ سے اس پر کروں گا کہ میری بخشش ہو جائے، پچھلے سبھی گناہ معاف ہو جائیں)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ان الاسلام والهجرة، يجبان ماقبلهما"

(کہ اسلام اور ہجرت یہ دونوں سبھی پچھلے گناہ ختم کر دیتے ہیں)

چنانچہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بیعت کی۔(۱)

حضرت عمرو بن العاص کا اسلام فتح مکہ سے قبل کا ہے، اور فتح مکہ کے بعد ہجرت کا حکم باقی نہیں رہا۔

بیعت اسلام واحسان

جہاں تک بیعت اور اس کے اثرات کا تعلق ہے تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت اولا بیعت اسلام تھی اور نور نبوت کی تاثیر اور ان کی طلب صادق، اور یقین کے نور سے وہ بیعت تزکیہ واحسان بھی ہوئی، جس کا ایک اثر ان کے حال پر یہ بڑھا جسے شیخ عبدالرحمٰن رافت باشا نے اس طرح بیان کیا:

"فكان يقول: والله ماملأت عينى (من الرسول عليه الصلوٰة والسلام) ولا تمليت من النظر الى وجهه حتى لحق بربه"(۲)

---

(۱) صور من حیاۃ الصحابہ ص: ۵۷۷ قاہرہ (۲) بحوالہ سابق، ص: ۵۷۷

(وہ فرماتے تھے بخدا! میری آنکھوں نے رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک کو کبھی بھر کر نہیں دیکھا یہاں تک کہ وفات کا سانحہ عظیم پیش آ گیا)

اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے اثرات کو اپنی کتاب سیرت سید احمد شہید جلد دوم میں اس طرح بیان کرتے ہیں۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

"بیعت سے پہلے میری یہ حالت تھی کہ میری نظر میں آپ سے زیادہ مبغوض ہستی دنیا میں کوئی نہ تھی، اگر خدانخواستہ اس وقت مجھے موقع مل جاتا تو اپنی عاقبت ضرور خراب کر لیتا لیکن بیعت کے بعد میری نظر میں آپ سے زیادہ محبوب و محترم ذات دنیا کے پردے میں کوئی نہ تھی یہاں تک کہ میں نظر بھر کر آپ کو دیکھ نہیں سکتا تھا، اگر مجھ سے کوئی آپ کا حلیہ پوچھتا تو واللہ میں آپ کا حلیہ مبارک نہیں بتلا سکتا تھا اس لیے کہ میں نے آپ کو نظر بھر کر دیکھا ہی نہیں تھا۔"(۱)

باوجود یہ کہ اقدامی صلاحیت ان میں اعلیٰ درجہ کی پائی جاتی تھی لیکن عین معرکۂ کارزار میں بھی خلیفۂ وقت کے حکم کی پاسداری میں وہ کمزور نظر نہ آئے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں خلیفہ و امیر کے حکم کی بھی تعمیل ہے، جب وہ مصر کی جنگ میں مشغول تھے، بعض صحابہ کو یہ خدشہ ہوا کہ کہیں مسلمانوں کو زیادہ نقصان نہ پہونچ جائے اور وہ اپنے اقدامی مزاج میں آگے بڑھتے رہیں، خلیفۂ اسلام امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں ایک قاصد کے ذریعہ مکتوب روانہ کیا جس میں یہ تاکید کی تھی کہ اگر حدود مصر میں داخل نہ ہوئے ہوں تو رک جائیں اور واپس آ جائیں۔

"ان أدرك كتابي هذا قبل ان تدخل أرض مصر، فارجع الى موضعك وان كنت دخلت أرضها فامض لوجهك"(۲)

---

(۱) سیرت سید احمد شہید ج: دوم ص: ۵۴۶ طبع قدیم بحوالہ صحیح مسلم کتاب الایمان

(۲) فتوح مصر و أخبارها: أبو القاسم القرشي، دار الفكر بيروت، ص: ۱۳۳

(اگر میرا خط تمہیں مصر میں داخلہ سے پہلے مل جائے تو واپسی کر لیجئے گا اور اگر حدود مصر میں داخلہ ہو گیا ہے تو کام جاری رکھیں)

اس مکتوب عالی کو پڑھ کر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو جمع کیا۔ اور نامۂ فاروقی انھیں سنایا اور کہا کہ:

"ألستم تعلمون اننا فی ارض مصر، فقالوا: بلیٰ، فقال: فلنمض علی برکة الله و توفیقه"

(آپ سب جان رہے ہیں کہ ہم لوگ حدود مصر میں ہیں؟ سب نے کہا یقیناً (مصر میں ہی ہیں) فرمایا: اللہ کے نام کی برکت اور اس کی توفیق سے آگے بڑھتے ہیں)(۱)

یہ ان کی ذکاوت اور اسلام کی خیر خواہی اور اقدامی صلاحیت کی اعلیٰ درجہ کی بات تھی کہ وہ قاصد سے مصر میں داخل ہونے سے پہلے نہیں ملے اور اپنی فوج کے ساتھ اقدام اور تیز کر دیا یہاں تک کہ مصر میں داخل ہو کر استقبال کیا اور اس پر عمل کیا، ورنہ دوسری صورت میں اطاعت امیر میں واپسی فتح مصر سے مانع بن جاتی، مصر کی فتح سے اسلام اور مسلمانوں کے لیے جو خزانے کھلے اور افریقہ و یورپ، مراکش و اندلس کے دروازے کھلے کہ مصر کو ان ممالک و براعظموں کے دروازے کی حیثیت حاصل تھی اور پھر جو علمی دینی چشمے پھوٹے جن سے دنیا کی نسلیں سیراب ہوئیں، اور لاکھوں افراد کو ہدایت اور کروڑوں لوگوں کو جو علم و تمدن ملا وہ سب اس عظیم فاتح اور جلیل القدر قائد اور قابل رشک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نصیب میں تھا جس کے ثواب کی کوئی انتہا نہیں۔

جنگوں میں قائدانہ کردار

اسلام لانے کے بعد اسلام لانے کے لیے اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ان کی خدمات اور قائدانہ کردار نے اسلام اور مسلمانوں کو بڑی طاقت پہونچائی، اسلام

(۱) صور من حیاۃ الصحابہ راف باشا ص: ۵۸۰، ۵۸۱، ط: دار الادب الاسلامی قاہرہ

لانے کے بعد مدینہ منورہ کے قیام میں ہی غزوات میں حصہ لیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی خدمات خاص طور پر غزوۂ ذات السلاسل میں لی تھیں اور مسلمانوں کے لشکر کا انہیں امیر و قائد بنایا تھا، جبکہ اس لشکر میں سابقین اولین اور انصار و مہاجرین کے بڑے لوگ موجود تھے، حضرت عمرو بن العاص کے قائدانہ کردار اور اسلام و مسلمانوں کے لیے اپنی خدمات پیش کرنے کا دوسرا اہم زمانہ خلافت صدیقی ہے، جبکہ مرتدین اور مانعین زکوٰۃ نے سخت مشکلات کھڑی کر دی تھیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے "أينقص الدين و أناحي" کا نعرہ بلند کر کے مقابلہ کی ٹھان لی تھی، اس وقت جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مرتدین اور مانعین زکوۃ سے مقابلہ کے لیے روانہ ہوئے اور بنی عامر میں پڑاؤ ڈالا تو ان کے لیڈروں میں قرہ بن ہبیرہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ پیشکش رکھی کہ زکوٰۃ پر اصرار نہ کریں، اس کا فائدہ یہ ظاہر ہوگا کہ یہ سب عرب مطیع بن جائیں گے، ورنہ یہ آپ کے قابو میں آنے کے نہیں۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی ایمانی حس کہاں اس بات کو برداشت کر سکتی تھی۔

کہا: ویحك (ناس ہو تمہارا) أكفرت ياقرة؟ کافر ہو گئے ہو اے قرہ۔

"وهل تخوفنا بردة العرب"؟ یا ڈرا رہے ہو ارتداد قبائل عرب سے؟

"فوالله لاوطين عليك الخيل فى خياء امك"

تم پر بالضرور گھوڑے دوڑائیں گے تم چاہے اپنی ماں کی گود ہی میں کیوں نہ ہو۔(۱)

آخر مرتدین عرب و مانعین زکوٰۃ کا غرور ٹوٹا، اور اسلام کی حقانیت نے ایک بار پھر اپنے پنجے گاڑ دیئے، اور حق کا علم بلند ہوا اور باطل سرنگوں ہوا۔

پھر تیسرا دور ان کی خدمات اور قائدانہ وفاتحانہ کردار کا دور فاروقی ہے، حضرت

---

(۱) صور من حیاۃ الصحابہ ص: ۵۷۷-۵۷۸

فاروق اعظم سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ لوگوں کی صلاحیتوں سے نہ صرف کمال واقفیت والے بلکہ ان سے کام لینے والے اور ان کی صلاحیتوں سے ان کی جگہ کام لینے میں بڑا امتیازی مقام اور اعلیٰ بصیرت وفراست رکھتے تھے۔

چنانچہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے حصہ میں وہ سعادت کبریٰ آئی جس کے حصول کی تمنا کسے نہیں تھی، اللہ تعالیٰ نے فلسطین کے ایک ایک علاقہ کو ان کے ذریعۂ اسلام اور مسلمانوں کے لیے فتح دلاتا رہا، یہاں تک کہ سرزمین قدس بیت المقدس پر بھی اسلام کا جھنڈا لہرایا، اور عیسائی حاکم رومی نمائندہ ارطبون مجبور ہوا کہ قدس کو مسلمانوں کے لیے خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن خطاب کے حوالہ کردے اور خلیفہ کی موجوگی میں یہی عمل انجام پائے، فاتح قدس حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب کو اس کی بذریعہ رقعہ اطلاع کی اور ان کی خواہش وارادہ کا ذکر کیا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تشریف لائے، لیکن ایسے سادہ انداز میں کہ ان میں کہیں سے فاتحانہ ناز اور شاہانہ انداز نہیں تھا بلکہ نیاز مندانہ انداز اور فقیرانہ شان تھی، یہ واقعہ ۱۵ھ کا ہے جس کا ذکر گزر چکا۔(۱)

اس کے بعد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا بڑا کارنامہ فتح مصر ہے۔

فصاحت وبلاغت

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا ایک بڑا امتیازی وصف ان کی فصاحت تھی جس میں وہ قبائل عرب میں ممتاز ترین فرد سمجھے جاتے، یہاں تک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کو اس میں اللہ کی ایک نشانی (آیۃ من آیات اللہ) سمجھتے تھے، اور جب وہ کسی کی زبان میں کمزوری دیکھتے تو کہتے: اللہ پر ایمان ہے، اس کا خالق اور عمرو بن العاص کا خالق ایک ہے۔

ڈاکٹر رافت باشا لکھتے ہیں:

---

(۱) بحوالہ سابق: ۵۷۸-۵۷۹

"كان يرى فى فصاحته آية على قدرة الله سبحانه، فكان اذا رأى رجلا يتلجلج قال: آمنت بالله.....ان خالق هذا و خالق عمرو بن العاص واحد"(۱)

ملفوظات ومناجات

عموماً اہل مصر فصیح ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو مصر میں ان سے کام لینا تھا، اس وصف اور خصوصیت کو ان میں زیادہ کر دیا، جس سے وہاں کام میں آسانی ہو، فصاحت کی اس ضرورت کو سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے محسوس کیا تھا اور فرعون مصر کے پاس جانے کے لیے حضرت ہارون علیہ السلام کی جو بات رکھی تھی اس میں ان کی فصاحت کا بھی ذکر کیا تھا، ڈاکٹر عبدالرحمٰن رافت باشا لکھتے ہیں:

"ومن بليغ كلام عمرو بن العاص قوله "الرجال ثلاثة: رجل تام، ونصف رجل، ولاشئى، اماالرجل التام، فهوالذى كمل دينه، وعقله، فاذا اراد أن يقضى امراً استشارأهل الرأى، فلا يزال موفقا واما نصف الرجل فهوالذى يكمل الله له دينه وعقله، فاذا أراد أن يقضى امراً لم يستشرفيه احداً، وقال: "أي الناس اتبعه، واترك رأى لرأيه؟فيصيب ويخطئى، واماالذى لاشئى، فهو من لادين له، ولاعقل، فلايزال مخطيامدبرا .....والله انى لأستشير فى الامر حتى خدمى"(۲)

(لوگ تین طرح کے ہیں: ایک کامل شخص، ایک ادھورا اور ایک ناچیز و عاجز شخص، کامل شخص وہ ہے جس کا دین اور عقل دونوں کامل ہے، وہ کوئی فیصلہ لینا چاہتا ہے تو اہل فہم ورائے سے مشورہ کرتا ہے، اور با توفیق رہتا ہے، ناقص شخص وہ ہے جس کے دین اور عقل کو اللہ پورا

(۱) صور من حیاۃ الصحابۃ: ۵۸۲، ط: قاہرہ (۲) صور من حیاۃ الصحابۃ: ۵۸۲-۵۸۳

فرمائے گا، جب وہ فیصلہ لیتا ہے کسی سے اس میں مشورہ نہیں کرتا، اور کہتا ہے کس کی بات ہم مانیں، اور کس کی رائے پر اپنی رائے کو پیچھے کریں، وہ اپنے اجتہاد میں صحیح بھی کرتا ہے، غلط بھی کرتا ہے، اور ناچیز و عاجز شخص وہ ہے جس کے پاس نہ دین ہے، نہ عقل، وہ برابر غلطی کرتا رہتا ہے اور پچھڑتا جاتا ہے)

ایسے عظیم کارناموں اور فتوحات، قائدانہ کردار، دین و دنیا کی جامعیت اور غیر معمولی ذکاوت، فراست، بصیرت اور فصاحت و بلاغت میں امتیازی مقام رکھنے کے باوجود ان کا اندرون ایسا پاکیزہ اور قلب ایسا سلیم، اور دماغ ایسا روشن اور حاضر تھا کہ انتقال کے وقت زندگی کی آخری ساعتوں میں اپنی حالتوں کو یاد کرتے ہوئے کہا کہ تین حالتیں مجھ پر گزری ہیں۔

(۱) ایک تو کفر کی حالت، اس حالت میں موت آجاتی تو جہنم پکی تھی۔

(۲) دوسری حالت قبول اسلام کی حالت ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اس قدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاظ تھا کہ چہرۂ مبارک کو میں نے کبھی آنکھ بھر کے نہیں دیکھا یہ وہ حالت تھی کہ اگر موت آجاتی لوگوں کی زبان پر ہوتا۔

"هنيأ لعمرو اسلم على خير، ومات على خير"

کیا ہی مبارک ہیں عمرو بہتر مسلمان رہے اور بہتر موت مرے۔

آخر میں اللہ سے مناجات کرنے لگے جو یہ تھی۔

"اللهم امرتنا فعصينا، و نهيتنا فما انتهينا، و لا يسعنا الا عفوك يا ارحم الراحمين"

(بار الہا! تیری نافرمانی میں زندگی گذری، جن باتوں سے تو نے روکا ان سے رک نہ سکے، صرف آپ کی معافی ہمارے کام آئے گی اے ارحم الراحمین)

پھر ہاتھ نیچے کیا اور نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی اور کہنے لگے:

"اللهم لاقوی فانتصر، ولا بری فأعتذر، وماانابمستکبر، وانما مستغفر، فاغفرلی یاغفار"

(بارالہا! ہم مضبوط نہیں کہ غالب ہوں، اور دھلے دھلائے نہیں کہ عذر پیش کریں، نہ ہی بڑے ہیں کہ اترائیں، ہم تو گناہوں کی معافی چاہتے ہیں، معاف فرمادے اے غفار!)

ان کلمات دعا کو دہراتے رہے یہاں تک کہ روح پرواز کرگئی۔(۱)

امام ذہبی کا خراج عقیدت

امام ذہبی نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے فضائل وکمالات کو چند جملوں میں اس طرح ادا کیا ہے:

"عمرو بن العاص بن وائل أبو عبدالله ويقال: أبو محمدالسهمی، داهية قريش، ورجل العالم، ومن يضرب به المثل فی الفطنة والدهاء، والحزم.

هاجر الی رسول الله صلی الله عليه وسلم مسلمافی أوائل سنة ثمان، مرافقا لخالد بن الوليد، وحاجب الكعبة عثمان بن طلحة ففرح النبی صلی الله عليه وسلم بقدومهم واسلامهم وأمّرعمرواًعلی بعض الجيش وجهزه للغزو"(۲)

(عمرو بن العاص بن وائل ابوعبداللہ ابومحمد السہمی قریش کے بڑے دانشور، دنیا کے عظیم اور ان لوگوں مین ایک جو زیرکی اور دوراندیشی میں ضرب المثل تھے، شروع ۸ھ میں حضرت خالد بن ولید اور حضرت عثمان بن طلحہ کے ساتھ آنحضور ﷺ کی خدمت ہجرت

---

(۱) صور من حیاۃ الصحابہ: ۵۸۳، ۵۸۴ (۲) سیر النبلاء ۳/۵۴، ۵۵

کر کے آئے تو رسول اللہ ﷺ ان تینوں کی آمد سے اور اسلام لانے سے خوش ہوئے اور حضرت عمرو بن العاص کو بعض لشکروں کی قیادت بھی دی اور مقابلہ کے لیے تیار کیا)

اور لکھتے ہیں:

"وكان من رجال قريش رأيا، وحزما وكفاءة، وبصراً بالحروب، ومن أشراف ملوك العرب ومن اعيان المهاجرين"(۱)

(اور وہ قریش کے لوگوں میں بڑے صائب الرائے، فہم وبصیرت والے اور جنگی امور کے ماہر تھے، شایان عرب اور اعیان مہاجرین میں شمار ہوئے)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی صلاحیتوں کے بڑے معترف تھے اور ان صلاحیتوں سے بڑا کام اسلام اور مسلمانوں کو قوت پہنچاتے میں تھا، ذہبی نے حضرت لیث بن سعد کا ملفوظ نقل کیا ہے کہ:

"نظر عمر الى عمرو بن العاص فقال: ماينبغي لأبي عبدالله أن يمشي على الأرض الا أميرا"(۲)

(حضرت عمر بن الخطابؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ پر نظر ڈالی تو کہا کہ ابوعبداللہ کے لیے یہ صحیح نہیں کہ وہ بغیر امیر کے رہیں)

وفات

حضرت عمر کی وفات کے بیس سال بعد تک حیات رہے اور عمر میں ان سے پانچ سال بڑے تھے اس طرح ان کی عمر کا اندازہ لگایا جائے تو ۸۸ سال ہوتی ہے، ذہبی نے لکھا ہے کہ وہ حضرت عمر بن الخطابؓ سے پانچ سال بڑے تھے۔(۳)

---

(۱) بحوالہ سابق ۳/۵۹ (۲) سیر النبلاء ۳/۷۰ (۳) سیر اعلام النبلاء: ۳/۷۷

2 صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بڑے عابد زاہد عالم صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، امام ذھبی نے انھیں "الامام الحبر العابد صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم وابن صاحبه" سے یاد کیا ہے، امام ذہبی کی تحقیق ہے کہ یہ اپنے والد سے پہلے ایمان لائے، عاص نام تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ رکھا امام ذہبی کہتے ہیں:

"وله مناقب وفضائل ومقام راسخ فى العلم والعمل حمل عن النبى صلى الله عليه وسلم علما جما"(۱)

(ان کے بڑے مناقب وفضائل اور علم وعمل میں مقام راسخ حاصل ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا علم حاصل کیا)

عظیم شرف

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے بڑی احادیث منقول ہیں جس کی ایک وجہ لکھ کر محفوظ رکھنے کی ہے، حالانکہ صحابہ کرام کتابت حدیث میں اس وقت بڑے محتاط تھے کہ کہیں آیات قرآنی سے التباس نہ ہو جائے مگر حضرت عبداللہ بن عمرو کو اس میں جو رعایت حاصل تھی اس سے امت کو بڑا فائدہ پہونچا۔

امام ذہبی نے ان کے اس شرف کو اس طرح بیان کیا ہے:

"وكتب الكثير باذن النبى صلى الله عليه وسلم وترخيصه له فى الكتابة بعد كراهيته للصحابة أن يكتبوا عنه سوى القرآن وسوغ ذلك صلى الله عليه وسلم، ثم انعقد الاجماع بعد اختلاف الصحابة رضى الله عنهم على الجواز والاستحباب لتقييد العلم بالكتابة، والظاهر أن النهي كان

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۳/۷۹-۸۰

أولا لتوفرهمهم على القرآن وحده، وليمتاز القرآن بالكتابة عما سواه من السنن النبوية فيومن اللبس، فلما زال المحذور واللبس، ووضح ان القرآن لايشتبه بكلام الناس اذن فی كتابة العلم والله أعلم"(۱)

(رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے بہت کچھ علم نبوت تحریر میں لائے، باوجود صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے حضور ﷺ کو قرآن مجید کے علاوہ کچھ تحریر میں لانا پسند نہ تھا، لیکن ان کے لیے اجازت ورخصت تھی، بعد میں جب جمع قرآن مجید کا عمل مکمل ہوگیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اماع ہوگیا کہ علم کو قید تحریر میں لانے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ اس کو بہتر سمجھا، ظاہر ہے کہ یہ ممانعت قرآن مجید کی وجہ سے تھی، جب کہ اس کے مقابل کوئی تحریر نہ ہو، اور قرآن کو امتیاز حاصل رہے، اس طرح التباس واشتباہ سے حفاظت ہوجائے گی، اور معاملہ خلط ملط نہیں ہوگا، جب یہ خطرہ ٹل گیا اور یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ کلام الٰہی اور کلام مخلوق میں اشتباہ کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، کتابت حدیث کی اجازت دے دی گئی۔ واللہ أعلم)

دوسرا بڑا شرف ان کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توصیفی کلمات ہیں، حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "نعم أهل البيت عبدالله وأبوعبدالله وأم عبدالله"(۲)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کا زہد اختیاری تھا نہ کہ اضطراری اور ان کی کثرت عبادت بھی اختیاری تھی، اور اس کے ساتھ علم کا انتقال ان کے مرتبہ کو بلند کرنے کے بہت کافی تھا، وہ فاتح مصر وفلسطین حضرت عمرو بن العاص کے

---

(۱) سیر النبلاء ۳/۸۰، ۸۱ (۲) سیر أعلام النبلاء: ۳/۸۳

صاحبزادے تھے، اورانہیں اپنے والد سے ترکہ میں خوب مال ومتاع اور جائداد ملی تھی، یہاں تک وہ صحابہ میں مالدار صحابہ میں گویا ملوک صحابہ میں شمار ہوتے تھے، اور ذہبی نے ان کے متعلق یہ لکھا ہے کہ '

"فكان من ملوك الصحابة"(۱)

(کہ وہ صحابہ میں بڑے دولت مندوں میں تھے)

لیکن اس کے باوجود ان کے زہد کا یہ حال تھا کہ ذہبی نے ابوعبدالرحمٰن الحبلی کا ملفوظ نقل کیا ہے کہ میں نے عبداللہ بن عمرو کو کہتے سنا:

"لأن أكون عاشر عشرة مساكين يوم القيامة، احب الى من أن أكون عاشر عشرة أغنياء، فان الأكثرين هم الاقلون يوم القيامة الامن قال هكذا وهكذا، يقول يتصدق يمينا وشمالا"(۲)

(کہ میں دس کا دسواں مسکین روز قیامت میں ہوں، یہ مجھے پسند ہے کہ میں اس کا دسواں غنی ہوں، بڑے اصحاب ثروت روز قیامت میں اصحاب قلت ہوں گے، البتہ وہ مالدار جو دائیں بائیں خوب خرچ کرتا ہے)

اور خشیت کا یہ حال تھا کہ حضرت شعبہ حضرت یعلی بن عطاء سے ان کے والد کا ملفوظ نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا:

"كنت أصنع الكحل لعبد الله بن عمرو، وكان يطفى السراج بالليل ثم يبكى حتى رسعت عيناه"(۳)

(میں عبداللہ بن عمرو کا سرمہ تیار کرتا تھا، وہ رات کو چراغ بجھا دیتے پھر زار وقطار روتے، یہاں تک ان کی آنکھیں خراب ہوگئیں)

باوجود کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو عبادت کا بڑا شوق تھا، مگر چونکہ نبی

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۹۰/۳ (۲) أیضا: ۹۰/۳ (۳) أیضا: ۹۱/۳

کریم ﷺ نے اعتدال قائم رکھنے کو فرمایا تھا، اس پر ان کا عمل رہا اور دین کے مختلف شعبوں کو جمع کیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اگرچہ واقعہ صفین میں اپنے والد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی وجہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے لیکن وہ اس گروہ میں شمولیت کو اندر سے پسند نہ کرتے تھے، ذہبی کہتے ہیں:

قال عبد الله بن عمرو رضی الله عنه :"مالی ولصفین، مالی ولقتال المسلمین، لوددت انی مت قبلها بعشرین سنه، أوقال بعشر سنین، أما والله علی ذلك ماضربت بسیف، ولارمیت بسهم وذکرانه کانت الرایة بیده"(۱)

(عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں؛ صفین سے میرا کیا تعلق، مسلمانوں سے قتال سے میرا کیا تعلق؟ مجھے گوارا تھا کہ میں اس سے بیس سال پہلے یا کہا کہ دس سال پہلے دنیا سے چلا جاتا، بخدا! میں نے اس سلسلہ میں ایک تلوار بھی نہیں چلائی اور نہ ہی کوئی تیر چلایا، کہتے ہیں کہ ان کے ہاتھ میں جھنڈا تھا)

اور چونکہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ سے خود حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے بارے میں سن رکھا تھا کہ باغی گروہ انہیں قتل کرے گا، اور جب وہ شہید ہو گئے تو صفین سے واپسی پر انہوں نے اپنے والد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے بھی یہ بات رکھی، اور خود باوجود اپنے والد کے ساتھ ہونے کے اقدام میں نہایت محتاط رہے، علامہ ابن کثیر نے واقعات ۳۷ھ (صفین) میں اس کی طرف اشارات کیے ہیں۔(۲)

امام احمد بن حنبل کے مطابق لیالی حرہ ۶۳ھ میں وفات پائی اور بھی بعض اقوال ہیں۔(۳)

---

(۱) سیر النبلاء ۹۲/۳ (۲) البدایہ والنہایہ (واقعات ۳۷ھ (۳) بحوالہ سابق

حبر الامت

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ

(المتوفی ۴۳ھ)

شخصیت وامتیاز

حضرت عبداللہ بن سلام بن حارث رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابہ کرام میں امتیاز ی مقام کے حامل صاحب بشارت شخصیت ہیں، جن کو اللہ تعالی نے علم وعمل دونوں میں وافر حصہ عطا فرمایا تھا، اور وہ بلند رتبہ عطا کر دیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر واضح الفاظ میں ان کے جنتی ہونے کی ان کی زندگی میں بشارت سنا دی تھی (۱) مشہور اور عظیم المرتبت، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت امام بخاری امام مسلم دونوں ہی نقل کرتے ہیں کہ:

"ما سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول لأحد يمشي على وجه الأرض وإنه من أهل الجنة إلا بعبد الله بن سلام"(۲)

(کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو روئے زمین پر کسی کو جنتی کہتے نہیں سنا سوائے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے)

---

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مسند أحمد: ٥/ ٤٥٠، الاستيعاب: ٣/ ٩٢١، أسد الغابة: ٣/ ٢٦٤، تاريخ الاسلام: ٢/ ٢٣٠، سير أعلام النبلاء: ٢/ ٤١٣

(۲) صحيح البخاري، باب مناقب عبد الله بن سلام: ٣٦٠١ و مسلم، باب من فضائل عبد الله بن سلام: ٦٥٣٥

اسی طرح حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے قبل علمی و دینی معاملات میں رجوع کے سلسلہ میں جو اور چار نام لئے ان میں ایک نام حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا بھی تھا، اور ان کا نام لے کر ان کی شخصیت کا تعارف ایک جملہ میں یوں کرایا کہ:

"كان يهودياً فأسلم، فاني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إنه عاشر عشرة في الجنة"(۱)

(حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ یہودی تھے پھر اسلام لے آئے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ یہ دسویں شخص ہیں جن کو جنت کی بشارت دی گئی ہے)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی یہ فضیلت و برتری مخفی و مستور نہ رہی، اور تابعین میں بھی اس کا چرچا ہوا، جلیل القدر تابعی حضرت محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ حضرت قیس بن عُبَاد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"كنت جالسا في المدينة فجاء رجل على وجهه أثر الخشوع، فقال بعض القوم: هذا رجل من أهل الجنة، فصلى ركعتين تجوّز فيهما، ثم خرج فتبعته، فقلت: إنك حين دخلت المسجد قالوا: هذا رجل من أهل الجنة قال: والله ما ينبغي لأحد أن يقول ما لا يعلم، وسأحدثك لم ذاكَ؟ رأيت رؤياً على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فقصصتها عليه، ورأيت كأني في روضة، ذكر من سعتها وخضرتها، وسطها عموداً من حديد، أسفله في الأرض وأعلاه في السماء، في أعلاه عروة، فقيل لي: ارقه، فقلت: لا أستطيع فأتاني منصف فرفع ثيابي من خلفي، فرقيت

(۱) سنن الترمذی، باب مناقب عبد الله بن سلام: ۳۸۰٤ وقال: هذا حديث حسن صحيح غريب

حتى كنت في أعلاها، فأخذت بالعروة فقيل: استمسك فاستيقظت وإنها لفي يدي، فقصصتها على النبي صلى الله عليه وسلم فقال: تلك الروضة "الإسلام" و ذلك العمود (عمود) الإسلام وتلك العروة عروة الوثقى، فأنت على الإسلام حتى تموت، وذلك الرجل عبد الله بن سلام"(۱)

(ایک حلقہ میں مدینہ میں بعض صحابہ کے ساتھ میں مسجد نبوی میں بیٹھا ہوا تھا، ایک متواضع شخص آتا ہے، لوگ کہتے ہیں یہ جنتی ہے، دو رکعتیں مختصر پڑھیں پھر نکل گئے، میں پیچھے پیچھے ہولیا، پھر میں نے عرض کیا؛ آپ جب مسجد میں داخل ہوئے تھے لوگوں نے کہا تھا یہ جنتی شخص ہے، انہوں نے کہا: ایسی بات لوگوں کو نہیں کہنی چاہیے، جس کا علم نہ ہو، ہاں میں تم کو باخبر کیے دیتا ہوں، کیوں ایسا ہوا؟ میں نے عہد نبوی میں ایک خواب دیکھا تھا اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان کیا تھا، کہ میں ایک باغ میں ہوں، اس کی چوڑائی اور شادابی کو بیان کیا، اس کے درمیان میں لوہے کا ستون ہے، جن کا نچلا حصہ تو زمین میں ہے، اور اوپری حصہ آسمان کی طرف جارہا ہے، اوپر کڑا ہے، مجھ سے کہا گیا؛ چڑھتے جاؤ، میں نے کہا؛ مجھ میں طاقت نہیں ہے، پیچھے میرا خادم ہے، اس نے میرے کپڑے پیچھے سے اٹھائے تو میں چڑھتا گیا، یہاں تک کہ اعلی مقام پر پہنچ گیا، اور کڑے کو پکڑ لیا، مجھے سے کہا گیا؛ مضبوطی سے پکڑو، اتنے میں میری آنکھ کھل گئی، تو وہ میرے ہاتھ میں تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا، فرمایا؛ روضہ (باغ) اسلام ہے، ستون اسلام کا ستون ہے، اور کڑا عروۃ الوثقی ہے، تم اسلام پر تاحیات رہو گے، راوی کہتے ہیں؛ یہ حضرت عبداللہ بن سلام تھے)

---

(۱) صحیح مسلم: ۶۵۳۶ وصحیح بخاری: ۳۸۱۳

یہودیت سے اسلام میں

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ؛

"أن عبد الله بن سلام بلغه مقدم النبي صلى الله عليه وسلم المدينة، فأتاه يسأله عن أشياء، فقال: انى سائلك عن ثلاث لا يعلمهن الا نبي.

ما أول أشراط الساعة؟

وما أول طعام يأكله أهل الجنة؟

وما بال الولد ينزع الى أبيه أو الى أمه؟

فقال: أخبرنى جبريل آنفا.

قال ابن سلام: ذاك عدو اليهود من الملائكة.

قال: أما أول أشراط الساعة فنار تحشرهم من المشرق الى المغرب.

وأما أول طعام يأكله أهل الجنة فزيادة كبد الحوت.

وأما الولد: فاذا سبق ماء الرجل ماء المرأة نزع الولد.

واذا سبق ماء المرأة ماء الرجل نزعت الولد.

قال: أشهد أن لا اله الا الله وانك رسول الله.

قال: يا رسول الله! ان اليهود قوم بهت فاسئلهم عنى قبل أن يعلموا باسلامى، فجاء ت اليهود، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: أي رجل عبد الله بن سلام فيكم؟

قالوا: خيرنا وابن خيرنا، وأفضلنا وابن أفضلنا.

فقال النبي صلى الله عليه وسلم: أرأيتم ان أسلم عبد الله بن سلام؟

قالوا: أعاده الله من ذلك، فأعاد عليهم، فقالوا مثل ذلك

فخرج اليهم عبد الله فقال:

أشهد أن لا اله الا الله وأن محمدا رسول الله.

قالوا: شرنا وابن شرنا تنقصوه.

قال: هذا كنت أخاف يا رسول الله.(۱)

(عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ کی مدینہ تشریف آوری کی خبر پہنچی تو وہ حاضر ہوئے (اور) چند سوالات کرنے لگے، عرض کیا کہ میں تین باتیں پوچھتا ہوں جنہیں نبی ہی جان سکتا ہے۔

۱- قیامت کی شرائط میں پہلی کیا ہے؟

۲- جنتی پہلا کھانا کیا کھائیں گے؟

۳- اور کہاں سے بیٹے کی مشابہت ماں باپ سے ہوتی ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابھی مجھے جبرئیل (علیہ السلام) نے آکر بتایا ہے، عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، فرشتوں میں وہ یہود کے دشمن فرشتہ ہیں، رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا:

۱- جہاں تک قیامت کی پہلی شرط کا تعلق ہے، تو ایک آگ نکلے گی جو مشرق سے مغرب کی جانب لوگوں کو کھدیڑے گی۔

۲- اہل جنت کا پہلا کھانا مچھلی کی کلیجی کا بڑھا حصہ ہوگا۔(۲)

۳- مشابہت کا تعلق نطفہ سے ہے، جس کا نطفہ سبقت لے جاتا ہے بچہ اسی سے مشابہ ہوتا ہے۔

یہ فرمانا تھا کہ انہوں نے کلمہ پڑھا:

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب بغير الترجمة: ۳۹۳۸

(۲) مولانا یونس صاحب جونپوریؒ نے اس کے تعلق سے فرمایا: ''کلیجی کے اوپر چربی ہوتی ہے، جو بہت لذیذ ہوتی ہے، اور یہ ہر مچھلی میں نہیں ہوتا، بڑی مچھلیوں میں ہوتا ہے، ''زيادة كبد الحوت'' سے یہی مراد ہے، یہ بات وہی کہہ سکتا ہے براہ راست جن کو وحی سے معلوم ہوتا ہو۔''

(مجالس محدث العصر؛ مجلس:۱۹، ص:۱۷۱، مؤلفہ؛ مولانا فیصل احمد ندوی)

"أشهد أن لا اله الا الله وانك رسول الله"

(اور پھر) عرض کیا کہ اے رسول اللہ! یہود بہتان تراش لوگ ہیں، ان سے میرے بارے میں میرے قبول اسلام کی خبر پہنچنے سے پہلے معلوم کیجئے، اتنے میں یہود آگئے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عبداللہ بن سلام شخص تم میں کیسا ہے؟

یہود کہنے لگے: ہم میں سب سے بہتر اور سب سے بہتر کے سپوت، اور ہم میں سب سے افضل اور سب سے افضل کے سپوت ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بتاؤ اگر وہ اسلام لے آتے ہیں تو.....؟

ان سب نے کہا: اللہ انہیں اس سے اپنی پناہ میں رکھے۔

پھر آپ ﷺ نے یہ بات دوہرائی، اسی طرح ان لوگوں نے جواب دوہرایا، اتنے میں عبداللہ بن سلام ظاہر ہوئے اور کلمہ شہادت پڑھا، "أشهد أن لا اله الا الله وأن محمدا رسول الله" (یہ سنتے ہی) وہ لوگ کہنے لگے یہ تو ہم میں سب سے نالائق اور سب سے زیادہ نالائق زادہ ہے اور بھی تنقیص کی، حضرت عبداللہ بن سلام نے عرض کیا: اسی کا ڈر تھا اے رسول اللہ!)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ تشریف آوری ہوئی تو علامات نبوت دیکھنے کے لئے یہود بھی بیقرار ہوئے، اور استقبال کے لئے آگے بڑھے، حضرت ابن سلام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے فوراً پہچان لیا کہ یہ چہرہ جھوٹا چہرہ نہیں ہے، اور پہلی بات آپ کے کانوں میں جو پڑی وہ یہ تھی کہ آپ فرمارہے تھے:

"يأيها الناس أفشوا السلام، وأطعموا الطعام، وصلوا الأرحام، وصلوا بالليل والناس نيام، تدخلوا الجنة بسلام"(۱)

---

(۱) سنن الترمذی: ۲۴۵۸، سنن ابن ماجہ: ۱۳۹۵

(اے لوگو! سلام کو پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ، رشتوں کو جوڑو، راتوں کو نمازیں پڑھو جبکہ لوگ سو رہے ہوں، سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے)

فنائیت اور تواضع

حضرت عبداللہ بن سلام پر تواضع خاکساری اور فنائیت کا غلبہ تھا، وہ خود لکڑیوں کا گٹھا اپنے اوپر لاد کر لے جاتے، ان سے کہا جاتا کہ اللہ نے مالدار نہیں بنایا کہ آپ ایسا کر رہے ہیں؟ کیوں نہیں! فرماتے؛ لیکن میں اس لئے کر رہا ہوں کہ تکبر نکل جائے، میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

"لا يد خل الجنة من كان فى قلبه مثقال حبة خردل من كبر"

(جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا)

انہوں نے حق کو دیکھا تو فوراً قبول کیا، ان کی قوم نے حق کو دیکھا لیکن اس سے اعراض کیا، تو اللہ نے دونوں کی حقیقت کھول دی اور آیت نازل فرمائی۔

﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِن كَانَ مِنْ عِندِ اللَّهِ وَكَفَرْتُم بِهِ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّن بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ مِثْلِهِ فَآمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ﴾ (الأحقاف: ۱۰)

(پوچھئے تمہارا کیا خیال ہے اگر وہ اللہ ہی کے پاس سے ہوا اور تم نے اس کا انکار کیا، اور بنی اسرائیل کے ایک گواہ نے اس جیسی بات کی گواہی دے دی تو اس نے تو مان لیا اور تم غرور میں رہ گئے)

علامہ ابن العماد حنبلی نے شذرات الذہب میں لکھا ہے کہ "ومن عنده علم الكتاب" میں مفسرین نے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو مراد لیا ہے۔(۱)

۴۳ھ میں عبداللہ بن سلام نے رحلت فرمائی، حدیث مسلسل بقراءۃ سورۃ الصف انہیں سے منقول ہے کہ آپس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہم لوگ

---

(۱) الاستیعاب ۱/۹۰

یہ مذاکرہ کررہے تھے کہ اگر ہم لوگوں کو معلوم ہوجاتا کہ کون سا عمل اللہ کو زیادہ محبوب ہے تو اس کو اختیار کرلیتے تو اللہ نے "سبح لله ما فی السموات وما فی الارض وهو العزيز الحكيم" نازل فرمائی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت اسے سنایا، پھر حضرت عبداللہ بن سلام نے اپنے سننے والے کو سنایا، اس طرح یہ سنانے کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔(۱)

صاحبزادہ گرامی

حضرت عبداللہ بن سلام کے صاحبزادے حضرت یوسفؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں پیدا ہوئے، اوران کا نام یوسف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی رکھا، اورانہیں اپنی گود میں بٹھالا، اوران سے روایتیں بھی منقول ہیں، ابن سعد نے صحابہ کے طبقہ خاص میں ان کا شمار کیا ہے، امام بخاری نے ان کی صحابیت کی تصدیق کی ہے، ابوحاتم کو اس سے اختلاف ہے، ابن ابی حاتم کہتے ہیں "لـه رؤية" حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور خلافت میں انتقال فرمایا، امام ذہبی نے ان سے روایت کرنے والوں میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کا بھی نام لیا ہے، دمشق میں جب حضرت ابودرداء نے رحلت فرمائی تو یہ اس وقت ان کے پاس موجود تھے۔

---

(۱) سیر اعلام النبلاء ۲/۴۱۴-۴۲۶

کاتب وحی

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

(وفات ۴۵ھ)

نام ونسب (۱)

ابوعبدالرحمٰن زید بن ثابت بن ضحاک بن زید بن لوذان بن عمرو بن عبدعوف، بن غنم بن مالک بن النجار (۲) رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت چھ سال کے تھے، اور ہجرت کے وقت ۱۱ سال کے تھے، کم عمر ہونے کی وجہ سے بدر میں شریک نہیں ہوئے، بعد کے غزوات میں شرکت کی۔ (۳)

مقام وشخصیت

شیخ القراء، مفتی مدینہ، امام علم الفرائض، جامع القرآن، کاتب وحی، امام کبیر حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ انصار کے قبیلہ بنونجار کے عظیم فرد وتبحر عالم بڑے ذہین اور جامع الاوصاف صحابی رسول اللہ ﷺ تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: طبقات ابن سعد: ۲/۳۵۸، الاستیعاب: ۲/۵۳۷، تاریخ الاسلام: ۲/۱۲۳، أسد الغابة: ۲/۲۷۸، سیر أعلام النبلاء: ۲/۴۲۶

(۲) علامہ ابن الاثیر کہتے ہیں؛ ایک دوسری نسبت اس طرح بیان کی گئی ہے: زید بن ثابت بن ضحاک بن حارثہ بن زید بن ثعلبہ من بنی سلمہ ثم من بنی غنم بن مالک بن النجار (جامع الاصول: ۱۰/۸۴، ط؛ قطر

(۳) جامع الاصول از امام ابن اثیر جزری جزء ہا عشر، ص: ۸۴، نسخہ محقق، ط؛ وزارۃ الاوقاف قطر

سے قرآن پاک کا علم حاصل کیا، اور یہ شرف واعتماد بھی حاصل کیا کہ عبرانی، سریانی زبان آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعمیل حکم میں سیکھی، اوراس کے ذریعہ انہوں نے پیغام رسالت کو یہود تک پہونچانے اور یہود کی مکاتبت کو آپ ﷺ تک پہنچانے کا کام انجام دیا، جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ پاک ہجرت فرمائی تو وہ ۱۱ رسال کے تھے، اور یہی زمانہ ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو اس کام پر لگایا، وہ کہتے ہیں:

"قال لی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم" اَتُحْسِنُ السُّرْیانِیَّہ؟ قلتُ لَا، قَالَ فَتَعَلَّمْهَا، فَتَعَلَّمْتُهَا فِیْ سَبْعَةَ عَشَرَیَوْماً"

(کہ تم سریانی زبان سے واقف ہو؟ میں نے عرض کیا نہیں، فرمایا: تو اس کو سیکھ لو، چنانچہ میں نے سترہ دن میں سیکھ لی)(۱)

جہاں تک کتابت وحی کا تعلق ہے، اس سلسلہ میں خود ان کا اعتراف ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی ہوتا مجھے بلواتے تو میں اسے لکھتا۔(۲)

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شہادت ہے جو جمع قرآن کی خدمت ان سے لینے کے موقع پر ظاہر ہوئی، اور یہ خدمت انہیں اس وقت سپرد کی گئی جب جنگ یمامہ میں حفاظ قرآن کریم بڑی تعداد میں شہید ہو گئے تھے، اور جمع قرآن کے بعض جلیل القدر صحابہ کے اصرار نے زور پکڑا تھا، چنانچہ جب اس کے لیے خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو شرح صدر ہو گیا تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہ خدمت سپرد کرتے ہوئے فرمایا:

"اِنَّكَ رَجُلٌ ،شَابٌّ، عَاقِلٌ، لَانَتَّهِمُكَ، قَدْ كُنْتَ تَكْتُبُ الْوَحْیَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَتَتَبَّعِ الْقُرْآنَ فَاجْمَعْهُ"

(تم تو مرد توانا و مرد دانا ہو، ہم تم پر کوئی الزام نہیں لگاتے تم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی (قرآن لکھتے رہے تھے اس لئے تم قرآن مجید کی تلاش اور جمع کرنے کا کام کرو)

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۴۲۹/۲ (۲) سیر أعلام النبلاء: ۴۲۹/۲

اس پر حضرت زید بن ثابت نے فرمایا:

"كَيْفَ تَفْعَلُوْنَ شَيْئاً لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: هُوَ وَاللّٰهِ خَيْرٌ"

(آپ ایسا کام کیوں کر رہے ہیں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، فرمایا: بخدا! اس کام میں خیر ہی خیر ہے)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسی پر بس نہیں کیا وہ تقاضا کرتے رہے، یہاں تک کہ انھیں بھی انشراح ہوگیا، کہتے ہیں:

"فلم يزل أبوبكر يراجعني حتى شرح الله صدري للذي شرح له صدر أبي بكر وعمر، فكنت اتتبع القرآن، أجمعه من الرقاع، والأكتاف والعسب وصدور الرجال"(۱)

(حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ برابر مجھ سے تقاضا کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے میرے سینہ کو کھول دیا جس کے لیے حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ کے سینہ کو کھولا تھا، چنانچہ میں قرآنی آیات کی جستجو میں لگ گیا، اس کو چمڑے کے ٹکڑوں، شانوں، ہڈیوں اور لوگوں کی یادداشت سے جمع کرتا جاتا تھا)

ماہر علم فرائض

حضرت انسؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أفرض أمتي زيد بن ثابت"(۲)

(میری امت میں فرائض (میراث) کا علم سب سے زیادہ زید بن ثابت رکھتے ہیں)

علم قرآن اور علم فرائض دونوں میں حضرت زید بن ثابت کا امتیاز ظاہر و باہر ہے،

---

(۱) بخاری: کتاب فضائل القرآن باب: جمع القرآن: ۴۷۰۱ (۲) سیر اعلام النبلاء: سند ۲/۴۳۱

امام شعبی کی بات امام ذہبی نے نقل کی ہے کہ:

"غلب زیدٌ النا س علی اثنتین الفرائض و القرآن"

(زید بن ثابتؓ لوگوں میں علم فرائض اور علم قرآن میں بازی مار لے گئے)

علم قضا

ایک خصوصیت و امتیاز حضرت زید بن ثابت کا قضا بھی ہے، امام شعبی نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ میں چار کو اس میں ممتاز قرار دیا ہے، کہتے ہیں:

"القضاة أربعة عمر و علی، و زید و ابن مسعود"

(قاضی تو چار ہیں حضرت عمرؓ بن الخطاب حضرت علیؓ بن ابی طالب حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ)

نیابت و خلافت

اللہ تعالیٰ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جن خصوصیات و امتیازات سے نوازا تھا ان میں ایک بڑی خصوصیت ان کی وہ جامعیت تھی جو فہم دین، علم دین، امانت و تقویٰ، فراست و بصیرت کی تھی، تابعی جلیل حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق فرماتے ہیں:

"کان عمر یستخلف زیداً فی کل سفر"

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے ہر سفر میں حضرت زید بن ثابت کو اپنا نائب بنا کر جاتے تھے)(۱)

یعقوب بن عتبہ کہتے ہیں:

"ان عمراً استخلف زیداً و کتب الیه من الشام الی زید بن ثابت من عمر"

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت کو اپنا خلیفہ

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۲/۴۳۴

(نائب) بنایا اور شام سے ان کے نام مکتوب میں عمر کی طرف سے زید بن ثابت کے نام تحریر کیا)(۱)

رسوخ علم

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جماعت صحابہ کے متبحر عالم گذرے ہیں ان کا بیان ہے کہ:

"لقد علم المحفوظون من أصحاب محمد صلی الله علیه وسلم ان زید بن ثابت من الراسخین العلم"

(حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے علم محفوظ کرنے والوں کا اعتراف ہے کہ حضرت زید بن ثابت (رضی اللہ عنہ) علمائے راسخین میں ہیں)(۲)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ کا انتقال حبر الامۃ، ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی وفات سے بہت پہلے ہوا تھا اور اس وقت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ستارۂ علم وحکمت ایسا روشن نہیں ہوا تھا جو بعد میں ہوا، چنانچہ حضرت یحیٰ بن سعید تابعی نے حضرت ابو ہریرہؓ صحابی رسول کی یہ بات نقل کی ہے کہ:

"قال أبو هريرة: مَاتَ حَبْرُ الْاُمَّةِ وَلَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يَجْعَلَ فِي ابن عَبَّاس مِنْهُ خَلَفاً"

(حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا: (جب حضرت زید بن ثابتؓ کا انتقال ہوا) امت کا امام گیا اور امید ہے کہ ابن عباسؓ میں اللہ تعالیٰ کی ان کی نیابت رکھ دے گا)(۳)

جلالت شان

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی جلالت شان کے لیے اتنا ہی کافی ہے جیسا

---

(۱) بحوالہ سابق (۲) سیر اعلام النبلاء: ۲/۴۳۷ (۳) سیر الاعلام النبلاء: ۲/۴۳۹

کہ امام ذہبی نے بھی لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن عظیم کی کتابت اور جمع وحفاظت کے سلسلہ میں جو لوگوں سے سینوں میں محفوظ تھا اور اس کی آیات ہڈی چمڑے وغیرہ میں لکھی ہوئی تھیں، آیات کے جمع کر کے صحیفہ کی شکل میں لانے میں حضرت زید بن ثابت پر اعتماد کیا، حضرت زید بن ثابتؓ اور ان کے رفقاء کی یہ کوشش قرآن مجید کے مصحف کی تیاری میں بنیاد ہے جس کی امت نے پوری محافظت کیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس بھی وہی نسخہ رہا اور امیر المؤمنین حضرت حفصہؓ کی پاس بھی محفوظ رہا۔

اور جس مصحف عثمانی کا ذکر آتا ہے اس میں بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا آپ پر اور آپ کے بعض رفقاء پر اعتماد کی صورت میں ظاہر ہوا، یہی نسخہ آج سارے عالم میں اور امت کے ہاتھوں میں ہے۔(۱)

وفات

مدینہ منورہ میں ۵۶ سال کی عمر میں ۴۵ھ میں وفات پائی، اور بھی روایات ہیں لیکن اسی کو اولیت دی گئی ہے۔

جمع قرآن کی خدمت، کتابت وحی اور اس میں حضرت زید بن ثابت کا حصہ

ذیل میں حضرت مولانا محمد علی مونگیری قدس سرہ بانی ندوۃ العلماء کی ایک در نایاب تحریر کا اقتباس دیا جاتا ہے جو "مصحفِ صدیقی" کی ترتیب سے متعلق ہے اور اس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ نہ صرف عہدِ عثمانی میں بلکہ عہد صدیقی میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن مجید انتہائی محتاط قابلِ اعتماد اور یقینی طریقہ پر سینوں اور سفینوں دونوں میں محفوظ تھا، اس کی ایک ایک آیت کی کتابت بھی ہو چکی تھی اور مختلف اجلۂ صحابہ کے پاس علیحدہ علیحدہ موجود تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان تحریر شدہ اجزاء کو جمع کر کے اپنے سامنے رکھا، اور اجلۂ صحابہ وحفاظ کے ایک منتخب ترین مجمع نے بالاتفاق

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۲/۴۴۱

اس کی تصدیق کی.....اس کی تفصیل مولانا کے قلم سے ملاحظہ کیجئے:-

"اس کا ثبوت کافی طور سے کتب احادیث اور تواریخ میں موجود ہے کہ حضور انور ﷺ کے کاتب پندرہ بیس سے کم نہ تھے، یہ بھی ثابت ہے کہ آخر میں حضرت زید بن ثابتؓ زیادہ لکھتے تھے۔ حضرت زیدؓ کے بیٹے خارجہؓ بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگ اس کی نسبت دریافت کرنے آئے تو میرے والد نے جواب دیا کہ میں کیا بیان کروں مختصر یہ ہے کہ میں آپ ﷺ کا پڑوسی تھا اس لئے آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب آپ ﷺ پر وحی آتی مجھے بلا بھیجتے، میں آکر لکھ دیا کرتا۔ یہ بھی یاد رہے کہ یہ لکھا ہوا ایسا نہیں ہوتا تھا کہ اس میں کسی وقت غلطی کا شبہ ہو سکے کیونکہ کاتب وحی لکھ کر اس کو سناتے تھے اور بار بار سناتے تھے تا کہ رسول اللہ ﷺ کے روبرو الفاظ کی پوری صحت ہو جائے اور اسکے معنی اور مطلب بھی بخوبی سمجھ میں آجائیں۔ قرآن مجید کے یہ لکھے ہوئے ٹکڑے اور پرچے اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے اور سلطنت سے زیادہ گراں بہا جانتے تھے، غرض کہ اس طرح تمام قرآن مجید رسول اللہ ﷺ نے لکھوا دیا تھا۔ حضور انور ﷺ کے عہد میں قرآن مجید کا لکھا ہوا موجود ہونا بعض تفاسیر اور کتب احادیث میں تو مصرح ہے ہی، خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کی خبر دی ہے جہاں رسول اللہ ﷺ کی صفت یہ فرمایا ہے: "یتلو صحفاً مطھرۃ" یعنی وہ رسول جو تم پر پاک صحیفے پڑھتے ہیں (صحیفہ اُس کاغذ وغیرہ کو کہا جاتا تھا، جس پر کچھ لکھا ہو) مطھرۃ کی قید سے معلوم ہوا کہ وہ صحیفہ جو ہر طرح کی برائی سے پاک ہے، اس سے ظاہر ہو گیا کہ وہ لکھا ہوا اسی قدوس کا کلام ہے جو ہر عیب سے پاک ہے، یہ پاک صحیفے کس پر لکھے

گئے تھے اس کی تفصیل ''تفسیر الاتقان'' اور ''فتح الباری'' وغیرہ میں مذکور ہے۔ حاصل یہ ہے کہ مختلف چیزوں پر لکھا ہوا تھا۔ کاغذ کا رواج اس وقت تک پورے طور پر نہ تھا، یہ اوراق جو رسول اللہ ﷺ نے خاص طور پر لکھوائے تھے۔ اس کے سوا جو صحابی لکھنا جانتے تھے وہ لکھتے تھے، اکثر جناب رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے سن کر حضور ﷺ کے روبرو لکھتے تھے، ایسا بھی ہوا کہ کسی نے اپنے یاد کی موجب لکھا، کسی نے ان اوراق کی نقل کی جو جناب رسول اللہ ﷺ نے لکھوائے تھے، مگر یہ سب لکھا ہوا منتشر اور غیر مرتب تھا۔ جن صحابہؓ نے جناب رسول اللہ سے قرآن مجید یاد کیا تھا انہیں مرتب یاد تھا، مگر بعد وفات جناب رسول اللہ ﷺ صحابہ کو اس طرف خاص توجہ ہوئی مختلف وجوہ سے، چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جب آپ نے لوگوں میں اختلاف دیکھا تو قسم کھائی کہ میں اپنی پیٹھ سے چادر نہ اتاروں گا جب تک قرآن مجید کو پورا نہ لکھ لوں، اور اپنے گھر میں جا کر بیٹھ گئے اور اپنی یاد کے بموجب پورا قرآن شریف لکھ لیا۔ ابوالحسن بغدادی کہتے ہیں کہ یہ قرآن مجید حضرت جعفرؓ کے خاندان میں رہا، پھر کہتے ہیں کہ میں نے اپنے وقت میں ایک قرآن مجید حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا جس کے شروع کے کچھ اوراق ضائع ہو گئے تھے وہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں بطور وراثت چلا آتا تھا، ابوالحسن کی وفات ۳۳۴ھ میں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ تیسری چوتھی صدی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید موجود تھا۔ اسکے علاوہ حضرت علیؓ کے خادم خالد بن ہیاج بہت خوشخط مشہور تھے اور

قرآن مجید لکھا کرتے تھے۔ علامہ ابن ندیم چوتھی صدی کے نصف آخر میں لکھتے ہیں کہ میں نے محمد بن الحسین بغدادی کے کتب خانہ میں انھیں خالد کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید دیکھا، جب خالد حضرت علیؓ کے خادم و مصاحب تھے تو ظاہر ہے کہ یہ قرآن مجید حضرت علیؓ کے قرآن مجید کے موافق ہوا، اس سے بھی ثابت ہوا کہ ۳۷۷ھ تک حضرت علیؓ کا نسخہ موجود تھا۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ نے قرآن مجید لکھا تھا اور اس کی نقلیں ہوتی رہیں۔ علامہ ابن ندیم لکھتے ہیں کہ میں نے ایک قرآن مجید دیکھا جو عبداللہ ابن مسعودؓ کے نسخہ کی نقل تھا اور دوسری صدی میں لکھا گیا تھا، علامہ ممدوح نے یہ بھی لکھا کہ فضل بن شاذان کہتے ہیں کہ میرے ایک معتبر اور ثقہ دوست کہتے تھے کہ بصرہ کے ایک قریہ میں محمد بن عبد الملک انصاری کے پاس قرآن مجید تھا انھوں نے لاکر مجھے دکھایا وہ حضرت ابی بن کعبؓ کا قرآن مجید تھا، ان نسخوں کے دیکھنے والے کوئی اختلاف اس قرآن مجید مروجہ سے نہیں بیان کرتے ہیں بجز سورتوں کی ترتیب میں، غرضکہ سیکڑوں برس تک تو ان اصحاب کبار کے لکھے ہوئے قرآن مجید کا وجود یہاں سے ثابت ہوگیا، مگر یہ نسخے ان حضرات نے فرداً فرداً اپنی اپنی یاد کے بموجب لکھے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنی خلافت کے عہد میں اس سے بھی اعلیٰ و عمدہ صورت یہ اختیار کی کہ مجموعی شرکت سے کلام مجید کا نسخہ تحریر کرایا جن صحابہ کو قرآن مجید یاد تھا اور اپنی یاد میں مشہور تھے، انھیں جمع کیا، ان میں بڑے اور مشہور حضرات یہ ہیں:

۱ زید بن ثابتؓ، ۲ ابی بن کعبؓ، ۳ عثمانؓ، ۴ علیؓ، ۵ عبد اللہ بن

عباسؓ، ۶ عبداللہ بن عمرؓ، ۷ عبداللہ بن زبیرؓ، ۸ عبداللہ بن مسعودؓ، ۹ عبد اللہ بن السائبؓ، ۱۰ خالد بن الولیدؓ، ۱۱ طلحہؓ، ۱۲ سعدؓ، ۱۳ حذیفہؓ، ۱۴ سالمؓ، ۱۵ ابو ہریرہؓ، ۱۶ ابوالدرداءؓ، ۱۷ ابوموسیٰ الاشعریؓ، ۱۸ عمرو بن العاصؓ۔

ان سب کا مجمع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مکان پر ہوا، اور اس جگہ کے صدر زید بن ثابتؓ قرار دئے گئے، اور اس امر پر گفتگو ہوئی کہ قرآن مجید کس طرح جمع کیا جائے، یہ رائے قرار پائی کہ مسجد نبویؐ میں بیٹھ کر اعلان کیا جائے اور جس جس کے پاس جس قدر لکھا ہوا ہو اس سے منگایا جائے اور مقابلہ کر کر کے نقل کیا جائے۔ مسجد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا اعلان کیا اور فرمایا کہ جس کے پاس قرآن کا کوئی حصہ، کوئی سورت، کوئی آیت لکھی ہوئی ہو تو وہ لائے، اور اطراف مدینہ میں حضرت بلالؓ بھیجے گئے کہ وہ تمام اصحاب کو اطلاع دیں کہ جس کے پاس جس قدر لکھا ہوا ہو وہ لائے۔ یہ سب اصحاب پورے قرآن مجید کے حافظ تھے۔ مگر یہ کمال احتیاط اور دور اندیشی تھی کہ ایک جماعت کی یاد پر بھی مدار نہیں رکھا گیا بلکہ یاد اور کتابت دونوں کو مطابق کر کے نقل کی گئی۔ حضرت زیدؓ اس جماعت میں ممتاز تھے، اس لیے کہ علاوہ اوصاف کمال کے جوان، قوی الحفظ، کاتب وحی اور خوشخط تھے، اس لیے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے خاص کر اُنھیں حکم دیا کہ تم لکھو، اور بعض وہ صحابہ جو نہایت فصیح و بلیغ تھے وہ لکھوانے پر متعین کئے گئے۔ صحیح بخاری میں یہ سب قصہ منقول نہیں ہے کہ اس کے راوی نے بطور اختصار زید کو حکم کرنا اور ان کا جمع کرنا نقل کیا ہے"۔(۱)

---

(۱) سیرت حضرت مولانا محمد علی مونگیری، از: مولانا سید محمد الحسنی مرحوم، ص: ۵۲ تا ۵۷

حامی سنت

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ

(المتوفی ۵۲ھ)

شخصیت اور نام ونسب

عمران بن حصین بن عبید بن خلف بن عبد نعیم بن سالم بن غاضر بن سلول بن جشہ بن سلول بن کعب بن عمرو الخزاعی رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، کنیت ابو نجید ہے، قبیلہ بنو خزاعہ سے تعلق ہے، غزوۂ خیبر کے قریبی دور ۷ھ میں مشرف باسلام ہوئے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے ہمراہ آپ کے والد اور ہمشیرہ نے اسلام قبول کیا، آفتاب نبوت ؐ نے اپنے انوار و برکات سے آپ کو مالا مال کر دیا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی ساتھ اسلام لائے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا معلم بنا کر روانہ فرمایا تھا، حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ:

> ''خدا کہ قسم سرزمین بصرہ میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے بہتر کوئی سوار نہیں آیا۔''(۱)

علامہ ابن سیرین فرماتے ہیں کہ:

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۲/۵۰۲

''سرزمین بصرہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں سب سے افضل اور فائق حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔''(۱)

چنانچہ اسی افضلیت اور فوقیت کی بنا پر آپ کی درسگاہ میں تشنگان علوم وفنون آتے تھے، اور اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فدائیانہ تعلق

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ اے ابو نجید! آپ لوگ ہم سے ایسی حدیثیں بیان کرتے ہیں جن کی اصل ہم کو قرآن میں نہیں ملتی ہے؟ تو اس پر حضرات عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ کیا قرآن میں یہ تفصیل ہے کہ چالیس درہم پہ ایک درہم، اتنی بکریوں پر اتنی بکریاں، اتنے اونٹوں پر اتنے اونٹ زکوٰۃ دی جائے؟ اس نے کہا: نہیں، حضرت عمران رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھر تم نے کیوں کر کہا؟ ارے تم نے ہم سے سنا، ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم ہی کی طرح سنت بھی دلیل شرعی ہے، اس لئے قرآن کریم میں اصول تمام بیان کر دئے گئے ہیں، اللہ کی کتاب ایک مکمل قانون، علوم معارف کا سرچشمہ اور سارے عالم کا رہنما ہے، اور ان اصول کی تفاصیل، تعریفات وجزئیات احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہیں۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کی ایک جماعت حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے پاس تھی، اور ہم لوگوں میں بشیر بن کعب رضی اللہ عنہ بھی تھے، تو حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان فرمائی کہ:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الحیاء خیر کله" (حیا تو سب ہی بہتر ہوتی ہے)

---

(۱) استیعاب لابن عبدالبر: ۳/ ۲۸۵

یا"الحیاء کله خیر"

فرمایا: یعنی لفظ کلہ پہلے فرمایا اور حیاء بعد میں فرمایا۔

تو بشیر بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا کہ ہم نے بعض کتابوں میں یا ''اقوال حکمت'' میں دیکھا ہے کہ حیاء سے متانت پیدا ہوتی ہے، اور اللہ کے لئے وقار پیدا ہوتا ہے، اور حیاء کی ایک قسم وہ بھی ہے جو ضعف نفس سے پیدا ہوتی ہے۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر حضرت عمران بن حصینؓ کو اتنا غصہ آیا کہ غصہ سے آنکھیں سرخ ہو گئیں اور فرمایا دیکھتے نہیں ہو، میں تمہیں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سنا رہا ہوں اور تم اس میں مقابلہ بازی کرتے ہو؟

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے حدیث پھر دوہرائی تو حضرت بشیر رضی اللہ عنہ نے پھر وہی بات دوبارہ کہی، اب حضرات عمران رضی اللہ عنہ اور ناراض ہوئے، تو ہم لوگ کہنے لگے اے ابونجید! بشیر ہم ہی میں سے ہے یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔

اس سے صاف معلوم ہوتا کہ حضرت عمران رضی اللہ عنہ کی ناگواری کا سبب یہ تھا کہ حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید حکماء کے اقوال سے کر رہے تھے جو ادب واحترام کے خلاف تھی، خواہ حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کی یہ نیت نہ ہو اور ہوگی بھی نہیں، مگر تقاضائے ادب کیا تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو اولیت وفوقیت حاصل ہے نہ یہ کہ اس کے واسطے دوسرے کے کلام کی تائید کی ضرورت ہو، حضرت بشیر رضی اللہ عنہ اس نزاکت کا احساس نہ کر سکے اور پھر بات یہیں تک نہیں رہی بلکہ حضرت بشیر رضی اللہ عنہ نے حیاء کی قسمیں بیان کرنا شروع کر دیں کہ ایک حیاء تو خیر ہوتی ہے اور ایک حیاء کمزوری کا نتیجہ ہوتی ہے، بظاہر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے معارضہ اور مقابلہ کی شکل تھی، حضرت عمران رضی اللہ عنہ کے لئے یہ موشگافی ناقابل برداشت ہوئی، مگر دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ بات کہہ کر بات

ختم کرادی کہ حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کی نیت یہ نہیں ہے، وہ ہم ہی میں سے ایک ہیں، مومن ہیں، ان کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے معارضہ نہیں ہے۔

معذوری اور تسلیم ورضا

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے حضرت عمران رضی اللہ عنہ کا ایک عجیب و غریب حال ایک موقع پر تحریر فرمایا ہے، وہ لکھتے ہیں:

> ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی جن سے بالاتفاق لوگوں نے لکھا ہے کہ ملائکہ مصافحہ کرتے اور سلام کیا کرتے تھے، نام ان کا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ تھا، بصرہ میں دینی علوم کے ایک بڑے اہم سرچشموں میں شمار ہوتے ہیں، وہاں کے قاضی بھی تھے، ابن جوزی نے لکھا ہے کہ ''شکمی استسقاء کے مرض میں مبتلا تھے، اسی لئے تیس سال تک ایسے گھاٹ پر رہے جو بیچ سے کاٹ دیا گیا تھا۔''

امام شمس الدین ذہبی نے لکھا ہے کہ ان کو بواسیر کا مرض بھی تھا، غالباً خونی بواسیر تھی، خون بہتا رہتا تھا ان کے حال کا اندازہ اسی سے ہوتا ہے کہ ان کے خاص شاگرد مطرف نے کہا: ''آپ جس حال میں رہتے ہیں مجھ سے دیکھا نہیں جاتا اس لئے عیادت ومزاج پرسی کی ہمت بہت کم ہوتی ہے۔'' مگر باوجود ان تمام باتوں کے ان ہی مطرف (اپنے شاگرد) سے خود حضرت عمران رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میاں! ایسا نہ کرو میرا یہ حال خود مجھے بھی محبوب ہے اور میرے مالک کو بھی پسند ہے۔''(۱)

ورع واحتیاط

بصرہ کے حاکم زیاد نے آپ کو عدالت عالیہ کا جسٹس بنایا تھا، مگر بعد میں آپ نے استعفیٰ دے دیا، ایک مرتبہ کی بات ہے کہ بصرہ کے گورنر زیاد نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو صدقات کی وصولیابی کے لئے تحصیلدار بنا کر کسی مقام پر روانہ

---

(۱) ملاحظہ ہو: تعمیر حیات لکھنؤ شمارہ ۲۵ رنومبر ۱۹۷۳ء

کیا، جب حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کارگزاری کے بعد واپس تشریف لائے تو ساتھ میں اموال نہیں تھے، تو گورنر نے پوچھا کہ مال کہاں ہے؟ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے مال کی وصولیابی کے لئے ہم کو بھیجا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں جہاں سے صدقات وصول کرتے تھے وہیں کے مستحقین غرباء کو دے دیتے تھے، اسی طرح سے اب بھی کیا گیا کہ اغنیاء سے وصول کر کے فقراء تک پہنچا دیا ہے۔(۱)

مشاجرات میں غیر جانب داری

ایک تذکرہ نگار لکھتا ہے کہ مشاجرات صحابہ کے بارے میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا قول تھا کہ دونوں فریق جنگ سے احتراز کریں، چنانچہ وہ ان جنگوں میں ہتھیاروں کی خرید فروخت سے روکتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہتھیاروں کی خرید فروخت فتنہ انگیز ہوگی، امام ذہبی لکھتے ہیں:

"کان ممن اعتزل الفتنة"(۲)

(وہ ان لوگوں میں سے تھے جنھوں فتنہ کے زمانہ میں عزلت نشینی اختیار کر لی تھی)

ایک مرتبہ زیاد نے خراسان کی گورنری پیش کی تو حضرت عمران بن حصینؓ نے انکار فرما دیا، اور ارشاد فرمایا کہ مبادا اس زمانہ میں کوئی ایسا حکم دے جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے خلاف ہو اس وقت اگر میں اس کی تعمیل کروں تو ہلاک ہو جاؤں، اگر لوٹ آؤں تو گردن ماری جائے۔

مقام عزّ وشرف اور تواضع وفنائیت

امام ذہبی نے "الامام القدوة" کا خطاب دیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت فرمائی تھی، اور اس کا وہ اس قدر لحاظ کرتے تھے کہ وہ اپنے

(۱) بحوالہ سابق۔ (۲) سیر أعلام النبلاء: ۲/۵۰۹

ہاتھ کو غیر محترم جگہ نہ لگنے دیتے تھے، حضرت ابوخشینہ حضرت حکم ابن الاعرج سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمران بن حصین نے فرمایا:

"ما مسست ذكرى بيمينى منذ بايعت بها رسول الله صلى الله عليه وسلم"(۱)

(جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تب سے میں نے دائیں ہاتھ سے شرم گاہ کو نہیں چھوا)

تواضع اور فنائیت کا یہ حال تھا کہ فرماتے:

"وددت أني رماد تذروني الرياح"(۲)

(کاش میں راکھ ہوتا اور ہوائیں مجھے اڑا لے جاتیں)

صحبت کی برکات کے متعلق حدیث کے راویوں میں ایک حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بھی ہیں، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"خير القرون قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم" الخ

(سب سے بہترین صدی میری ہے پھر اس کے بعد والوں کی ہے، پھر اس کے بعد والوں کی)

وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی نقل فرماتے تھے:

"ما أنعم الله على عبد نعمة الا وهو يحب أن يرى أثرها عليه"

(بیشک اللہ تعالی جب کسی بندے کو کوئی نعمت دیتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ اس بندے پر اس نعمت کا اثر دکھائی دے)(۳)

ایک بار بطور قاضی کے انہوں نے ایک فیصلہ دیا، فریق مخالف نے کہا آپ نے

---

(۱) امام ذہبی ے تاریخ اسلام میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے متعلق بھی یہ بات تحریر فرمائی ہے کہ انھوں نے بھی اس بات کا ہمیشہ پاس ولحاظ رکھا۔ (ملاحظہ ہو؛ تاریخ اسلام: ۴/۲۷۴ تذکرہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ)

(۲) ملاحظہ ہو سیر اعلام النبلاء، تذکرہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ۔ (۳) مسند احمد: ۴/ ۴۳۸

انصاف سے کام نہیں لیا، انہوں نے وجہ پوچھی تو وجہ یہ بتائی کہ میرے متعلق شہادت زور پیش کی گئی، آپ پر اس بات کا اتنا اثر پڑا فرمانے لگے:

"واللہ لا أجلس مجلسی هذا أبداً"

(بخدا میں اب کبھی اس عہدہ پر نہیں رہ سکتا)(۱)

ایک سو اسی (۱۸۰) احادیث آپ سے مروی ہیں، ۹/ متفق علیہ ہیں، ۴/ صحیح بخاری اور ۹/ مسلم میں انفرادی طور پر مروی ہیں۔

وفات

طویل علالت اور معذوری کے بعد ۵۲ھ میں وفات پائی، اور پوری مدت سپرد کردہ ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دیا، تعلیم وتبلیغ، قضاء وتربیت، یہ سب امور باوجود بیماری اور معذوری کے تاعمر انجام دیئے، دیانت وتقوی، زہد وقناعت، تسلیم و رضا کے پیکر رہے۔(۲)

---

(۱) سیر اعلام النبلاء/ ۵۱۰ (۲) ایضاً۔

میزبان رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ

(وفات ۵۲ھ)

عظیم سعادت (۱)

میزبان رسول، غازی اسلام، دفین قسطنطنیہ خالد بن زید نجاری خزرجی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر ہجرت میں مدینہ پاک میں میزبان تھے، جہاں ان کے مکان میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ ماہ قیام فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی قصواء ٹھیک ان کے مکان کے سامنے اس وقت جا کر بیٹھ گئی، جب کہ ہر ایک چشم براہ تھا، اور دعا گو تھا کہ یہ عزت اسے حاصل ہو، یہ ان کا حق بھی تھا، اس لیے کہ ان کے قبیلہ بنوالنجار میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری تھی، لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کا یہ حصہ تھا کہ آپ نے خود کسی کے مکان کو ترجیح دے کر ٹھہرنے کا فیصلہ نہیں کیا تھا کہ اس سے دوسروں کی دل شکنی ہوتی، اونٹنی پر چھوڑ دیا جہاں وہ بیٹھ جائے، چنانچہ اسی کے اعتبار سے ترجیح دی، اس طرح یہ قرعہ سیدنا حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے نام نکلا، اور انہوں نے اور حضرت ام ایوب انصاری نے حق جوار کی چھوٹی چھوٹی بات کا پورا خیال رکھا، اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شان رسالت کے لحاظ میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

---

(۱) مفصل تذکرہ کے لیے ملاحظہ ہو: الاستیعاب: ۲/۲۳۴، الاصابہ: ۳/۵۶، سیر أعلام النبلاء: ۲/۴۰۲

اپنائیت اور فدائیت

آنحضور ﷺ کو بھی ان سے ایسا تعلق خاطر ہوگیا تھا کہ کوئی ضرورت ہوتی تو بے تکلف فرمادیتے، اس کا ایک اہم واقعہ علامہ شبلی نعمانی (۱) لکھتے ہیں:

''(آنحضرت ﷺ) ایک دن بھوک میں ٹھیک دوپہر کے وقت گھر سے نکلے، راہ میں حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) ملے، یہ دونوں صاحب بھی بھوک سے بے تاب تھے، آپ ﷺ سب کو لے کر حضرت ابوایوب انصاری (رضی اللہ عنہ) کے گھر آئے، ان کا معمول تھا کہ آنحضرت ﷺ کے لیے دودھ مہیا رکھتے تھے، آج آپ کے آنے میں دیر ہوئی، تو انہوں نے بچوں کو پلادیا، آنحضرت ﷺ ان کے گھر پہنچے، تو وہ نخلستان میں چلے گئے تھے، ان کی بیوی کو خبر ہوئی تو باہر نکل آئیں اور عرض کی: ''حضور ﷺ کا آنا مبارک''، آپ ﷺ نے پوچھا: ابوایوب کہاں ہیں؟ نخلستان پاس ہی تھا، وہ آواز سن کر دوڑے آئے اور مرحبا کہہ کر عرض کی، یہ حضور ﷺ کے آنے کا وقت نہیں، آپ ﷺ نے حالت بیان کی، وہ نخلستان میں جا کر کھجوروں کا ایک خوشہ توڑ لائے، اور کہا: میں گوشت تیار کراتا ہوں، ایک بکری ذبح کی، آدھے کا سالن، آدھے کے کباب تیار کرائے، کھانا سامنے لاکر رکھا تو آنحضرت ﷺ نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھ کر فرمایا کہ فاطمہ کو بھجوادو، کئی دن سے اس کو کھانا نصیب نہیں ہوا ہے، پھر خود صحابہؓ کے ساتھ مل کر کھانا نوش فرمایا، متعدد قسم کے کھانے دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا کہ ''خدا نے جو کہا ہے کہ قیامت میں نعیم سے سوال

---

(۱) سیرۃ النبی: ۲/۲۸۰

ہوگا، وہ یہی چیزیں ہیں۔"(۱)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بڑے مخیّر اور نہایت صالح اور پر جوش صحابی تھے، پھر وہ بنو النجار سے تھے، جہاں آنحضرت ﷺ کے دادا عبد المطلب کا ننیہال تھا(۲) اور آپ ﷺ صلہ رحمی میں بہت بڑھے ہوئے تھے، جس کا سب اعتراف کرتے تھے، اس لیے اندر سے رسول اللہ ﷺ کی خواہش یقیناً یہی رہی ہوگی کہ یہیں قیام رہے، اور مکان کے سامنے جس جگہ اونٹنی بیٹھی، یہی وہ جگہ ہے جہاں مسجد رسول ﷺ کی تعمیر ہوئی، جسے "المسجد النبوي الشريف" سے پورا عالم جانتا ہے، جس کی توسیع میں اب اس وقت کا پورا مدینہ منورہ یعنی یثرب کی آبادی کا وہ حصہ جہاں حضور اقدس ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم آباد ہوئے آچکا ہے، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی خوشی کی انتہاء نہ رہی اور وہ رو پڑے۔

حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلمان حسینی ندوی دام ظلہ اس مکان کے تعلق سے رقم طراز ہیں:

"یہ مکان ابھی چند سالوں تک موجود تھا، میری آنکھوں کو اس کی زیارت کا شرف حاصل ہے، ۱۹۸۰ء کے بعد نئی توسیع میں یہ مکان بھی قبلہ رخ وسیع فرش کی نذر ہوگیا، اور تمام پرانے حصے معدوم ہوگئے، مدینہ منورہ کے عام مکانات کی طرح یہ مکان بھی کچا تھا، چھتیں بھی مٹی کی ہوتی تھیں، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ مکان کے اوپری حصہ میں تھے، ایک دن اچانک گھڑا ٹوٹ گیا، پانی

---

(۱) بحوالہ: ترغیب وترہیب: ۲/۷۵، اور یہ واقعہ صحیح مسلم، ج:۱/۱۹۰ میں بھی جزئی اختلاف کے ساتھ موجود ہے۔ سنن ترمذی: ۲۳۶۹

(۲) سید قریش ہاشم بن عبد مناف نے بنی النجار میں شادی کی تھی، ان کی شادی سلمی بنت عمرو بن زید سے ہوئی تھی، جو بنی عدی بن النجار سے تھیں جو خزرج کی ایک شاخ ہے۔

(نبی رحمت: ۲۴۹، از: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

بہہ کر چھت پر پھیل گیا، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سخت پریشان ہوئے کہ پانی ٹپک کر کہیں حضور ﷺ پر یا آپ کے بستر پر نہ پڑ جائے، فوراً اپنا لحاف پانی پر ڈال دیا، تاکہ چھت سوکھ جائے، لحاف خراب ہوتا ہے تو ہوتا رہے"۔(۱)

ضیافت کے اسباب، مدت قیام اور ایثار و محبت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی ضیافت کے اسباب اور ان کے ایثار و محبت کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"جب رسول اللہ ﷺ شہر سے گذرے تو راستوں میں جماعتیں بنا بنا کر لوگوں نے آپ سے اس کی درخواست کی کہ آپ ان کے یہاں قیام فرمائیں، وہ کہتے تھے آپ ہمارے یہاں اقامت فرمائیں، تعداد، سامان اور عزت و شوکت کے ساتھ کبھی کبھی لوگ آپ کی اونٹنی کی نکیل اپنے ہاتھ میں لے لیتے، آپ فرماتے کہ اس کو جانے دو، یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے، ایسا کئی بار ہوا۔

جب رسول اللہ ﷺ بنی النجار کے محلہ سے گذرے تو بچیوں اور باندیوں نے ان اشعار سے آپ کا استقبال کیا:

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِي النَّجَّارِ
يَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِنْ جَارٍ

(ہم بنو نجار کی لڑکیاں ہیں، اے خوشا بخت کہ محمد آج ہمارے پڑوسی ہیں)(۲)

جب آپ ﷺ بنی النجار کے گھر تک پہنچے تو اونٹنی ایک جگہ پر جہاں آج مسجد نبوی کا دروازہ ہے، خود بخود ٹھہر گئی، اس وقت اس جگہ کھجور کا ایک کھلیان تھا، جو بنی نجار کے دو یتیم لڑکوں کی ملکیت تھا، اور وہ

---

(۱) خطبات سیرت: ۱۷۵، دار المعارف [illegible] روایت انس بن مالک، البدایہ والنہایہ ابن کثیر: ۲/۲۷۴

آپ ﷺ کے نانیہالی رشتہ دار بھی تھے۔

رسول اللہ ﷺ اونٹنی سے اترے، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ (خالد بن زید النجاری الخزرجی) نے فوراً آپ کا سامان اتروایا، اور اٹھا کر لے گئے، رسول اللہ ﷺ نے یہیں قیام فرمایا، ابوایوب انصاریؓ نے آپ ﷺ کی میزبانی، ضیافت، خاطر مدارات اور ادب و تعظیم میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، بالائی منزل میں رسول اللہ ﷺ سے بلند ہوکر رہنا ان کو گوارہ نہ ہوا وہ نیچے آگئے، اور حضور ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ اوپر تشریف رکھیں، وہ اور ان کے گھر والے نیچے رہیں گے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابوایوب! ہم کو اور ہمارے ملنے والوں کو اسی میں زیادہ راحت ہوگی کہ ہم نیچے رہیں۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کچھ خوش حال لوگوں میں نہ تھے، لیکن آج اپنے گھر میں آپ ﷺ کے قیام سے ان کی خوشی کی کوئی انتہاء نہ تھی، اور اس سرفرازی اور عزت (جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کی تھی) کے شکر ادا کرنے سے ان کی زبان قاصر تھی، محبت، خدمت و راحت رسانی کے آداب خود سکھا دیتی ہے۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے لیے رات کا کھانا تیار کر کے بھیجتے، اگر آپ کا پس خوردہ واپس آتا تو میں اور ام ایوب اس طرف سے جہاں آپ ﷺ نے کھایا ہوتا یہ بچا ہوا کھاتے، اور برکت حاصل کرتے، رسول اللہ ﷺ نیچے کی منزل میں تشریف رکھتے تھے اور ہم لوگ اوپر تھے، ایک مرتبہ مٹکا جس میں ہم پانی رکھتے تھے ٹوٹ گیا، میں نے اور ام ایوب نے اپنی چادر سے جس کے علاوہ ہمارے پاس اوڑھنے کی کوئی چیز نہ تھی اس پانی کو خشک کیا کہ

کہیں خدانخواستہ نیچے نہ ٹپکنے لگے اور آپ ﷺ کو تکلیف ہو"۔(۱)

مسجد نبوی کی تعمیر

اسی مدت قیام میں دو یتیم بچوں کا نصیب جاگا جن کی زمین نگاہ نبوت کے انوار سے منور ہو چکی تھی، اور کیا کم نصیب تھا کہ وہ ہدیہ کریں اور وہ ہدیہ قبول ہو جائے اور یہ بھی کوئی کم عزت کی بات نہ تھی کہ ان کی چیز رسول اللہ ﷺ خریدیں اور پھر اس پر اللہ رب العزت کا گھر تعمیر کریں، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ نے ان دو لڑکوں کو جو اس کھلیان کے مالک تھے بلا بھیجا، اور ان سے یہ جگہ مسجد کی تعمیر کے لیے خریدنا چاہی، دونوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ ہماری طرف سے ہدیہ ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کو اس طرح قبول نہ فرمایا، اور کسی نہ کسی طرح قیمت دے کر یہ قطعہ زمین حاصل کیا اور وہاں مسجد تعمیر کی۔(۲)

آپ نے مسجد کی تعمیر میں بہ نفس نفیس شرکت فرمائی، آپ ﷺ اینٹیں یہاں پہنچاتے تھے، اور مسلمان آپ ﷺ کی پیروی کرتے تھے، اس موقع پر آپ ﷺ یہ ارشاد فرماتے تھے:

اللهم ان الأجر أجر الآخرة

فارحم الأنصار والمهاجرة

(اے اللہ! اصل اجرت تو آخرت کی اجرت ہے، پس انصار اور مہاجرین پر رحم فرما)

مسلمان اس وقت بہت مسرور اور شادماں تھے، شوقیہ اشعار پڑھتے اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے۔(۳)

---

(۱) بحوالہ: ابن اسحاق بروایت؛ ابوایوب انصاری، ابن کثیر: ۲/ ۲۷۷ (۲) بحوالہ؛ البخاری، باب مقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم وأصحابہ الی المدینۃ (۳) بحوالہ؛ ابن کثیر: ۲/ ۲۵۱

رہائشی مکانات کی تعمیر اور آنحضور ﷺ کی منتقلی

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں سات ماہ قیام فرمایا۔(۱)

یہ ابن سعد کے نزدیک واقدی کی روایت ہے، اور فتح الباری (شرح صحیح البخاری) میں علامہ ابن حجر (عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ) نے بھی اس کی توثیق کی ہے، اور ابن اسحاق کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ آنے کے سال میں ربیع الاول سے صفر تک قیام کیا، اور وہاں مسجد نبوی تعمیر کی، اور سکونت کے لیے گھر بنائے، اس طرح آپ ﷺ کا حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے یہاں دس ماہ قیام رہا، جب آپ کی مسجد اور رہائشی مکانات تعمیر ہوگئے، تو آپ ﷺ وہاں سے یہاں منتقل ہوگئے، مہاجرین آپ ﷺ کے بعد مسلسل مدینہ آتے رہے یہاں تک کہ مکہ معظمہ میں صرف دو ہی قسم کے آدمی بچے یا تو وہ جو کسی فتنہ اور آزمائش میں پڑ گئے، یا وہ جو دشمنوں کی قید میں تھے، اور وہاں سے رہائی کی کوئی سبیل نہ تھی، دوسری طرف انصار کا کوئی گھر ایسا نہ بچا جہاں لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا ہو۔"(۲)

جائے ہجرت کے نام کی تبدیلی اور انصار و مہاجرین کے درمیان مؤاخات

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

مدینہ طیبہ تشریف آوری کے بعد اس کے نام میں بھی تبدیلی ہوئی، آپ ﷺ نے یثرب کے بجائے (جس کے معنی مذموم ہیں اور اس

---

(۱) بحوالہ: ابن کثیر: ۲/۲۷۹ (۲) سیرت ابن ہشام، جلد اول: ۴۹۹-۵۰۰

سے مذمت اور خوف کا ایک پہلو نکلتا ہے) اس مبارک شہر کا نام مدینہ رکھ دیا، اور فرمایا کہ یہ "طابہ" ہے، اس وقت سے اس کا نام مدینہ یا طیبہ پڑ گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین وانصار میں ایک دوسرے کی غم خواری اور ہمدردی واعانت کی بنیاد پر بھائی چارہ اور مؤاخات کا ایک معاہدہ بھی کرایا، انصار ومہاجرین کے ساتھ بھائی چارہ کے لیے اس طرح ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تھے کہ قرعہ اندازی کی نوبت آجاتی تھی، وہ مہاجرین کو اپنے مکانات، گھر کے اثاثہ، مال ودولت، زمین وجائیداد ہر چیز میں اختیار وتصرف دے دیتے تھے اور ان کو اپنے پر مقدم رکھتے تھے"۔(۱)

قارئین خود ان حقائق سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ انصار کا عام مہاجرین کے ساتھ جب یہ سلوک وبرتاؤ تھا تو محسن اعظم ومحسن انسانیت رحمت عالم ﷺ کے ساتھ کیا رہا ہوگا اور پھر حضرت ابو ایوب انصاریؓ جن کو یہ عظیم شرف و سعادت نصیب ہوا، وہ کیسے کیسے بچھ نہ جاتے ہوں گے۔

شوق شہادت وجذبۂ اعلاء کلمۃ اللہ

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا بڑا وصف ان کا جذبہ جہاد واعلائے کلمۃ اللہ ہے، تمام غزوات میں وہ شریک رہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کو مدینہ منورہ کا گورنر بنا دیا تھا، لیکن پھر شوق جہاد میں آپ انہیں کے پاس پہنچ گئے، اور خوارج کے خلاف جہاد میں حصہ لیا۔

غزوۂ روم میں شرکت اور یورپ فتح کرنے کی کوشش

آخری عمر میں جب انسان راحت کو اختیار کرتا ہے، انہوں نے غزوۂ روم (یورپ

(۱) نبی رحمت: ۲۶۴-۲۶۵، از: حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی

سے مقابلہ) میں شرکت کو ترجیح دی، جس کا رخ قسطنطنیہ تھا اور جسے روم میں مرکزی حیثیت اور عیسائیت کے مرکزی مقام کی اہمیت حاصل تھی، اور وہ جذبہ بھی پیش نظر رہا ہوگا جو رسول اللہ ﷺ کی دعائے مغفرت اور ایک طرح کی پیشین گوئی سے ظاہر ہو رہا تھا، جیسا کہ حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا (جو حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ خادم رسول اللہ ﷺ کی خالہ ہیں) کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، وہ آنحضرت ﷺ کی رضاعی رشتہ دار بھی تھیں، حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے اس واقعہ کو یوں ذکر کیا ہے:

"ایک روز آپ ﷺ ان کے گھر میں دوپہر کے وقت سوئے ہوئے تھے کہ اچانک بیدار ہوئے، تو آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر تبسم تھا، حضرت ام حرامؓ نے تبسم کی وجہ پوچھی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "خواب میں مجھے اپنی امت کے لوگ دکھائے گئے جو جہاد کے لیے بیٹھے ہوں، حضرت ام حرامؓ نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! دعا فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی شامل فرمالے، آپ ﷺ نے دعا فرمادی، اور دوبارہ محو خواب ہوگئے، تھوڑی دیر کے بعد پھر بیدار ہوئے تو دوبارہ چہرہ مبارک تبسم سے کھلا ہوا تھا، حضرت ام حرام نے دوبارہ وجہ پوچھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ

"میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر (روم) کے شہر (قسطنطنیہ) پر جہاد کرے گا، اس کی مغفرت کی بشارت دی گئی ہے، حضرت ام حرامؓ نے دوبارہ دعا کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ اس لشکر میں مجھے بھی شامل فرمالے، لیکن اس مرتبہ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ "نہیں! تم پہلے لشکر میں شامل ہو"۔(۱)

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب فضل من یسرع فی سبیل الله: ۲۷۹۹، باب ما قیل فی قتال الروم: ۲۹۲٤

جہاں تک فتح قسطنطنیہ کی بات ہے اور اس میں اس کے امیر کی تعریف کی گئی ہے، اس کا تعلق دوسرے واقعہ سے ہے، اس تعلق سے حضرت بشر بن تحیم رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے الفاظ ہیں؛

"لتفتحن القسطنطنية فلنعم الأمير أميرها ولنعم الجيش ذلك الجيش"(۱)

(تم ضرور قسطنطنیہ فتح کرلوگے، پس بہتر امیر اس کا امیر ہوگا اور بہتر لشکر وہ لشکر ہوگا)

فتح قسطنطنیہ کے لیے متعدد کوششیں

"اس حدیث میں بیان کردہ سعادت کے حصول کے لیے بہت سے مسلمان حکمرانوں نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا، جن میں حضرت عمر بن عبد العزیز، ہشام بن عبد الملک، مہدی عباسی، ہارون رشید وغیرہ شامل ہیں"۔(۲)

فتح قسطنطنیہ کی تاخیر کے اسباب کے جغرافیائی و مذہبی اسباب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں؛

"اول تو اس شہر کا محل وقوع ایسا تھا کہ اس کے گرد سمندری خلیجوں نے حصار قائم کیا ہوا تھا، دوسرے یہ پہاڑی علاقہ تھا، جس میں سردیوں کا موسم خاص طور پر عرب کے صحرا نشینوں کے لیے ناقابل برداشت ہوجاتا تھا، تیسرے اس شہر کے گرد یکے بعد دیگرے تین فصیلیں تھیں، جن میں ایک سو ستر فٹ کے فاصلہ سے مضبوط برج بنے ہوئے تھے، ہر فصیل انتہائی مستحکم اور ناقابل تسخیر قلعہ سمجھا جاتا تھا، چوتھے عیسائی دنیا میں قسطنطنیہ کو جو سیاسی اور مذہبی مقام حاصل تھا اس کے پیش نظر

---

(۱) مسند احمد: ۳۱/ ۲۸۷ (رقم: ۱۸۹۵۷) (۲) جہان دیدہ: ۳۲۱

اس پر آنچ آتی دیکھ کر پوری عیسائی دنیا اپنی جان کی بازی لگانے کے لیے تیار ہو جاتی تھی، ان وجوہ سے مسلمانوں کے یہ بیشتر محاصرے شہر کو فتح نہ کر سکے، بعض سلاطین کے زمانہ میں اہل قسطنطنیہ خراج دینے پر آمادہ ہو گئے لیکن شہر فتح نہ ہوا۔(۱)

خلافت عباسی کے بعد خلافت عثمانی قائم ہوئی، جو سلطان غازی عثمان کی طرف منسوب ہے، وہی اس کے بانی ہیں، عثمانی سلاطین نے یورپ اور بالخصوص قسطنطنیہ کی طرف توجہ کی، ان سلاطین آل عثمان میں بایزید یلدرم کی کوشش کا ذکر کرتے ہوئے علامہ محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم رقم طراز ہیں؛

''سلاطین آل عثمان میں سب سے پہلے بایزید یلدرم نے آس پاس کی متعدد جنگی مہمات میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد ۱۴۰۲ء میں قسطنطنیہ کا پوری قوت کے ساتھ محاصرہ کیا، بایزید اپنی شجاعت و بہادری اور جنگی تدبیروں کی وجہ سے یورپ کے لیے ایک صاعقہ آسمانی سے کم نہ تھا، اور اسی وجہ سے اس کا لقب ''یلدرم'' مشہور ہو گیا تھا، جس کی معنی بجلی کے ہیں، بایزید کے بعد اس کے بیٹوں اور پوتوں نے بھی اپنے اپنے دور میں قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا، لیکن ان کو بھی عین محاصرے کے دوران عقبی بغاوتوں سے سابقہ پیش آیا، جن کی وجہ سے وہ کامیاب نہ ہو سکے، بالآخر اللہ تعالیٰ نے فتح قسطنطنیہ کی سعادت خاندان آل عثمان کے ساتویں نوجوان خلیفہ سلطان محمد الفاتح کی قسمت میں لکھی تھی، اس نوعمر شہزادے نے ۲۲/ سال کی عمر میں خلافت کی باگ ڈور سنبھالی تھی، لیکن اپنی خداداد صلاحیتوں سے وہ بہت جلد اپنے پیش رووں پر سبقت لے گیا، اس نے بڑی باریک

---

(۱) جہان دیدہ: ۳۲۱

بنی سے ان اسباب کا جائزہ لیا جو اب تک قسطنطنیہ کی فتح میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے، اور اپنے تدبر، شجاعت اور الوالعزمی کے ذریعہ جنگ کا ایسا نقشہ تیار کیا جو بالآخر فتح پر منتج ہوا۔"(۱)

حدیث کی عظیم پیشین گوئی کا وقوع اور قسطنطنیہ کی فتح

۲۰/ جمادی الاولی ۸۵۷ء کی وہ مبارک تاریخ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی وہ عظیم پیشین گوئی پوری ہوئی، اور رسول اللہ ﷺ کی زبان سے نکلی تعریف وتوصیف فلنعم الأمیر أمیرھا کا اور اس کا لشکر (جیش) ولنعم الجیش ذلك الجیش کا مصداق ہوا، جو دن فتح کا تھا، اس کی رات اس مبارک لشکر نے ذکر وتسبیح اور دعاؤں میں گذاری تھی، بازنطینی بادشاہ قسطنطین اس میں مارا گیا اور پھر کوئی قسطنطین پیدا نہ ہوا، اور اس پر گیارہ سو سالہ بازنطینی سلطنت روما کا خاتمہ ہوگیا، قسطنطنیہ کا شہرۂ آفاق کلیسا آیا صوفیا مسجد آیا صوفیا ہوگیا، جس کی دیواروں پر تصویریں ہٹا کر دھلائی کی گئی، پاک کیا گیا، اور شرک وکفر کے اس مرکز میں سلطان محمد الفاتح نے اذان دلوائی، اور خود نماز ظہر یہیں ادا کی، مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ لکھتے ہیں؛

"اس وقت سے اس کلیسا کو مسجد میں تبدیل کردیا گیا(۲) اس کے بعد سلطان شاہی محلات میں داخل ہوا، یہ زرق برق محلات جو صدیوں سے قیاصرہ کی شان وشوکت اور اس کے طمطراق کے مظہر تھے، آج ویران ہوگئے تھے، سلطان محمد فاتح کے دل پر اس عبرتناک

---

(۱) جہان دیدہ: ۳۲۳ (۲) کلیسا آیا صوفیا کے تعلق سے مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ نے لکھا ہے کہ "آیا صوفیا کا یہ کلیسا آرتھوڈکس چرچ کا عالمی مرکز تھا اور اس چرچ کا سربراہ جو بطریرک یا پیٹر یارک کہلاتا تھا، یہیں پر مقیم تھا، لہٰذا آدھی عیسائی دنیا اس کلیسا کو اپنی مقدس ترین عبادت گاہ سمجھا کرتی تھی، یہ روم کے کلیسا کے مقابلہ میں زیادہ قدیم تھا، اس کی بنیاد تیسری صدی عیسوی میں اسی رومی بادشاہ قسطنطین نے ڈالی تھی، جو روم کا پہلا عیسائی بادشاہ تھا، جس کے نام پر اس شہر کا نام بیزنطیہ سے قسطنطنیہ رکھا گیا"۔ (جہان دیدہ: ۳۴۴)

منظر کا ایسا اثر ہوا کہ بیساختہ فردوسی کا یہ شعر اس کی زبان پر آ گیا:

پردہ داری می کند بر قصر قیصر عنکبوت
بوم نوبت میزند بر طارم افراسیاب(۱)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی کرامت کا ظہور

اس تفصیل میں جانے کی ضرورت اس لیے بھی پیش آئی کہ ایک تو قسطنطنیہ کے تعلق سے حدیث نبوی میں بیان کی گئی دو الگ الگ پیشین گوئیوں میں عموماً لوگ تمیز نہیں کر پاتے، ایک کا تعلق غزوۂ اولیٰ سے ہے، اور دوسری کا فتح سے، لیکن کوششیں جو ہوتی رہیں وہ اس دونوں سعادتوں کے حصول کے لیے تھیں، اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی یہ کرامت بھی ظاہر ہوئی جو انہوں نے پہلے لشکر میں شرکت کے دوران مرض وفات میں امیر لشکر حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ کے بیٹے یزید سے بطور وصیت کہی تھی، جب وہ عیادت کے لیے حاضر ہوئے کہ:

> ''بس میری ایک خواہش ہے اور وہ یہ کہ جب میرا انتقال ہو جائے تو میری لاش کو گھوڑے پر رکھ کر دشمن کی سرزمین میں جتنی دور تک لے جانا ممکن ہو وہاں لے جا کر دفن کرنا'' آپ کی اس وصیت پر عمل کیا گیا، یزید نے نماز جنازہ پڑھائی، اور قسطنطنیہ کی دیوار کے قریب آپ کو دفن کیا گیا۔(۲)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا یہ وصیت فرمانا اور پھر آپ کا قسطنطنیہ میں مدفون ہونا، جسے آج استنبول (جو اصلاً اسلام بول ہے) کہا جاتا ہے، اس راستہ کو صاف کر رہا تھا، جو فتح استنبول میں رکاوٹ بن رہا تھا، سلطان محمد الفاتح کو اس عظیم صحابی رسول و میزبان رسول کی برکات و کرامت کا یقین کامل تھا جو ان کے اشارہ و وصیت سے بھی بخوبی سمجھا جا سکتا تھا، چنانچہ جیسا کہ تاریخ کے مستند حوالوں سے حضرت

---

(۱) جہان دیدہ: ۳۲۹ (۲) البدایہ والنہایہ: ۸/۶۴

مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ نے لکھا ہے کہ

''سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ فتح کرنے کے بعد اہتمام کے ساتھ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کی تلاش شروع کی، اور ایک بزرگ کی نشاندہی پر وہ جگہ دستیاب ہوگئی، سلطان محمد فاتح نے ''جامع ابوایوب'' کے نام سے یہاں مسجد تعمیر کی، اور اس وقت سے یہ جگہ زیارت گاہ خاص وعام ہے، یہ پورا محلہ ''ابوایوب'' ہی کہلاتا ہے، مزار مبارک پر لوگ اکثر بیٹھے ہوئے تلاوت کرتے رہتے ہیں۔

جامع ابوایوب کو سلاطین آل عثمان نے ہمیشہ استنبول کا مقدس ترین مقام سمجھا اور ہمیشہ یہ طریقہ جاری کیا کہ ہر نئے سلطان کی تاج پوشی اسی مسجد میں ہوا کرتی تھی، جس کے لیے یہاں ایک مخصوص جگہ بنی ہوئی ہے، تاج پوشی کی رسم تاج پہننے کے بجائے سلطان عثمان خاں کی تلوار نئے سلطان کی کمر میں باندھ کر کی جاتی تھی''۔(۱)

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ نے قسطنطنیہ کا اصل فاتح سیدنا حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو قرار دیا ہے، اور لکھا ہے کہ:

''یہ مقدس صحابی جنہیں اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین ﷺ کی میزبانی کا شرف بخشا تھا، اپنے وطن سے ہزاروں میل دور اللہ تعالیٰ کے دین کا پیغام لیے ہوئے، اس دیار غربت میں راہی آخرت ہوئے اور زندگی کے آخری لمحوں میں بھی خواہش تھی کہ اس کلمہ کو لیے ہوئے دشمن کی سرزمین میں جتنی دور تک جاسکوں چلا جاؤں، وفات کے بعد صدیوں تک کسی کو آپ کی آخری آرام گاہ کا علم بھی نہ تھا، لیکن دیکھا جائے تو قسطنطنیہ کے اصل فاتح آپ ہی ہیں، آپ ہی کے ذریعہ اس سرزمین پر پہلی بار اسلام کا کلمہ پہنچا اور آپ ہی کے وسیلے

---

(۱) جہان دیدہ: ۳۵۶

سے اس خاک کو ایک صحابی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مدفن بننے کی سعادت حاصل ہوئی، رضی اللہ تعالیٰ عنہ وأرضاہ۔(۱)

علامہ ابن کثیر نے واقدی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اہل روم (یعنی ترک) جب قحط زدہ ہوئے تو آپ کے وسیلہ سے بارش کے طلب گار ہوتے تھے۔(۲)

وفات

علامہ ابن کثیر دمشقی ۵۲ھ کے واقعات میں حضرت ابو ایوبؓ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

"و كانت وفاته ببلاد الروم من سور القسطنطينية من هذه السنة وقيل فى التى قبلها وقيل فى التى بعدها و كان فى جيش يزيد بن معاوية، واليه أوصى و هو الذى صلى عليه"(۳)

(اسی سال خطہ روم میں قسطنطنیہ کی فصیل کے پاس ان کی وفات ہوئی، اس سے پہلے کے سال کی اور بعد کے سال کی بات بھی کہی گئی ہے وہ یزید بن معاویہ کے لشکر میں تھے، انہیں کو (دور تک لے جانے کی) وصیت فرمائی تھی اور انہوں نے ہی ان کی نماز جنازہ پڑھائی)

ملفوظات اور مروی احادیث

۱-فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے:

"مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ"(٤)

(جو اس حال میں مرا کہ اللہ کے ساتھ کچھ بھی شریک نہیں ٹھہراتا تھا وہ جنت میں گیا)

۲-فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نصیحت اور تعلیم چاہنے پر اس سے یہ

---

(۱) جہان دیدہ: ۳۵۶
(۲) البدایہ والنہایہ: ۸/۸۰، قطر ۲۰۱۵ء
(۳) البدایہ والنہایہ: ۸/۷۹
(۴) حدیث صحیح مسند احمد: ۵/۴۲۳

فرمایا کہ

"اذَا صَلَّيْتَ فَصَلِّ صَلاَةَ مُوَدِّعٍ وَلاَ تُكَلِّمَنَّ بِكَلاَمٍ تَعْتَذِرُ مِنْهُ غَداً وَأَجْمِعِ الْيَأْسَ مِمَّا فِي أَيْدِي النَّاسِ"(۱)

(نماز ایسی پڑھ جیسے کہ آخری نماز پڑھ رہے ہو، ایسی بات نہ کہو کہ پچھتاؤ، اور لوگوں کی چیزوں میں جی نہ لگاؤ)

۳-وفات کے قریب فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی بات چھپا رکھی تھی کہ آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

"لو لا أنكم تذنبون لخلق الله قوما يذنبون فيغفر لهم"(۲)

(اگر تم لوگ گنہگار نہ ہوتے تو ضرور اللہ ایسے لوگوں کو پیدا فرماتا جو گناہ کرتے پھر وہ انہیں بخشتا)

علامہ ابن کثیر مذکورہ حدیث اور جنت کی بشارت والی حدیث کے تعلق سے کہتے ہیں:

"وعندی أن هذا الحديث والذی قبله هو الذی حمل يزيد بن معاوية على طرف من الارجاء وما كان يتعاطاه من القبائح وركب بسببه أحفالا كثيرة أنكرت عليه كما سنذكره فی ترجمته والله أعلم"(۳)

(یعنی یزید بن معاویہ کی طرف جو باتیں منقول ہیں، میرے نزدیک اس حدیث سے اور اس سے پہلے کی حدیث سے زیادہ پر امید ہوجانے کی وجہ سے ہیں، ہم یزید کے تذکرے میں اسے بیان کریں گے، باقی اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے)

---

(۱) مسند أحمد: ۴۱۲/۵، سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد: ۴۱۷۱

(۲) حدیث صحیح مسند أحمد: ۴۱۴/۵، صحیح مسلم: ۲۷۴۸

(۳) البدایۃ والنہایۃ: ۸۰/۸، مطبعۃ وزارۃ الأوقاف قطر ۲۰۱۵م

محدث الاسلام

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

(المتوفی ۵۸ھ)

خاندان اور مقام

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعلق قبیلہ دوس سے تھا، ۷ھ میں مشرف بہ اسلام ہوئے، جاہلیت میں عبد شمس اور ابو الاسود نام تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ نام رکھا، اور ابو ہریرہ کنیت قرار دی، ایک نام عبد الرحمٰن بھی ہے، گو آپ کنیت سے مشہور ہوئے، ناموں میں عبد الرحمٰن نام اہل علم حلقوں میں زیادہ معروف ہے، والد کا نام صخر تھا، والدہ کا نام میمونہ بنت صبیح ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم کثیر حاصل کیا، اور پھر اس میں حضرت ابو بکر حضرت عمر حضرت عائشہ اور حضرت ابی ابن کعب اور دیگر اجلہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے گراں قدر اضافہ کیا، صحابہ اور تابعین کی بڑی جماعت نے آپ سے روایتیں لیں، آپ سے روایت کرنے والوں کی تعداد آٹھ سو ہے۔

امام ذہبی کہتے ہیں:

"هو رأس فی القرآن، وفی السنة وفی الفقه"

(قرآن، حدیث اور فقہ میں مرجع وہی ہیں)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک بار اپنے لئے دعا کر رہے تھے:

" اللهم إني أسئلك علماً لا ينسى"

(اے اللہ! میں تجھ سے ایسے علم کا سوال کرتا ہوں جو بھلایا نہ جائے)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آمین" (۱)

امام ذہبی نے آپ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"احتج المسلمون قديماً وحديثاً بحديثه لحفظه وجلالته واتقانه وفقهه، وناهيك أنّ مثل ابن عباس يتأدب معه، و يقول: أفت يا أبا هريرة" (۲)

(مسلمانوں نے گزشتہ زمانہ میں بھی اور اب بھی ان کی حدیث سے استدلال کیا ہے، ان کی قوت حافظہ، ان کی جلالت شان ان کے ضبط اور فقیہانہ شان کی وجہ سے، اور تمہارے لیے یہی کافی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی ان کے ساتھ ادب سے پیش آتے اور کہتے: اے ابو ہریرہ! آپ ہی فتویٰ دیجیے)

علم حدیث کے امام

علم حدیث میں ان کے علو منزلت کے ساتھ ان کی فقاہت کا اس میں کھلا اعتراف ہے، اور ان کے تذکرہ کا آغاز امام ذہبی نے اس طرح کیا ہے:

الإمام الفقيه المجتهد الحافظ، صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم، أبوهريرة الدوسي اليماني، سيد الحفاظ الأثبات" (۳)

حدیث میں ان کی یہ سند ذہبی سند مانی جاتی ہے، امام ذہبی کہتے ہیں:

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۲/۶۲۵-۶۲۸ (۲) ایضا: ۲/۶۰۹ (۳) ایضا: ۲/۵۷۸

"وأصح الحديث ما جاء عن الزهري عن سعيد ابن المسيب عن أبي هريرة ري الله عنه"(۱)

اس طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علمی وفکری جانشین حضرت سعید ابن المسیب رضی اللہ عنہ ہوئے اور ان سے اس فیض کو لے کر عام کرنے والے حضرت امام زہری رحمۃ اللہ علیہ ہوئے، اس طرح حفظ حدیث اور نقل روایات میں امامت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی، اور صحیح معنوں میں محدث الاسلام کے لقب کا اطلاق ان ہی پر ہوتا ہے، کیونکہ ان کو اس تعلق سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص دعا اور صحبت کی برکت حاصل تھی۔

ذوقِ ذکر وعبادت

دین وعلم دین کا تعلق، اس میں قبولیت، علو مقام اور مرجعیت اور عمومی افادہ کا تعلق تنہا ظاہری علم واعمال سے پیش نہیں ہوتا، اس کے پیچھے بڑی باطنی طاقت کام کرتی ہے۔(۲)

---

(۱) سیر اعلام النبلاء:۲/۶۰۹

(۲) جیسا کہ حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "ارکان اربعہ" میں نماز کے باب میں اور تاریخ دعوت وعزیمت حصہ اول میں علامہ ابن الجوزی کے تذکرۃ میں صاف طور پر لکھا ہے اور توجہ دلائی ہے کہ نماز کے اہتمام، سحر خیزی، نالہ نیم شبی کو اس میں بڑا دخل رہا ہے، اور اس زمانہ کے علماء ربانیین میں خاص طور سے حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی جن کی تبلیغ و تحریک جو دین خالص کی داعی ہے، اپنے نہج کے ساتھ پوری دنیا پر چھا گئی، اور حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلوی جن کی تصنیفات اور حدیثی خدمات کو اللہ نے وہ قبولیت اور ان کی ذات کو وہ مرجعیت عطا فرمائی جس کی نظیر ملکوں اور زمانوں میں نہیں ملتی، اس کے پیچھے بھی یہی باطنی طاقت قیام لیل کی کام کر رہی تھی کہ ان کے گھر کے بڑوں میں تین افراد (والد صاحب اور دو بڑے بھائیوں) نے رات کو تین حصوں میں تقسیم کر کے ایک ایک حصہ کو اپنے لئے خاص کر لیا تھا، اور پوری شب ذکر وعبادت سے معمور ومنور رہتی تھی، بعد میں حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی اور ان کے بھتیجے حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی نے بھی اس چیز کا بڑا اہتمام کیا اور یہی حال حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی والدہ ماجدہ کا رہا تھا..... باقی اگلے صفحہ پر.....

اس فہرست میں سب سے آگے چلتے ہوئے بلکہ سرفہرست بزرگ سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نظر آتے ہیں، جن کے سینہ میں اللہ نے دین وعلم کا وہ ذخیرہ جمع کر دیا تھا جس میں ان کا کوئی مقابل نظر نہیں آتا، اور پھر اس کے فروغ و اشاعت کے کام کے لیے اللہ نے ان کا انتخاب کیا، اور ان کو بڑے عالی ہمت تلامذہ اور خلفاء عطا کیے، جنھوں نے ان سے حاصل کردہ علم نبوت کو نور نبوت کے ساتھ عام کیا، علامہ ابن کثیر دمشقی حضرت عکرمہ (مولی ابن عباس) کا ملفوظ نقل کیا ہے:

"كان أبو هريرة يسبح كل ليلة اثنى عشرة ألف تسبيحة ويقول أسبح على قدر ديتي"(۱)

(حضرت ابو ہریرہؓ کا رات کی تسبیح کا معمول بارہ ہزار کا تھا، اور وہ فرماتے تھے میں اپنی دیت کے بقدر تسبیح پڑھتا ہوں)

امام ذہبی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ایک معمول یہ نقل کیا ہے کہ:

"أنه كان له خيط فيه ألفا عقدة لا ينام حتى يسبح به"(۲)

(کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دھاگے میں دو ہزار گرہ ڈال رکھی تھیں (یعنی دو ہزارہ تسبیح تھی) وہ اتنی تسبیح پڑھے بغیر سوتے نہیں تھے)

امام ذہبی نے ان کی شب بیداری کا معمول اس طرح بیان کیا ہے کہ انہوں نے اپنی اہلیہ اور خادم کے درمیان رات کو تین حصوں میں بانٹ دیا تھا، وہ لکھتے ہیں:

"فكان هو وامرأته وخادمه يعتقبون الليل أثلاثاً، يصلي هذا

.....گذشتہ سے پیوستہ.....جن کو اللہ نے ذکر و دعا اور نماز سے غیر معمولی مناسبت اور شغف عطا کر دیا تھا، رات دن کا بیشتر وقت اسی میں گزر جاتا اور اسی سے ان کی روح کو تسکین ملتی اور کوئی تعب نہ ہوتا، جب کہ خود ان کے علمی، دعوتی مصروفیات، ذکر و تلاوت کے بڑے معمولات تھے، فالحمد للہ علی ذلک، یہ دو مثالیں اس لیے دیں کہ ان کی برکات پورے عالم پر محیط نظر آتی ہیں۔

(۱) البداية والنهاية: ۸/ ۱۶۰، نسخة محققة وزارة الأوقاف، قطر: ۲۰۱۵

(۲) سیر اعلام النبلاء: ۲/۲۲۳ علامہ ابن کثیر نے بارہ ہزار گرہیں اور دو ہزار گرہیں دونوں قول ذکر کر کے دو ہزار والی بات کو راجح قرار دیا ہے۔ (تاریخ ابن کثیر: ۸/۱۶۳، ط: قطر)

ثم يوقظ هذا، ويصلي هذا ثم يوقظ هذا"(۱)

(وہ یعنی حضرت ابو ہریرہؓ ان کی اہلیہ اور خادم ایک ایک کر کے رات بھر (عبادت کے لیے جاگتے)

علامہ ابن کثیر دمشقیؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ ان کی اہلیہ اور صاحبزادی کے متعلق یہ بات لکھی ہے، اور امام احمد بن حنبلؒ نے کتاب الزہد صفحہ ۲۵۹ میں اس کو ذکر کیا، اور اس کی سند صحیح ہے۔(۲)

روزہ کے سلسلہ میں ان کا معمول یہ تھا کہ مہینہ کے آغاز میں تین دن روزہ رکھتے، حضرت شرحبیل سے مروی ہے کہ وہ دوشنبہ اور جمعرات کے روزے کا بھی اہتمام فرماتے تھے۔

تسبیحات کے سلسلہ میں ان کا معمول روزانہ ۱۲ ہزار تسبیح کا تھا، حضرت عکرمہ کہتے ہیں:

"إن أبا هريرة كان يسبح كل يوم اثنى عشر ألف تسبيحة"(۳)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روزانہ بارہ ہزار تسبیح پڑھتے تھے)

اور وہ کہتے تھے:

"أسبح بقدر ديتي" وفي نسخة: "ذنبي"(٤)

(کہ میں اپنی دیت کے بقدر تسبیح پڑھتا ہوں، اور ایک نسخہ میں ہے کہ میں اپنے گناہوں کے بقدر تسبیح پڑھتا ہوں)

خشیت الٰہی اور خوف آخرت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روز صبح وشام جہنم سے ڈراتے، اور یہ کہتے:

"ذهب الليل وجاء النهار، وعرض آل فرعون على النار"

---

(۱) بحوالہ سابق (۲) البدایہ والنہایہ: ۸/۱۵۹، نسخۂ محقق، وزارۃ الاوقاف قطر؛ ۲۰۱۵ء
(۳) بحوالۂ سابق (۴) سیر اعلام النبلاء: ۲/۶۰۹-۶۱۰ (البدایہ والنہایہ میں رات کے معمول کا ذکر ہے کہ دو ہزار تسبیح کا معمول رات کا تھا۔ نسخۂ محقق وزارۃ الاوقاف، قطر؛ ۲۰۱۵، صفحہ: ۸/۱۶۰

(رات گذری، دن آیا اور آل فرعون کو جہنم پر پیش کیا گیا)

میمون میسرہ جو اس کے راوی ہیں کہتے ہیں کہ جس کے کان میں یہ آواز پڑتی وہ جہنم سے پناہ مانگتا۔(۱)

خود سیدنا حضرت ابو ہریرہؓ کا حال یہ تھا کہ سجدہ میں زنا سے، چوری سے، کفر سے اور دوسرے کبیرہ گناہوں سے اللہ کی پناہ چاہتے تھے، ان سے کہا گیا: آپ کو اس کا خوف ہے؟ فرمایا: ابلیس کے زندہ ہوتے ہوئے کیسے مامون رہا جاسکتا ہے، اور پھر مصرف القلوب جدھر چاہے دل پھیر دے، تاریخ ابن کثیر کے الفاظ ہیں:

"وروى غير واحد عن أبي هريرة أنه كان يتعوذ في سجوده من أن يزني أو يسرق أو يكفر أو يعمل كبيرة، فقيل له: أتخاف ذلك؟ فقال: ما يؤمنني وابليس حي، ومصرف القلوب يصرفها كيف يشاء"(۲)

حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم

جب وہ حدیثیں بیان کرتے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بڑے شوق ومحبت سے کرتے، اور کبھی احترام میں صرف کنیت کا اظہار کرتے، یہ بھی برداشت سے باہر ہوجاتا، اور رو پڑتے۔

محنت کش زندگی کا اثر اور صحبت نبوی کی برکات

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سخت حالات کو برداشت کر کے علم نبوت حاصل کیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت بابرکت اور نور نبوت سے منور ہوئے، اپنی تنگ دستی کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"كنت أجيراً لبسرة بنت غزوان بعقبة رجلي، و طعام بطني،

---

(۱) البدایہ والنہایہ لابن کثیر: ۸/۱۶۰، ط؛ قطر

(۲) البداية والنهاية، نسخة محققة، ط؛ قطر ۲۰۱۵، بحواله تاريخ ابن عساكر

وكانوا إذا ركبوا، سقت بهم وإذا نزلوا خدمتهم، فزوجنيها الله، فهي امرأتي"(۱)

(کہ میں بسرہ بنت غزوان کے یہاں پیٹ بھر کھانے کے عوض مزدوری کرتا تھا، ایک پاؤں پر کھڑا رہتا تھا، ان کی سواریوں کو ڈھوتا اور جب وہ سفر پر نہ ہوتے تو ان کی خدمت کرتا، پھر اللہ نے یہ انعام فرمایا کہ ان ہی خاتون کو میری زوجیت میں دے دیا، آج وہی میری اہلیہ ہیں)

ان کا اس پر اللہ کی حمد وثنا کا یہ واقعہ ذہبی نے نقل کیا ہے کہ ایک دن نماز پڑھانے کے بعد بلند آواز سے کہنے لگے:

الحمد لله الذى جعل الدين قِواماً وجعل أبا هريرة إماماً بَعدَ أنْ كَانَ أجيراً لابنةِ غزوان على شبع بطنه وحَمُوْلَةِ رحله"(۲)

(کہ ساری تعریف اللہ کی ہے جس نے دین کو اصل بنایا اور ابو ہریرہ کو امام بنایا جب کہ وہ غزوان کی دختر کا مزدور تھا، بوجھ اٹھاتا اور بھوکا رہتا تھا)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے کو پورے طور سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ کر دیا تھا، یہاں تک کہ کھانا پینا، سب کچھ وہیں پر ہوتا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے آپ کے پاس آتا، آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر کہیں جاتے نہیں، دین اور علم دین کو محفوظ کرنے کی فکر دامن گیر رہتی، امام ذہبی نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"لم يكن يشغلني عن رسول الله صلى الله عليه وسلم غرس الودى، ولا صفق فى الأسواق، وإنما كنت أطلب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم كلمة يعلمنيها أو أكلة يطعمنيها"(۳)

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۶۱۱-۶۱۲ (۲) سیر أعلام النبلاء: ۲/ ۶۱۱، البدایۃ والنہایۃ، نسخہ محقق قطر: ۲۰۱۵، میں "حمولۃ رجلہ" کا لفظ ہے۔ (۳) سیر أعلام النبلاء: ۲/ ۶۱۷

(مجھے نہ تو تجارت وکاروبار نے اور نہ ہی کھیتی باڑی نے مشغول رکھا، میں تو بس اس فکر میں رہتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کون سی بات سننے کو اور کون سا لقمہ کھانے کو مل جائے)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر ان کے اس فضل کا اعتراف کیا کہ:

"کنت ألزمنا لرسول الله صلى الله عليه وسلم وأعلمنا بحديثه"(۱)

(آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ہم سے زیادہ ملی اور آپ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہم لوگوں میں زیادہ علم رکھنے والے ہیں)

کرامت

امام ذہبی نے حفظ حدیث میں ان کو بڑا مضبوط قرار دیا ہے اور لکھا ہے:

"وقد كان أبو هريرة وثيق الحفظ، ما علمنا أنه أخطأ في الحديث"(۲)

(اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یادداشت بہت پختہ تھی، ہمیں نہیں معلوم کہ انھوں نے حدیث بیان کرنے میں کبھی غلطی کی ہو)

اور اس سلسلہ میں ان کی ایک کھلی کرامت بھی بیان کی ہے، کہ ایک خراسانی نوجوان نے ''مصراۃ'' (یعنی تھن میں دودھ ذخیرہ کر کے بیچنا) کے مسئلہ میں دلیل چاہی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث بتائی گئی، اس شخص نے یہ کہہ دیا کہ ابو ہریرہ غیر مقبول الحدیث ہیں، اس نے بات ختم بھی نہیں کی تھی کہ ایک ہولناک سانپ جامع منصور کی چھت سے نیچے گرا، لوگ گھبرا کر بھاگے وہ شخص بھی بھاگنے لگا، اس کا سانپ پیچھا کرنے لگا، لوگ اس گستاخ سے کہتے کہ توبہ کر! توبہ کر! جب اس نے

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۶۱۷ (۲) ایضا: ۲/ ۶۲۱

کہا کہ میں نے توبہ کی تو اسی وقت سانپ غائب ہوگیا، پھر اس کا کچھ پتہ نہ چلا۔

ذہبی کہتے ہیں کہ اس کرامت کے بیان کرنے کی سند میں بڑے بڑے ائمہ ہیں۔

امام ذہبی ان کے حفظ واتقان کے اس قدر قائل ہیں کہ کہتے ہیں:

"وأبو هريرة إليه المنتهىٰ في حفظ ما سمعه من الرسول عليه السلام وأدائه بحروفه"(۱)

(اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی دوسرا نہیں جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ایسا یاد کیا ہو جیسا انھوں نے یاد کیا، اور الفاظ وحروف کی ادائیگی کا اتنا لحاظ کیا ہو جتنا انھوں نے کیا)

فقاہت

جو لوگ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو محدث محض مانتے ہیں، اور ان کو فقاہت میں اونچے مقام کا حامل نہیں سمجھتے وہ لوگ وہی ہیں جو خود دین کی فقاہت سے محروم ہیں، ائمہ اربعہ، فقہائے امت تو ان کے فتاوی اور قضایا کو بنظر استدلال دیکھتے ہیں اور اس کی روشنی میں مسائل کا استنباط کرتے ہیں، اور فقیہ الصحابہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے فتاوی میں انہوں نے اختلاف کیا، تو ان کے رجحان کو ارجحیت حاصل ہوئی، اور ایک بار خود حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے ان سے ایک مسئلہ میں فتوی دینے کو کہا:

"أفتيه يا أبا هريرة، فقد جاء تك معضلة"(۲)

(اے ابو ہریرہ! آپ ہی اس کا فتوی دیجیے، بڑا پیچیدہ مسئلہ درپیش ہے)

مدینہ منورہ میں حضرات صحابہ فتوی دیتے تھے ان میں ایک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، جیسا کہ امام ذہبی نے نقل کیا ہے:

"كان ابن عباس، وابن عمر و أبو سعيد، وأبوهريرة، وجابر رضي الله عنهم مع أشباههم، يفتون بالمدينة ويحدثون عن

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۶۱۹ (۲) ایضا: ۲/ ۶۰۷

رسول الله صلى الله عليه وسلم من لدن توفي عثمان رضي الله عنه إلى أن توفوا"(۱)

(حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت ابوسعید خدری، حضرت ابوہریرہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہم علماء صحابہ مدینہ میں فتوی دیا کرتے تھے، اور حدیثیں بیان کرتے تھے، اس وقت سے جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وفات پائی اور اس وقت تک جب یہ لوگ ایک ایک کر کے وفات پا گئے)

علامہ ابن کثیرؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کا یہ ملفوظ بھی نقل کیا ہے:

"انی أجزئ الليل ثلاثة أجزاء فجزء ألقراء ة القرآن وجزء أ أنام فيه وجزء أ أتذكر فيه حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم"(۲)

(کہ رات کو میں نے تین کاموں میں تقسیم کرلیا تھا، قرآن مجید کی تلاوت، استراحت اور مطالعہ حدیث میں)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علم سے اشتغال کو دوسرے معمولات پر ترجیح دیتے تھے۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما کا اس سلسلہ میں یہ لکھا ہے کہ وہ دونوں فرماتے تھے "باب من العلم نتعلمه أحب الينا من ألف ركعة تطوعاً وباب نعلمه-عملنا به أو لم نعمل-أحب الينا من مأة ركعة تطوعا" یعنی علم سیکھنے کو ہزار رکعت نفل پر اور علم سکھانے کو سو رکعت نفل پر ترجیح دیتے تھے، اور دونوں یہ فرماتے تھے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے "طالب علم کو حصول علم کے دوران موت آجائے تو وہ شہید ہوا"۔(۳)

مراقبہ آخرت اور سفر آخرت

آخرت کا بڑا خوف رکھتے، اپنی صاحبزادی سے کہا:

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۲/ ۶۰۷ (۲) ۸/ ۱۶۰، ط؛ قطر (۳) البدایہ والنہایہ: ۸/ ۱۶۱، نسخہ محقق، ط؛ مصر

"لا تلبسی الذهب أخشی علیك اللهب"(۱)

(سونے کا پہناوا اختیار نہ کرنا، مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ تمہارے لیے انگارہ نہ بن جائے)

وفات کا وقت قریب آیا، مرض الوفات میں رونے لگے، عرض کیا گیا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا: میں تمہاری اس دنیا پر نہیں رو رہا ہوں بلکہ اس پر رونا آرہا ہے کہ سفر طویل ہے، اور زادسفر تھوڑا ہے، پھر جنت وجہنم کا ذکر کیا اور فرمانے لگے، پتہ نہیں قیام کہاں ہے۔

مروان بن الحکم جو بعد میں خلیفہ ہوئے، اور اس وقت مدینہ منورہ کے حاکم تھے، حضرت ابو ہریرہ کی خدمت میں آئے، اور دعا دی:

"شفاك الله یا أبا هریرة"

(اللہ آپ کو شفا بخشے اے ابو ہریرہ!)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس پر آمین کہنے کے بجائے یہ دعا کی:

"اللهم إنی أحب لقائك فأحب لقائي"

(اے اللہ! میں تجھ سے ملنا پسند کرتا ہوں، تو بھی مجھ سے ملنے کو پسند فرما)

یہ دعا ایسی قبول ہوئی کہ مروان وسط بازار میں ہی پہنچے ہونگے کہ سانحہ وفات پیش آگیا۔(۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ۶۰ھ سے پناہ مانگتے تھے، اور یہ دعا کرتے تھے کہ اس سے قبل اٹھالئے جائیں، ان کی دعا دی تھی:

"اللهم لا تدرکنی سنة ستین"

(یا اللہ مجھے ۶۰ھ کا سال نہ ملنے پائے)

۵۷ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی، اور یہی زمانہ ہے جس میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی وفات پائی، اور بقیع میں مدفون ہوئے، ۷۵ سال

---

(۱) ایضا: ۲/۶۲۲ (۲) طبقات ابن سعد: ۴/۳۳۹، ابن کثیر: ۸/۱۶۷

سے زائد عمر تھی۔

ابن کثیر نے واقدی کا قول نقل کیا ہے کہ ۵۹ھ تھا اور ان کی عمر ۷۸/ سال تھی۔(۱)

علامہ ابن کثیر دمشقیؒ کہتے ہیں:

"وقد كان أبو هريرة من الصدق والحفظ والديانة والعبادة والزهادة والعمل الصالح على جانب عظيم"(۲)

(حضرت ابو ہریرہؓ صدق و حفظ و دیانت و عبادت، زہد اور ورع و تقوی کے اونچے مقام پر فائز تھے)

(۱) ابن کثیر: ۸/ ۱۶۷ (۲) البدایہ والنہایہ: ۸/ ۱۵۹، نسخہ محقق قطر

کاتب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

امیر المؤمنین حضرت معاویہ بن ابی سفیان اموی قرشیؓ

(وفات ۶۱ھ)

کاتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، داھیۃ الاسلام، امیر المؤمنین ابوعبدالرحمٰن حضرت معاویہ بن ابی سفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی رضی اللہ عنہ ملوک اسلام میں پہلے شاہ، خلافت راشدہ کے بعد اسلام کے دور اقتدار کے دوسرے دور خلافت اموی کے بانی ومؤسس، اور مشاجرات صحابہ کے بعد اجتماعیت قائم ہونے پر متفق علیہ امیر وحاکم اسلام ہستی ہیں، جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض امور میں کتابت کی خدمت کا کام بھی لیا، اور بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ وحی الٰہی کی کتابت بھی کی، اگرچہ اس کا موقع زیادہ نہ ملا، اس لیے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہ خدمت خصوصیت سے سپرد تھی اور بعض دیگر صحابہ پہلے سے یہ خدمت انجام دیتے تھے، (۱) حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ چوں کہ فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے جبکہ ان کے دل میں ایمان صلح حدیبیہ کی

---

(۱) امام ابن الاثیر جزری (۵۴۴ھ-۶۰۶ھ) لکھتے ہیں: "وهو أحد اللذين كتبوا الرسول الله ﷺ وقيل لم يكتب له من الوحي شيئا انما كان يكتب له كتبه"

علامہ عبدالقادر ارناؤط اس پر نوٹ چڑھاتے ہوئے لکھتے ہیں: "ونقل المفضل الغلابي عن أبي الحسن الكوفي قال: كان زيد بن ثابت كاتب الوحي وكان معاوية كاتبا فيما بين النبي صلى الله عليه وسلم و٢ بين العرب وقال الذهبي عنه في السير" (۱۲۰/۳) حدث عن النبي صلى الله عليه وسلم و كتب له مرات يسيرة.

(جامع الأصول: ۱۷۴/۱۱، تحقيق عبد القادر ارناؤط، ط؛ وزارة الأوقاف قطر)

مدت میں ہی اتر چکا تھا مگر والدین (ہند اور ابوسفیان) کے اسلام اور مسلمانوں سے اس وقت تک عناد و مخالفت کی وجہ سے اظہار مشکل تھا، پھر ان دونوں نے بھی اسلام قبول کرلیا، اور ان دونوں کے ساتھ آپ کو مؤلفۃ القلوب میں رکھ کر غنائم حنین میں انصار و مہاجرین کے مقابلہ زیادہ حصہ دیا گیا، جن میں اور بھی فتح مکہ کے موقع پر اسلام لانے والے حضرات تھے، اور یہ بات انصار کو بہت محسوس ہوئی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے انصار کا محبانہ شکوہ سن کر ان کی دلجوئی اور اظہار قدر دانی فرمائی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طرز عمل بڑا مفید ثابت ہوا اور پھر ان حضرات نے اسلام اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے وہ قربانیاں پیش کیں، اور اپنی صلاحیتوں سے اسلام کی وہ مدافعت کی جسے کوئی اسلامی مؤرخ نظر انداز نہیں کرسکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کتابت کا شرف

جہاں تک حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لکھنے کا تعلق ہے، اس کے لیے صحیح مسلم کی روایت اہم اور واضح ہے، جو اس موقع کی ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے باوجود انہیں لوگ اہمیت نہیں دے رہے تھے اور نہ لحاظ کر رہے تھے، جس کی ان کو خفت تھی، جس کا اظہار ان کی جانب سے بعض پیش کش کے طور پر ہوا۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ

"كان المسلمون لا ينظرون الى أبى سفيان ولا يقاعدونه، فقال للنبي صلى الله عليه وسلم: يا نبي الله! ثلاث أعطنيهن، قال: نعم، قال: عندى أحسن العرب وأجمله أم حبيبة بنت أبى سفيان أزوجكها، قال: نعم، قال: معاوية تجعله كاتبا بين يديك، قال: نعم، قال وتؤمرنى حتى أقاتل الكفار كما كنت أقاتل المسلمين، قال: نعم"(۱)

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب فضائل أبى سفيان بن حربؓ

(مسلمان ابوسفیان کی طرف نگاہ التفات نہیں ڈال رہے تھے، اور نہ نشست دے رہے تھے، تو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! تین باتیں ہیں، آپ مجھے وہ عطا فرمادیں، فرمایا: ٹھیک ہے، عرض کیا: میرے پاس خاتون عرب ام حبیبہ بنت ابی سفیان ہے، میں اس کو آپ کے لیے نکاح میں دے دوں، فرمایا: ٹھیک ہے(۱) عرض کیا: اور معاویہ ہے آپ اسے اپنے پاس بطور کاتب کے رکھیں، فرمایا: ٹھیک ہے، عرض کیا: اور مجھے لشکر کا امیر بنادیجئے کہ کفار سے جہاد کروں جیسے پہلے مسلمانوں سے کرتا آیا ہوں، فرمایا: ٹھیک ہے)

دعائے نبوی

امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء جلد سوم اور امام سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں ان کا تذکرہ کیا ہے، اور ان روایات کا بھی ذکر کیا ہے جن سے ان کے مناقب کا بھی پتہ چلتا ہے، سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں بحوالہ سنن ترمذی ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہؓ سے فرمایا تھا:

"اللهم اجعله هاديا مهديا"(۲)

اور بحوالہ مسند احمد بروایت حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ ذکر کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

---

(۱) برادر محترم مولانا عبدالسبحان ندوی بھٹکلی نے اس کی توجیہ یہ کی کہ اگرچہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی شادی رسول اللہ ﷺ سے ہو چکی تھی، لیکن یہ بات حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے کے بعد غالباً اس لیے کہی کہ یہ شادی ان کی طرف سے مانی جائے، کیونکہ ان کے باپ ہیں، آنحضور ﷺ نے ان کی دلجوئی کے لیے "ہاں" (نعم) فرمادیا۔

علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حضرت ابوسفیان نے اپنی جن بیٹی کے نکاح کی بات کہی ہے، وہ حضرت عزّہ بنت ابوسفیان ہیں، اس سلسلہ میں حضرت ابوسفیان نے اپنی بیٹی ام حبیبہ سے مدد چاہی تھی، لیکن اس پر عمل نہ ہوسکا اور حضور ﷺ نے یہ واضح فرمایا کہ یہ جائز نہیں ہے۔ (یعنی دو بہنیں ایک ساتھ نکاح میں نہیں آسکتی تھیں۔) (البدایہ والنہایہ: ۷/ ۸؛ ط: قطر ۲۰۱۵)

(۲) روایت حضرت عبدالرحمٰن بن ابی عمیرۃ عن النبی ﷺ

"سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: اللّٰهُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِيَةَ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ"

(کہ بارالہا! معاویہ کو حساب و کتاب کا علم عطا فرما اور ان کی عذاب سے حفاظت فرما)

جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی دعا کا تعلق ہے، تو ان کے ذریعہ اسلام کے حدود خلافت واقتدار کو جو استحکام اور وسعت ملی اور اس کے ذریعہ دائرہ اسلام میں لوگوں کا فوج در فوج داخلہ ہوا، ظاہر ہے اس کا بڑا ذریعہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ بنے، اور "الجزاء من جنس العمل" کے تحت دعا بھی اس کے موافق ملتی ہے اور اس کے مراتب اس کے ذریعہ بلند ہوتے ہیں، اور وہ چیز اللہ کے یہاں اس کے قربات کا ذریعہ بنتی ہے، ہر کوئی ایک ہی راستہ اور طریقہ سے مقرب بارگاہ ایزدی نہیں ہوتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے لکھنے لکھانے کا کام لیتے تھے، ان کو دعا بھی اسی اعتبار سے دی، اور پھر اس میں انہوں نے اتنی ترقی کی کہ یورپی اور فارسی تہذیب وتمدن سے جنکی آنکھیں خیرہ تھیں اور دل ودماغ متاثر تھا، ان کے سامنے ایسا تمدن پیش کیا کہ وہ ششدر رہ گئے، اور حدود اقتدار اسلام سے باہر جانے کے نتیجہ میں باوجود خواہش وتقاضے کے ان کے لیے اپنے مذہب پر عمل آسان نہ تھا، اسی طرح ان کی مملکت تدبیر، دھاء، علم وفہم اور "الدین النصیحة" کے منشا پر عمل کو دیکھا جائے تو ایک مؤرخ یہ فیصلہ کئے بغیر نہیں رہے گا کہ انہوں نے جو اقدامات دور مرتضوی (خلافت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ) میں اور پھر دور حسنی (خلافت سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما) میں کئے ظاہر میں وہ اسلامی روح اجتماعیت سے متصادم نظر آئیں گے لیکن یہ اس وقت کی ایک ضرورت اور حکمت ومصلحت کی بنا پر تھا، اس لیے کہ شام کا علاقہ جو رومی امپائر کے زیر تسلط تھا اس میں ایسی بغاوت کا خطرہ تھا کہ جس سے نہ صرف اسلام کے لیے کام

آنے والے یہ علاقے اس کے حدود اقتدار سے نکل جاتے، ہزاروں لاکھوں لوگ جو دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے ان کے لیے بھی خطرہ تھا کہ ان پر ثقافتی تہذیبی ارتداد کے بادل منڈلا جاتے اور وہ اپنے کو سنبھال نہ پاتے، یوں ہی اللہ تعالیٰ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے لیے بشارت سیادت کے الفاظ اپنے حبیب خاتم النبین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نہیں نکلوائے تھے کہ

"اِنَّ ابْنِیْ هٰذَا سَیِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یُصْلِحَ بِهٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ"(۱)

اس میں جہاں ایک طرف بشارت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لیے ظاہر ہے وہیں دوسرے گروہ کے صاحب ایمان ہونے کی بشارت موجود ہے اور حدیث صاف بتا رہی ہے کہ وہ گروہ بھی اہل اسلام کا گروہ ہے، اور ایک کے اقدام صلح سے دوسرے پر اجتماعیت منعقد ہو جانے کی حقانیت بھی واضح ہو رہی ہے، چنانچہ اس کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی نے حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت امارت کر لی تھی، اور وہ متفق علیہ طور پر امیر المؤمنین ہو گئے تھے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک بڑا وصف حب رسول تھا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے ساتھ خوب حسن سلوک کرتے تھے، حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو ہدایا بھیجتے، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت عقیل ان کے پاس آتے جاتے رہتے تھے، وہ بھی ان کا بڑا خیال کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کا ذکر علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ان الفاظ میں بھی کیا ہے کہ:

"وکان عنده شئی من شعر رسول الله صلی الله علیه وسلم وقلامة أظفاره فأوصی أن تجعل فی فمه وعینیه، وقال: افعلوا ذلك وخلوا بینی وبین أرحم الراحمین"(۲)

---

(۱) صحیح بخاری بروایت حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ

(۲) تاریخ الخلفاء: از امام سیوطی ص: ۱۸۵ م مکتبہ اشاعت الاسلام، دہلی

(آپ کے پاس موئے مبارک اور ناخن کے تبرکات تھے، وصیت فرمائی کہ وہ ان کے منھ اور آنکھوں میں رکھے جائیں، فرمایا: ایسا کرنا اور مجھے اور ارحم الراحمین کے درمیان چھوڑ دینا)

امام ابن الاثیر جزریؒ نے اس کی مزید تفصیل اس طرح لکھی ہے کہ آپ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تہ بند، چادر، قمیص اور کچھ موئے مبارک اور ناخن کے تبرکات تھے، فرمایا:

"وكان عنده ازار رسول الله صلى الله عليه وسلم ورداء ه وقميصه وشئ من شعره وأظفاره، فقال: كفنوني في قميصه وأدرجوني في رداء ه وآزروني بازاره واحشوا مني منخري، وشدقي ومواضع السجود مني بشعره وأظفاره وخلوا بيني وبين أرحم الراحمين"(۱)

(اس قمیص میں مجھے کفنانا اور اس چادر میں لپیٹنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تہ بند پہنانا، ناک اور جبڑوں میں اور سجدہ کی جگہوں پر موئے مبارک اور ناخن کے تبرکات رکھنا اور میرے عمل اور ارحم الراحمین کے درمیان چھوڑ دینا)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی رائے

اللہ تعالیٰ نے امیر المؤمنین حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو معاملہ فہمی، انتظام، اقدام وغیرہ کی ذاتی خوبیوں کے ساتھ جو خصوصیت وامتیاز عطا کیا تھا، اس کی قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین نے بھی کی، جہاں تک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذات کا تعلق ہے اس کے متعلق مولانا محمود اشرف عثمانی (۲) کی تحریر بہت درست ہے کہ:

"حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر مسلمانوں کی ایک جماعت نے بیعت کر لی اور

---

(۱) جامع الأصول: ۱۱/۱۷۵ (۲) برادرزادہ عزیز مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

آپ خلیفہ ہوگئے، اورآپ کے اورحضرت معاویہؓ کے درمیان قاتلین عثمان سے قصاص لینے کے بارے میں اختلاف پیش آیا جس نے بڑھ کر قتال کی صورت اختیار کرلی، اور مسلمانوں کے درمیان تفرقہ کی بنیاد پڑگئی، مگر جیسا کہ ہر ہوش مند جانتا ہے کہ اس میں دونوں جانب اختلاف کا منشا دین ہی تھا، اس لیے فریقین ایک دوسرے کے دینی مقام اور ذاتی فضائل واوصاف کے قائل تھے، اور اس کا اظہار بھی فرماتے تھے، حافظ ابن کثیر نے نقل کیا ہے کہ حضرت علیؓ جب جنگ صفین سے واپس لوٹے تو فرمایا:

"أيها الناس لاتكرهوا امارة معاوية فانكم لوفقد تموه رأيتم الرؤوس تندرعن كواهلها كأنها الحنظل"(۱)

اے لوگو! تم معاویہؓ کی گورنری اور امارت کو ناپسند مت کرو، کیوں کہ اگر تم نے انہیں گم کردیا تو دیکھو گے کہ سر اپنے شانوں سے اس طرح کٹ کٹ کر گریں گے جس طرح حنظل کا پھل اپنے درخت سے ٹوٹ کر گرتا ہے۔(۲)

زمانہ حکومت واقتدار اور اس کی خصوصیات

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا دور اقتدار ۴۱ رسالہ ہے جس میں ۲۱ رسال امارت شام اور ۲۰ رسال پورے عالم اسلام پر حکومت کے ہیں جو اس وقت مسلمانوں کے زیر اقتدار تھا، علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ نے آپ کی حاکمانہ خصوصیات کو اس طرح بیان کیا ہے:

"واجتمعت الرعايا على بيعته سنة احدى واربعين كما قدمنا فلم يزل مستقلا بالأمر فى هذه المدة الى هذه السنة

---

(۱) البدایۃ والنہایۃ ص ۱۳۱/ج ۸/، ط: مصر

(۲) حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق ص: ۲۶۶، از مولانا مفتی تقی عثمانی

التی کانت فیها وفاته، والجهاد فی بلاد العدو قائم، و کلمة الله عا لیة، والغنائم ترد الیه من اطراف الأرض والمسلمون معه فی راحة وعدل وصفح وعفو"(۱)

(یعنی سن ۴۱ھ میں آپ کی بیعت وخلافت پر سب جمع ہو گئے، جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، اور تا وفات ان کا دور اسی اجتماعیت کے ساتھ رہا، اور (اندرونی سازشوں و مقابلوں کے بجائے) جہاد دشمنوں سے جاری رہا، اور اللہ کا کلمہ بلند ہوتا رہا، دنیا کے مختلف حصوں سے مال غنیمت یہاں آتا رہا، اور مسلمان چین وسکون، عدل و انصاف اور وسعت قلب ونظر کے ساتھ رہے)

آپ کے دور حکومت میں وہ اجتماعیت - جو آپ پر قائم ہوئی تھی - آپ کے تاحیات قائم رہی، دشمن سے جہاد جاری رہا، اللہ کا کلمہ بلند ہوتا رہا، اور مال غنیمت سلطنت کے اطراف سے بیت المال میں آتا رہا، اور مسلمانوں نے راحت وآرام اور عدل وانصاف سے زندگی بسر کی۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے منہاج السنہ جلد دوم صفحہ ۲۸۳ میں اس دور حکومت کی خصوصیت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ:

"آپ تالیف قلب، عدل وانصاف اور حقوق کی ادائیگی میں خاص احتیاط برتتے تھے"۔

علامہ ابن تیمیہ نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ:

"کانت سیرة معاویة مع رعیته من خیار أمیر الولاة و کان رعیته یحبونه، وقد ثبت فی الصحیحین عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال خیار ائمتکم الذین تحبونهم ویحبونکم وتصلون علیهم ویصلون علیکم"(۲)

---

(۱) البدایہ والنہایہ، جزء ثامن تذکرۃ معاویۃ بن أبی سفیان (۲) منہاج السنۃ جلد سوم ص:۱۸۹

کہ حضرت معاویہؓ کا برتاؤ اپنی رعایا کے ساتھ بہترین حکمران کا برتاؤ تھا، آپ کی رعایا آپ سے محبت کرتی تھی، اور صحیحین بخاری و مسلم میں یہ حدیث ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے امراء میں سب سے بہتر امیر وہ ہیں کہ تم ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے اور تم ان پر رحمت بھیجتے ہو اور وہ تم پر۔

چند نمایاں اوصاف

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت کا جائزہ لینے پر جو چند نمایاں اوصاف ظاہر ہوتے ہیں ان میں ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق و شیفتگی، اعلیٰ درجہ کی ذہانت اور بصیرت، حلم، بردباری، نرم خوئی، عفو و درگذر، حسن اخلاق، اتباع سنت یہاں تک کہ حضرت ابوالدرداء فرماتے ہیں جیسا کہ مجمع الزوائد (ج/ ۹ ص/ ۳۵۷) سے معلوم ہوتا ہے کہ ''میں نے نماز پڑھنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اتنا مشابہ کسی کو نہیں پایا جتنے حضرت معاویہؓ آپ سے مشابہ تھے'' اس کے علاوہ خشیت و اطاعت، علم و تفقہ، سخاوت، مہمان نوازی، صلہ رحمی وغیرہ ہیں۔

کچھ حضرت معاویہؓ کے متعلق

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رقم طراز ہیں:

''تاریخی حقائق اور خاص طور پر اس پیچیدہ اور مبہم دور کو سامنے رکھتے ہوئے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد پیش آیا اور اسلامی معاشرہ پر اندرونی و بیرونی بدلتے ہوئے حالات کا جو رد عمل ہوا، ان سب کا جائزہ لینے سے جو بات نظر آتی ہے، وہ یہ کہ حضرت معاویہؓ کو لوگوں کی نفسیات پہچاننے کا ملکہ، اور عرصۂ دراز تک حکومت کرنے کا جو تجربہ تھا، اس نے ان کو یقین دلایا کہ اس وقت کے اسلامی معاشرہ کی قیادت اور وسیع اسلامی مملکت کی سربراہی (جس کے عناصر میں تنوع پیدا ہو چکا تھا، اور جس کو چند در چند مسائل

ومشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا) خلافت راشدہ کے ان خطوط پر قائم نہیں رکھی جاسکتی، جن پر خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم چلتے رہے، اور جن کو پوری طاقت سے نباہتے رہے، حضرت معاویہؓ اس بات پر مطمئن ہوگئے کہ وقت کا تقاضا یہی ہے کہ اسلامی مملکت کو خطرات سے محفوظ رکھا جائے، امن وامان قائم رہے، غزوات وفتوحات کا سلسلہ جہاں تک جاری رہ سکتا ہے، اس کو جاری رکھا جائے، اور اس کی خاطر اگر ایک شخصی موروثی مگر عادل حکومت قائم ہوجائے تو کوئی حرج نہیں ہے، حکومت اسلامی تعلیمات کی تابع ہو، اگر اس میں لچک ہو اور شریعت کا پاس واحترام بھی امکانی حد تک قائم رہے، حکومت کے انتظامیہ اور حکومت چلانے کے طریقے اور لوگوں سے معاملہ کرنے کے اصول میں توسع سے کام لیا جائے، اگر ضرورت وحالات اس کے متقاضی ہیں تو اس میں کوئی نقصان نہیں ہے، تو مملکت دائرہ اسلام سے باہر نہیں جائیگی، (جس کی نوعیت اب تک ایک بڑی سلطنت کی ہوچکی ہے، اور وہ مختلف نسلوں، تہذیبوں اور مذاہب کے ماننے والے عناصر پر مشتمل ہے) ہوشیاری اور لچک کے ساتھ معاملات سلجھائے جائیں اور جو مشکلات سامنے آئیں، ان کو حل کرنے میں حکمت عملی اور مصلحت وقت سے مدد لی جائے، وقت ومقام کے اختلاف کو پیش نظر رکھا جائے، لہٰذا انھوں نے اپنی حکومت ایک مسلمان فوجی وانتظامی سربراہ کی حیثیت سے قائم کرلی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پیش گوئی بھی فرمادی تھی:

"خلافة النبوة ثلاثون سنة ثم يعطى الله الملك (أو ملكه) من يشاء"(۱)

---

(۱) سنن أبوداؤد، کتاب السنة، باب الخلفاء

خلافت علی منہاج النبوۃ تیس سال رہے گی، اس کے بعد اللہ ملک جس کو چاہے گا دیدے گا، ایک روایت میں ہے، اپنا ملک جس کو چاہے گا دیدے گا۔

حضرت معاویہ کو خود بھی اس کا دعویٰ نہ تھا کہ ان کی حکومت خلفائے ثلاثہ (حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم) کی خلافت کی طرح ''خلافت راشدہ'' ہے وہ صفائی کے ساتھ فرماتے تھے، کہ وہ ایک حاکم اور والی سلطنت ہیں، البتہ ان کے بعد جو حکام اور والیان سلطنت آئیں گے ان کے طرز عمل کو دیکھ کر ان کی قدر آئے گی، اور کھلا فرق محسوس ہوگا''۔(۱)

مشہور مؤرخ مسعودی نے ان کے روز کے معمول کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''ان کے یہاں دن رات میں پانچ مرتبہ اذن عام تھا وہ صبح نماز فجر سے فارغ ہوتے تھے، تو بیٹھ جاتے اور پچھلے حوادث وواقعات کی داستان سنتے، پھر دولت خانہ تشریف لے جاتے، اور قرآن مجید کے ایک پارہ کی تلاوت کرتے، پھر مکان پر جا کر انتظامی ہدایات دیتے، پھر چار رکعت پڑھتے اور خواص الخواص کو آنے کی اجازت ہوتی، اور ان سے تبادلۂ خیال کرتے، پھر مشیران سلطنت حاضر ہوتے اور اس دن کے کرنے والے کاموں کی اطلاع دیتے، پھر کچھ ناشتہ فرماتے، پھر ایک بار گھر جا کر باہر تشریف لے آتے، مسجد میں کرسی لگادی جاتی اور آپ کے پاس کمزور، بادیہ کا رہنے والا اعرابی، بچہ، عورت اور بے کس ولاوارث آدمی آتا، آپ فرماتے اس کا لحاظ و احترام کرو، کوئی کہتا: میرے ساتھ زیادتی ہوئی، آپ فرماتے: اس کے

---

(۱) البدایہ والنہایہ: ۸/۱۴۶-۱۵۳، دار الفکر العربی، مصر

معاملہ کی تحقیق کرو، جب کوئی باقی نہ رہتا تو مجلس سے اٹھتے، چارپائی پر بیٹھ جاتے اور فرماتے: لوگوں کو ان کی حیثیت کے مطابق آنے دو۔
جب سب بیٹھ جاتے تو فرماتے کہ ''صاحبو! ان لوگوں کی ضروریات ومسائل کو ہم تک پہونچایا کرو جو خود نہیں پہنچ سکتے، اسی لیے اللہ نے تم کو اعزاز بخشا ہے، پھر ہر ایک کے معاملہ اور ضرورت کے مطابق ہدایات دیتے، روزانہ کا یہی معمول تھا''۔(۱)
اس سب کے ساتھ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ خلافت کے معاملے میں حق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ تھا۔(۲)
شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے بھی صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ ''علی بن ابی طالبؓ اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے، وہ مقابل جماعت کے مقابلہ میں برسر حق اور افضل تھے۔(۳)
اس میں شک نہیں کہ حضرت معاویہؓ کے عہد میں اسلام اور مسلمانوں کو فتح وغلبہ حاصل ہوا، اسلام کو فتحمندیاں حاصل ہوئیں اور اس کا دائرہ بڑھا، حضرت معاویہؓ نے غزوات کا سلسلہ جاری رکھا، اور فتوحات کا سلسلہ بری وبحری راستوں سے وہاں تک پہونچایا جہاں مسلمان فاتحین کے قدم پہلے نہیں پڑے تھے، ان کی فتوحات بحر اوقیانوس (اٹلانٹک) تک پہنچ گئیں، ان کے مصر کے گورنر نے سوڈان کو اسلامی مملکت میں شامل کرلیا، ان کے زمانہ میں بحری بیڑے کثرت سے تیار ہوئے، ان کو اس بات کا خاص اہتمام تھا، یہاں تک کہ ان بیڑوں کی تعداد سترہ سو تک پہنچ گئی، سب کشتیاں ہتھیار اور سپاہیوں

---

(۱) مروج الذہب ومعادن الجوہر از المسعودی جلد دوم، ص: ۵۱-۵۲، المطبعۃ الازہریۃ مصر ۱۳۰۳ھ
(۲) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء (فارسی) از: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، جلد دوم، ص: ۲۷۸-۲۸۰
(۳) مجموعۃ فتاوی شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ، جلد ۴، ص: ۴۳۳، مطبوعہ مکتبہ المعارف الرباط المغرب

سے بھرپور تھیں، ان بحری بیڑوں کو وہ مختلف سمتوں میں روانہ کرتے اور وہ کامیاب ہوکر واپس آتے، ان کے ذریعہ متعدد علاقے فتح ہوئے، جن میں جزیرۂ قبرص (CYPRUS) اور یونان اور درد نیل کے بعض جزیرے اور جزیرۂ رودس (RODES) بھی شامل ہے، خشکی کے علاقوں کو فتح کرنے کے لیے انھوں نے ایک فوج تیار کی تھی، جو جاڑوں میں جاکر حملہ آور ہوتی جس کو ''الشواتی'' کہتے تھے، دوسرا دستہ تھا جو گرمیوں میں حملہ کرتا اس کا نام ''الصوائف'' تھا، یہ غزوات مسلسل جاری تھے، اور مسلمانوں کی سرحدیں دشمنوں سے محفوظ تھیں ۴۹ء میں حضرت معاویہؓ نے ایک بڑی فوج تیار کی تھی کہ وہ قسطنطنیہ پر بحری اور بری دونوں طرف سے حملے کرے، مگر چونکہ اس کی شہر پناہ بہت مضبوط اور وہاں تک پہنچنا دشوار تھا، اور چونکہ یونانی آتشیں حملہ نے ان کے بیڑوں کو تباہ کردیا تھا، اس لیے وہ حملہ کامیاب نہ ہوسکا، اور قسطنطنیہ فتح نہیں ہوا، اس فوج میں شریک حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، سیدنا ابوایوب انصاریؓ اور یزید بن معاویہ بن ابی سفیانؓ تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے میزبان حضرت ابوایوب انصاریؓ کی وفات اسی شہر پناہ کے حصار کے زمانہ میں ہوئی، اور ان کی تدفین شہر پناہ کے قریب عمل میں آئی، حضرت معاویہؓ ہی کے زمانہ میں اور ان ہی کی حکومت کے زمانہ میں مسلمان قائد عقبہ بن نافع افریقہ میں داخل ہوئے اور قبائل بربر میں جو لوگ اسلام لائے وہ ان کی فوج سے آکر مل گئے، اور قیروان میں اپنا ایک مرکز اور فوجی چھاؤنی بنالی، اور کثیر تعداد میں بربری اسلام لائے اور مسلمانوں کی حکومت کا رقبہ بڑھ گیا۔(۱)

---

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تاریخ الامم الاسلامیۃ (الدولۃ الأمویۃ از شیخ محمد الخضری بک، ج:۱/۱۱۴-۱۱۵)

حضرت معاویہؓ میں بہت سی ایسی خوبیاں تھیں جس سے ان کی اسلام اور مسلمانوں سے محبت کا پتہ چلتا ہے، اور یہ کہ وہ دینی ڈھانچہ کو باقی رکھنا چاہتے تھے، اور اس کا دفاع کرتے تھے، ان کی دور بینی اور انتظامی امور میں حکمت کے علاوہ ان کے اندر دین کی حمیت اور اسلام اور مسلمانوں کی مصلحتوں کو اگر ضرورت پڑے تو ترجیح دینے کا بھی جذبہ تھا، ان کا ایک کارنامہ اس موقع پر قابل ذکر ہے، جس سے ان کی بلندی کردار اور دین کی حمیت کا پتہ چلتا ہے جس کو بہت سے مؤرخین نے ذکر کیا ہے، جن میں ابن کثیر بھی ہیں، ابن کثیر نے لکھا ہے کہ:

''شہنشاہ روم نے حضرت معاویہؓ کو ملانے کی خواہش ظاہر کی چونکہ ان کا اقتدار رومی سلطنت کے لیے خطرہ بن چکا تھا، اور شامی فوجیں اس کی افواج کو مغلوب کر کے ذلیل کر چکی تھیں، اس لیے اس نے جب یہ دیکھا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ سے جنگ میں مشغول ہیں، وہ بڑی فوج کے ساتھ کسی قریب کے ملک میں آیا اور معاویہؓ کو لالچ دی، تو حضرت معاویہؓ نے اس کو لکھا:۔

بخدا اگر تم نہ رکے، اور اے لعین! اگر تو اپنے ملک واپس نہ گیا تو ہم اور ہمارے چچازاد بھائی (علیؓ) دونوں آپس میں مل جائیں گے اور تجھ کو تیرے تمام قلمرو سے خارج کر دیں گے اور روئے زمین کو (اس کی وسعت کے باوجود) تجھ پر تنگ کر دیں گے، یہ سن کر شاہ روم ڈر گیا اور جنگ بندی کی اپیل کی''۔(۱)

یہ امر فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ حضرت معاویہ ابن ابی سفیان رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کے ایک ممتاز فرد ہیں، ان کے مناقب میں حدیثیں وارد ہوئی ہیں، جو لوگ ان پر زبان طعن

---

(۱) البدایہ والنہایہ: ۸/۱۱۹

دراز کرتے ہیں، اوران کے سلسلہ میں بے باکی اور زبان درازی سے کام لیتے ہیں ان کواس امر کا پاس ولحاظ ہونا چاہئے کہ وہ ایک ایسے صحابی ہیں جن کو قرابت کا شرف بھی حاصل ہے۔

امام ابوداؤد نے حضرت ابوسعیدؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

"لاتسبوا أصحابی والذی نفسی بیده لو انفق احدکم مثل أحد ذهبا ما بلغ مد أحدهم ولا نصیفه"

(میرے صحابیوں کی برائی نہ کرو، قسم اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگرتم میں سے کوئی احد کے برابر بھی سونا اللہ کی راہ میں دیدے تو ان کی برابری کیا ان کے نصف درجہ کو بھی نہیں پاسکتا)

امام ابوداؤد نے حضرت ابوبکرہؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا:

"قال رسول الله صلی الله علیه وسلم للحسن بن علی ان ابنی هذاسید وانی أرجوا ان یصلح الله به بین فئتین من أمتی"

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ میرا یہ فرزند سردار ہے مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ میری امت کے دوگروہوں میں صلح کرائے گا)

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"لعل الله أن یصلح به بین فئتین عظیمتین"

(امید ہے کہ اللہ کے ان کے ذریعہ دو بڑے گروہوں میں صلح کرا دے گا)

دیلمی نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ

انھوں نے فرمایا:

"سمعت عليا يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:"لا تذهب الأيام والليالي حتى يملك معاوية"

(میں نے حضرت علیؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے دن رات کے تسلسل کا قصہ اس وقت تک ختم نہ ہوگا جب تک کہ معاویہؓ برسر حکومت نہ آجائیں گے)

آجری، کتاب الشریعہ میں عبدالملک بن عمیر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اے معاویہؓ! اگر تم کو حکومت مل جائے تو اچھی حکومت کرنا اس وقت سے مجھے خلافت کے حصول کی تمنا تھی''۔

ام حرام کی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"أول جيش من أمتي يغزون البحر قد اوجبوا"

(پہلی فوج جو سمندری، علاقہ پر حملہ آور ہوگی اس میں حصہ لینے والوں کی نجات اور بخشش ہے)

اور پہلا شخص جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں بحری راستہ سے جہاد کو نکلا وہ حضرت معاویہؓ تھے، ام حرام اس فوج میں تھیں، اور سمندر عبور کرنے کے بعد ان کی وفات ہوئی ہے۔

یہ بات ثابت ہے کہ حضرت معاویہؓ کو رسول اللہ ﷺ نے اپنا کاتب بنایا تھا اور آپ اپنا کاتب اس کو بناتے تھے جو عدل وامانت کے صفات سے متصف ہو، حضرت معاویہؓ اپنے بارے میں کہتے ہیں:

"لست بخليفة ولكني اول ملوك الاسلام وستجربون الملوك بعدي"

(میں خلیفہ نہیں ہوں لیکن اسلام میں پہلا بادشاہ ہوں اور میرے بعد تم کو دوسرے بادشاہوں کا تجربہ ہو جائے گا)

حضرت معاویہؓ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند موئے مبارک تھے، انھوں نے وصیت کی تھی کہ ان بالوں کو ان کے مرنے کے بعد ان کی ناک کے اندر رکھ دیا جائے۔

وہ خلافت کے بعض ایسے اصول ومقاصد سے واقف تھے، جن کو وہ عمل میں نہ لاسکے اس لیے کہ کہ زمانہ بدل چکا تھا، اور حالات وماحول کے تقاضے، مملکت کی وسعت، ذمہ داریوں کی کثرت، وقتی مسائل کی مشکلات اور سربراہ حکومت کی نازک ذمہ داریاں (ان کے نزدیک) اس کی متحمل نہ تھیں، جو لوگ ان گہری اور وسیع تبدیلیوں اور زمانہ کے عظیم فرق سے واقف ہیں، وہ ان کو کسی حد تک معذور قرار دیں گے، اور فیصلہ کرتے وقت حالات اور ماحول کی تبدیلی کو نظر میں رکھیں گے۔"(۱)

وفات

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو آخر عمر میں لقوہ ہو گیا تھا اور ان کو اپنے قرب ولقاء رب کا اندازہ ہو گیا تھا، اس بات کا اندازہ ان کے بعض اقدامات اور وصیتوں سے نہ صرف خواص امت عام مسلمانوں کو بھی کسی قدر ہو چلا تھا، اگرچہ عجلت میں ان کے بعض اقدامات سے سب کو اتفاق نہ تھا، لیکن امت کی اجتماعیت اور مفاد کے پیش نظر اور بعض دوسری مصلحتوں کو دیکھتے ہوئے، سوائے چند الوالعزم لوگوں کے اکثر

(۱) المرتضیٰ: ۳۱۶-۳۲۴، ط: مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ ومجلس نشریات اسلام، کراچی

نے سکوت اختیار کیا اور پھر اتفاق بھی کرلیا تھا، ۲۲/ رجب ۶۱ھ میں دمشق میں ۸۶ سال کی عمر میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی اور ان کی نماز جنازہ ایک دوسرے صحابی رسول حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ نے پڑھائی جوان کے بڑے معتمد اور ایک طرح سے نائب کی حیثیت رکھتے تھے، ان کی وفات سے اسلام اور مسلمانوں کا بعض حیثیتوں سے ایسا خسارہ ہوا جس کی تلافی نہ ہوسکی، البتہ یہ ان کی صفت انابت تھی کہ وہ آخر عمر میں فرمایا کرتے تھے جیسا کہ علامہ ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ

"لیتنی کنت رجلا من قریش بذی طوی ولم أل من هذا الأمر شیئا"(۱)

(کاش میں ذی طوی میں ایک قرشی فرد ہی کی طرح رہتا اور یہ ذمہ داری نہ لیتا)

(۱) جامع الاصول: ۱۱/ ۱۷۵، ط: قطر

ترجمان القرآن

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

(وفات ۶۸ھ)

ولادت وتحنیک

حبر الامہ، فقیہ العصر، امام المفسرین (۱) ترجمان القرآن (۲) بحر العلوم (۳) ابو العباس عبداللہ بن عباس بن عبدالملک بن ہاشم الہاشمی ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقعہ ہجرت سے تین سال قبل شعب بنی ہاشم میں پیدا ہوئے، اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ۱۳ رسال اٹھائی، حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ جن کا اسلام ابھی تک ظاہر نہیں ہوا تھا مگر انہیں اپنے محبوب بھتیجے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی عقیدت اس وقت سے تھی جب سے آپ کی بعثت ہوئی تھی اور اسلام کی دعوت دینا شروع کی تھی، حضرت ابن عباس کی پیدائش سے قبل ہی دعا کے لیے عرض کر دیا تھا اور پیدا ہونے پر خدمت میں پیش کیا اور تحنیک کرائی، اسی طرح رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ریق مبارک سب سے پہلے ان کے منہ میں گیا جس کی برکات

---

(۱) یہ تینوں خطابات امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں دیئے ہیں۔

(۲) یہ خطاب علامہ ابن کثیر دمشقی نے تاریخ میں واقعات ۶۸ھ میں دیا ہے۔

(۳) امام ذہبی نے سیر میں البحر کا بھی خطاب دیا ہے۔

اس طرح ظاہر ہوئیں کہ وہ بڑے ذہین فطین شروع سے ہی واقع ہوئے تھے۔

والد ماجد حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کو بہت چاہنے والے چچا تھے، حضور ﷺ انہیں بہت عزت دیتے اور باپ جیسے احترام کا معاملہ کرتے تھے، "عم الرجل صنو أبيه" ارشاد فرما کر ان کے مقام کو اور بلند کیا، حالانکہ انہوں نے اپنا اسلام بہت بعد میں ظاہر کیا، اور پھر اسلام کی پناہ لے کر رؤساء قریش اور بعض دوسرے لوگوں کی نجات کا ذریعہ بنے جن میں حضرت ابوسفیان بن حرب بن امیہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں، اسلام کی حمایت ونصرت اور رسول اللہ ﷺ کے دفاع میں شروع سے حکیمانہ انداز سے عمل پیرا رہے، ان کی اہلیہ حضرت لبابہ بنت الحارث الہلالیہ رضی اللہ عنہا پہلے ہی ایمان لے آئی تھیں، جب کہ بہت تھوڑے لوگ اس شرف سے مشرف ہوئے تھے، بنو العباس دس تھے، جن میں سب سے بڑے حضرت فضل تھے، جن سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کنیت رکھتے تھے، پھر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ پھر حضرت عبید اللہ، پھر حضرت معبد، پھر حضرت قثم پھر حضرت عبدالرحمٰن پھر حضرت کثیر پھر حضرت حارث، پھر حضرت عون پھر حضرت تمام، یہ سب سے چھوٹے تھے، جنہیں حضرت عباس اٹھاتے اور کہتے:

تموا بتمام فصاروا عشرة

يا رب فاجعلهم كراما بررة

واجعل لهم ذكرا وأتم الثمرة

حضرت فضل نے راہ دین میں شہادت پائی، حضرت عبد اللہ بن عباس نے طائف میں وفات پائی، عبید اللہ یمن میں، معبد اور عبدالرحمٰن افریقہ میں، کثیر ینبع میں، اور حضرت قثم بن عباس سمرقند راجح قول کے مطابق مدفون ہیں۔

اولاد واخلاف

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اولاد ونسل میں اللہ تعالیٰ نے بڑی برکت اور خلافت وحکومت عطا فرمائی، ان کے صاحبزادگان عباس، علی، محمد، فضل، عبد اللہ اور دو صاحبزادیاں لبابہ اور اسماء تھیں، صاحبزادگان میں علی بڑے ہی عبادت گزار تھے، کثرت سجود وصلاۃ کی وجہ سے ان کا نام ''سجاد'' پڑ گیا تھا، عباسی خلفاء انہیں کی اولاد میں ہوئے ہیں۔

موالی میں حضرت عکرمہ، کریب، ابومعبد اور شعبہ، دقیق، ابوعمرہ، ابوعبید اور مقسم کے نام زیادہ نمایاں اور ممتاز ہیں، حضرت عکرمہ مولی ابن عباس علم وفضل میں آپ کے پورے جانشین کہے گئے۔

ان کے علاوہ آپ سے علوم ومعارف قرآن وحدیث اور مسائل فقہ میں کسب فیض کرنے والے ممتاز لوگوں میں حضرت سعید بن جبیر، حضرت مجاہد، امام شعبی، حضرت طاؤس، حضرت حسن بصری، حضرت میمون بن مہران، امام مسروق، حضرت ابووائل شقیق بن سلمہ، حضرت ابن ابی ملیکہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور ایک ہزار چھ سو ساٹھ حدیثیں آپ سے مروی ہیں۔

وفات

۷۲/ سال کی عمر میں طائف میں وفات پائی، اور وہیں مدفون ہوئے، آخر عمر میں بینائی چلی گئی تھی، جس کا اثر آپ کی صحت پر پڑا تھا، بدن دوہرا تھا اور بڑے ہی خوبصورت تھے۔

دربار نبوت میں تعلیم وتربیت

والدہ ام الفضل لبابہ بنت الحارث الہلالیہ تھیں، جو کہ ام المؤمنین حضرت میمونہ بنت الحارث کی بہن تھیں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قربت

کا موقع اس رشتہ سے مزید ملا، وہ چھوٹی عمر کے تھے اپنی خالہ معظمہ کے پاس جاتے کہ میں آج رات آپ کے پاس گذاروں گا، وہ کہتیں بستر ایک ہی ہے کیسے سوؤ گے؟ وہ کہتے: ہم اپنے ازار (تہبند) کو بستر بنالینگے، اسی طرح ان کی آمد ورفت بکثرت رہی، اور خدمت کی سعادت ملتی، خود ان کا بیان ہے (راوی حضرت سعید بن جبیر ہیں) کہ:

"بت فی بیت خالتی میمونة فوضعت للنبی صلی الله علیه وسلم غسلاً، فقال: من وضع هذا؟ قالوا: عبد الله، فقال: اللهم علمه التأویل وفقهه فی الدین"(۱)

(میں نے اپنی خالہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں رات کو قیام کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وضو کا پانی رکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ کس نے رکھا؟ گھر والوں نے کہا عبداللہ نے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ اس کو تاویل کا علم اور تفقہ فی الدین عطا فرما)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دوبار حکمت کی دعا دی ہے۔

علمی مقام ومرتبہ اور مرجعیت

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بلایا، قریب کیا اور وہ کہہ رہے تھے، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود دیکھا ہے کہ ایک روز تم کو بلایا، پھر تمہارے سر پر ہاتھ پھیرا، اور تمہارے منہ میں پھونک ماری، اور فرمایا: "اللهم فقهه فی الدین وعلمه التأویل"(۲)

یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اکابر صحابہ کی موجودگی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو ترجیح دیتے تھے، اور ان سے اہم معاملات میں مشورہ

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۳/ ۳۳۷ (۲) سیر اعلام النبلاء ۳/ ۳۳۷-۳۳۹

کرتے تھے، حالانکہ کہ ان کے والد حضرت عباس بن عبد المطلب بھی ہوتے اور وہ تعجب کرتے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑوں کی موجودگی میں انہیں اتنی اہمیت کیوں دیتے ہیں۔(۱)

علامہ ابن عبد البر اندلسی لکھتے ہیں:

"کان عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ یحبہ ویدنیہ ویقربہ ویشاورہ مع أجلة الصحابة"

(حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ انھیں چاہتے تھے اور قریب رکھتے تھے اور اجلہ صحابہ کی موجودگی میں ان سے مشورہ کرتے)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہیں:

"نعم ترجمان القرآن ابن عباس"

(بہترین ترجمان القرآن ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں)

حضرت اعمش اپنے استاد شقیق ابو وائل سے نقل کرتے ہیں کہ زمانہ حج میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا، سورہ نور سے آغاز کیا، پڑھتے جاتے اور تفسیر کرتے جاتے، میں کہنے لگا کہ میں نے اس جیسے شخص کا کلام نہ دیکھا نہ سنا، اور اگر اہل فارس و روم اور ترک سن لیتے تو لامحالہ ایمان قبول کر لیتے۔

حضرت عمرو بن دینار رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی مجلس نوع بہ نوع علوم و فنون کی گہر بار مجلس ہوا کرتی تھی جہاں حلال و حرام، زبان و ادب، تاریخ و انساب، شعر و سخن، سبھی کچھ ہوتا، تبحر علمی اور رسوخ کا یہ حال تھا کہ قاسم بن محمد کہتے ہیں میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مجلس میں باطل کو سر اٹھاتے نہیں دیکھا، اور ان کے فتوے سے زیادہ سنت سے

---

(۲) اس خصوصیت کو علامہ ابن عبد ربہ اندلسی نے العقد الفرید میں بیان کیا ہے۔

قریب کوئی دوسرا نہیں دیکھا، ان کے ہم نشین انہیں ''بحر'' اور ''حبر'' کا خطاب دیتے تھے۔''

ان کو بڑا صاحب النظر، سنت کا سب سے بڑا عالم، اور نہایت صائب الرائے سمجھا جاتا تھا، حطیہ شاعر نے جب انہیں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی مجلس میں فائق و غالب دیکھا تو بے ساختہ کہا کہ یہ کون ہے جو لوگوں پر اپنے علم میں تو بازی لے گیا لیکن عمر میں پیچھے ہے، لوگوں نے کہا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہیں، اسی وقت اس نے ان کی منقبت میں اشعار کہے:

إنـــي وجـــدت بيـــان الـــمـــرء نـــافـــلة
تهـــدى لـــه ووجـــدت العـــى كـــالـــصـــمـــم
والـــمـــرء يـــفـــنـــى و يـــبـــقـــى ســـائـــر الـــكـــلـــم
و قـــد يـــلام الـــفـــتـــى يـــومـــاً و لـــم يـــلـــم

(میں نے دیکھا کہ زور بیاں انسان کے لیے ایک تحفہ ہے، جو حق تعالیٰ کی طرف سے انعام کیا جاتا ہے، جب کہ یہ نہ ہو تو اس میں اور بہرے میں کوئی فرق نہیں، انسان فنا ہو جاتا ہے اور اس کی ساری باتیں باقی رہتی ہیں، کبھی نادانی میں اس کو ملامت بھی کی جاتی ہے، جب کہ وہ قابل ملامت نہیں ہوتا)

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ان کے فضل و کمال کا اعتراف کیا اور نذرانہ عقیدت گلہائے محبت میں ڈھال کر پیش کیا:

إن ابـــن عبـــاس بـــدا لك وجهـــه
رأيـــت لـــه فـــى كـــل أحوالـــه فـــضـــلا
ســـمـــوت الـــى الـــعـــلـــيـــا بغيـــر مشـــقـــة
فـــنـــلـــت ذراهـــا لا دنيـــاً و لا وغـــلا

حضرت معاویہؓ جب انہیں گفتگو کرتے دیکھتے تو نگاہیں ان سے ہٹنے کا نام نہ

لیتیں، انہوں نے بھی بے ساختہ اشعار کہے، اور بھی لوگوں نے جو ان کے عہد کے با کمال حضرات تھے ان کے فضل و کمال کا نثر و نظم میں اعتراف کیا ہے، جن میں سے بعض کی طرف علامہ ابن عبدالبر نے اشارہ بھی کیا ہے۔(۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعائیں انہیں دی ہیں وہ پوری اپنی کمال کفیت و درجہ کے ساتھ مقبول بارگاہ ایزدی ہوئیں۔

علامہ ابن عبدالبر اندلسی لکھتے ہیں:

"اللهم علمه الحكمة و تأويل القرآن" (۲) وفي بعض الروايات: "اللهم فقهه في الدين و علمه التأويل" و في حديث آخر: "اللهم بارك فيه، وانشر منه، واجعله من عبادك الصالحين" و في حديث آخر: "اللهم زده علماً و فقهاً وهي كلها أحاديث صحاح"

(میرے اللہ ان کو حکمت عطا فرما، قرآن کی سمجھ عطا فرما، اور بعض روایات میں ہے کہ دین میں تفقہ اور علم کی گہرائی عطا فرما، اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اے اللہ! ان کو مبارک فرما، اور ان کی برکتوں کو عام فرما اور انہیں اپنے نیک بندوں میں شامل فرما اور ایک

---

(۱) ملاحظہ ہو: الاستیعاب: ۳/ ۶۸-۶۹

(۲) سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دعا کی تھی: "ربنا وابعث فيهم رسولا منهم يتلوا عليهم آياتك ويعلمهم الكتاب والحكمة ويزكيهم" (سورہ بقرہ/ ۱۲۹) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو دعا دی: "اللهم علمه الحكمة وتأويل القرآن" گو وہی دعا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مانگی، اسی سے ملتی جلتی دعا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو دی، علامہ شبیر احمد عثمانی اس آیت کی تفسیر میں کتاب و حکمت سے مراد واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "علم کتاب سے مراد معانی و مطالب ضروریہ ہیں، جو عبارت سے واضح ہوتے ہیں، حکمت سے مراد اسرار خفیہ اور رموز لطیفہ ہیں۔"

دوسری حدیث میں ہے کہ اے اللہ! ان کے علم میں اضافہ فرما اور تفقہ عطا فرما اور یہ سب حدیثیں صحیح ہیں)

حضرت جبرئیل علیہ السلام کی زیارت

اور ان کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو بار دیکھا۔(۱)

ایک بار کا واقعہ تو امام ذہبی نے اس طرح بیان کیا ہے کہ امام شعبی کہتے ہیں:

"دخل ابن العباس علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فلم یری عندہ أحداً فقال لہ إنہ عبد اللّٰہ، لقد رأیت عندہ رجلاً، فسأل ابن العباس النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال: ذاك جبریل"(۲)

(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ کے پاس کوئی دکھائی نہیں دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا یہ عبداللہ ہیں، پھر میں نے ان کے پاس ایک شخص کو دیکھا، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ جبرئیل ہیں)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تعلق

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ خصوصی معاملہ تھا اور وہ انہیں علمی معاملات اور مشوروں میں دوسروں پر فوقیت دیتے تھے، اس چیز کو بعض اجلہ صحابہ بھی محسوس کرتے تھے، اور بعض بڑی عمر کے لوگ اپنی ہونہار اولاد کے سلسلہ میں کہتے کہ ان کی ہمت افزائی کیوں نہیں کی جاتی جیسے عبداللہ بن عباس کی کی جا رہی ہے، دراصل حضرت عمر بن الخطاب ان کی ہمت افزائی نہیں کر رہے تھے، بلکہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

---

(۱) الاستیعاب ۳/ ۶۷ (۲) سیر اعلام النبلاء ۳/ ۳۴۱

جو فدائیانہ تعلق تھا اس کے نتیجہ میں وہ آپ صلی اللہ علی وسلم کے ان دونوں عم زاد بھائیوں حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن عباس کو دینی و علمی معاملات میں آگے رکھتے، اور ان کے مشورہ کے بغیر قدم اٹھانا گوارا نہ کرتے، اور یہ بات اس درجہ پہونچی ہوئی تھی کہ ان کا یہ قول محاورہ بن گیا کہ "لولا علی لهلك عمر" جہاں تک حضرت عبداللہ بن عباس کا تعلق ہے ان کے فہم وذکا اور تبحر علمی کا تجربہ حضرت عمرؓ بار بار کر چکے تھے، پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ پر آپ کو اس درجہ یقین تھا کہ اس کے وقوع میں ان کو ادنیٰ تذبذب وتردد نہ تھا، اور ایسا کیوں ہوتا جبکہ انہوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عبداللہ بن عباس کو دعا دیتے ہوئے دیکھا تھا، تو پھر وہ کیوں کر حضرت عبداللہ بن عباس کو نظر انداز کرتے اور بلا وجہ دوسروں کو ان پر ترجیح دیتے، یہ چیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ وہ اس کی ذرا پرواہ نہ کرتے کہ دوسرے کیا کہیں گے، یہاں تک کہ ان کے والد حضرت عباس کے ہوتے ہوئے وہ حضرت عبداللہ کو بلاتے اور اہم امور میں ان کی رائے طلب کرتے، اسی وجہ سے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو ایک روز یہ نصیحت کی کہ:

"یا بنی إن عمر رضی اللّٰہ عنه یدنیك فاحفظ عنی ثلاثاً، لا تفشین له سراً، ولا تغتابن عنده أحداً، ولا یجرین علیك کذباً"(۱)

(بیٹے! حضرت عمر رضی اللہ عنہ یقیناً تمہیں بہت قریب رکھتے ہیں، لہٰذا تین باتوں کا خیال رکھنا، ان کا کوئی راز فاش نہ کرنا، ان کے سامنے کسی غیبت نہ کرنا، اور کبھی جھوٹ مت بولنا)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اس نصیحت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان پر اس درجہ اعتماد و تعلق تھا کہ وہ کسی صورت میں ان کی رائے ومشورہ کو پس پشت ڈال نہیں سکتے تھے، اور اس کے نتیجہ میں کسی کو بھاری نقصان اور کسی کو

---

(۱) سیر اعلام النبلاء ۳/۳۴۶

زبردست فائدہ بھی پہنچ سکتا ہے، لیکن حضرت عبداللہ رائے مشورہ کو ایک بڑی دینی امانت سمجھتے تھے، وہ جو کہتے بہت سوچ سمجھ کر ناپ تول کر اور اس کے تمام پہلوؤں پر نظر رکھ کر کہتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے جو تعلق تھا وہ اتنا گہرا تھا کہ انہیں یہ گوارہ نہ تھا کہ کوئی اس تعلق کو زیادہ سمجھے اور اعتراض کرے، چنانچہ حضرت سعید بن جبیر تابعی جلیل فرماتے ہیں، کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"لا يلومني أحد على حبّ ابن عباس"(۱)

(مجھے کوئی ابن عباسؓ کی محبت کا طعنہ نہ دے)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی اہمیت کو باور کرانے کے لئے ان کی موجودگی میں دوسروں سے کچھ سوالات کرتے اور پھر ان سے کرتے، ان کے جواب سے سارے حاضرین انگشت بدنداں رہ جاتے: سورۂ ﴿ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ. وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجاً. فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّاباً ﴾ کے بارے میں پہلے موجود صحابہ کے سے پوچھا، بعض نے کہا اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس صورت حال میں جب بکثرت لوگ دین میں داخل ہو رہے ہوں، حمد و ثنا بیان کرنے اور استغفار کا حکم دیا ہے، حضرت عمرؓ نے حضرت ابن عباس سے کہا تم کیا کہتے ہو، انہوں نے کہا اللہ نے آپ کو موت کی خبر دی ہے، وہ یہ کہ یہ صورت حال آپ کی وفات کی نشانی ہے، پس اپنے رب کی تسبیح بیان کرو اور استغفار کرو۔(۲) علامہ ابن کثیر نے واقدی کے حوالہ سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے تعلق سے بھی یہ خصوصیت لکھی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ قرآن مجید کی تفسیر بیان کرنے پر آتے تو ایک ایک آیت کی تفسیر کرتے، حضرت حسن بصری کہتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران پڑھتے جا رہے تھے اور ایک ایک آیت کی تفسیر

---

(۱) سیر اعلام النبلاء ۳/۳۴۶ (۲) سیر اعلام النبلاء ۳/۳۴۳

کرتے جاتے، امام حسن بصری اور امام زہری دونوں سے منقول ہے کہ حضرت عمرؓ انھیں "فتی الکہول" کہتے تھے، اور کہتے تھے: "له لسان سؤول و قلب عقول"(۱)

بعض اکابر صحابہ کے ارشادات

امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں بعض اکابر صحابہ کے ارشادات آپ کے مرتبہ ومقام سے متعلق ذکر کیے ہیں، ان میں سے چند اس طرح ہیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"ما رأيت أحداً أحضر فهماً، ولا ألب لباً، ولا أكبر علماً، ولا أوسع حلماً من ابن عباس، لقد رأيت عمر يدعوه للمعضلات فيقول: قد جاء تك معضلة ثم لا يجاوز قوله، و أن حوله لاهل بدر"(۲)

(میں نے کسی کو حضرت عبداللہ بن عباس سے زیادہ حاضر جواب، سمجھ دار اور ذی علم اور حلیم نہیں دیکھا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ مشکل معاملات وامور میں ان کو طلب کرتے تھے اور کہتے کہ یہ پیچیدہ مسئلہ آپ کے لیے آیا ہے پھر جو رائے وہ دیتے اس کو اسی طرح قبول کرتے جب کہ بدری صحابہ موجود ہوتے)

حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"لقد أعطى ابن عباس فهماً، ويقيناً، وعلماً، ما كنت أرى عمر يقدم عليه أحداً"(۳)

(ابن عباس کو فہم وذکاء، حلم ویقین کی دولت حاصل تھی، میں حضرت عمر کو دیکھتا کہ وہ انہیں سب سے آگے رکھتے)

---

(۱) أیضا: ۳/۳۴۵ (۲) البدایۃ والنہایۃ: ۹/۵۹، طبقات ابن سعد: ۲/۳۶۹ میں بھی یہ بات ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ (۳) یہ روایت بھی طبقات ابن سعد میں مذکور ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"هـذا يـكـون حبر هذه الأمة، أرى عقلا، وفهماً، قد دعا له رسول الله ﷺ أن يفقهه فى الدين"

(یہ اس امت کے علامہ ہوں گے، میں انہیں بڑا عاقل وفہیم دیکھتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے ان کو دعا دی تھی کہ انہیں دین کا تفقہ حاصل ہو)

حضرت معاویہ ابن سفیان رضی اللہ عنہ نے آپ کے غلام حضرت عکرمہ تابعی سے حضرت ابن عباس کے متعلق ان کی حیات میں فرمایا:

"مولاك والله أفقه من مات ومن عاش"

(تمہارا مالک تو بخدا جو چلے گئے ان میں بھی اور جو ہیں ان میں بھی تفقہ میں سب سے بڑھا ہوا ہے)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے:

"لو أدرك ابن عباس أسناننا ما عشره منا أحداً"

(اگر ابن عباس ہمارے ہم عمر ہوتے تو ان کا عشر عشیر بھی ہم حاصل نہ کر پاتے)

اور فرماتے:

"ولنعم ترجمان القرآن ابن عباس"

(اور بہترین ترجمان قرآن تو ابن عباس ہیں)

کبار تابعین اور تلامذہ کا اعتراف

حضرت طاؤس کہتے ہیں:

"أدركت نحواً من خمس مأة من الصحابة، إذا ذاكروا ابن عباس فخالفوه، فلم يزل يقررهم حتى انتهوا إلى قوله"

(میں نے پانچ سو صحابہ کی زیارت کی، وہ جب ابن سے تبادلہ خیال کرتے تو ان کی رائے کے خلاف بات کہتے اور ابن عباس ان کو اپنی رائے پر لاتے رہتے، یہاں تک کہ انہیں کی رائے پر سب کا اجتماع ہو جاتا)

حضرت مجاہد کہتے تھے:

"كان ابن عباس يسمى البحر لكثرة علمه"

(حضرت ابن عباس وفور علم کی وجہ سے بحر کہے جاتے تھے)

حضرت مسروق تابعی کہتے ہیں:

"كنت إذا رأيت ابن عباس، قلت أجمل الناس، فإذا نطق قلت: أفصح الناس، فإذا تحدث قلت أعلم الناس"

(میں جب ابن عباس کو دیکھتا سب سے شکیل نظر آتے، جب وہ بولتے تو سب سے فصیح ہوتے، جب وہ حدیث میں پہل کرتے تو میں کہتا یہ سب سے بڑے عالم ہیں)

حضرت قاسم ابن محمد (ابن ابی بکر) کہتے ہیں:

"ما رأيت في مجلس ابن عباس باطلاً قط"

(ابن عباس کی مجلس میں باطل سر نہیں اٹھا سکتا تھا)

حضرت عطاء کہتے ہیں؛

"ما رأيت القمر ليلة أربع عشرة إلا ذكرت وجه ابن عباس رضي الله عنه"

(چودھویں کا چاند ہوتا تو ابن عباس کے روشن چہرہ کا تذکرہ ہوتا)

حضرت عکرمہ کہتے ہیں:

"كان ابن عباس إذا مر في الطريق، قلن النساء على الحيطان: "أمرّ المسك، أم مرّ ابن عباس"(۱)

---

(۱) ملاحظہ ہو: سیر اعلام النبلاء للذہبی، تذکرہ ابن عباسؓ

(حضرت ابن عباس کا راستہ سے جب گذر ہوتا تو عورتیں گھروں پر کہتیں کہ مشک کا گذر ہوا ہے یا ابن عباس کا)

اخلاق

ظاہری و باطنی اخلاق میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بڑے فائق اور ممتاز نظر آتے ہیں، جود وسخا، مہمان نوازی، غریب پروری، اطعام طعام میں وہ اس درجہ بڑھے ہوئے تھے کہ اپنے معاصرین میں ان کا دسترخوان بہت وسیع تھا، ضحاکؒ کہتے ہیں:

"ما رأيت أكثر لحماً و خبزاً من بيت ابن عباس"(۱)

امام ذہبی نے ان کو ان صفات ومحاسن اور فضائل وکمالات کا جامع قرار دیا ہے، جو ایک کامل انسان میں پائی جاتی ہیں، اور ایک مؤمن کامل کی نشاندہی کرتی ہیں، چنانچہ وہ عقل ومعرفت کے ساتھ تزکیہ نفس میں بلند پایہ رکھتے تھے۔

ذہبی لکھتے ہیں:

"و كان وسيماً، جميلاً، مديد القامة، مهيباً، كامل العقل، ذكي النفس، من رجال الكمال"(۲)

(وہ وجیہ وشکیل، دراز قد، بارعب وہیبت، کامل العقل اور ذکی الروح تھے اور اہل کمال میں سے تھے)

جذبہ تعاون اور ہمدردی اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ ایک بار حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور قرض وغیرہ کا ذکر کیا، مقصود حاصل نہ ہوا، بصرہ آئے، اور پھر حضرت عبداللہ بن عباس سے ملے، اور حال بتایا، آپ نے فرمایا، میں ضرور آپ کے ساتھ وہ کروں گا جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا، پھر کہا کتنا قرض ہے؟ انہوں نے فرمایا، بیس ہزار، حضرت ابن عباس نے ان کو چالیس ہزار دئے، اور اسی پر اکتفا نہیں کیا، ساتھ میں بیس

---

(۱) سیر اعلام النبلاء ۳/۳۵۱ (۲) أیضا: ۳/۳۳۳

غلام بھی دئے اور اس کے ساتھ گھر میں موجود تمام چیزیں دے دیں۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے واقعہ جمل کے بعد پچاس راتیں بصرہ میں گزاری تھیں، پھر کوفہ چلے گئے، اور بصرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب بنا کر گئے تھے۔

روزانہ کے معمولات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مسجد کی پابندی خاص طور پر قابل ذکر ہے، سفر و حضر دونوں میں اس کا اہتمام کرتے، قرآن مجید کی تلاوت کے معمول کا شدت سے اہتمام تھا، اور ایک ایک لفظ واضح کر کے ترتیلاً پڑھتے، دوشنبہ اور جمعرات کے روزہ کی مواظبت تھی، اور اس میں اس قدر اہتمام تھا کہ دریافت کیا گیا تو فرمایا:

"لأن الأعمال ترفع فيهما فأحب أن يرفع عملي وأنا صائم"(۱)

(اس لیے کہ ان دونوں دنوں میں اعمال کی پیشی ہوتی ہے، میں چاہتا ہوں کہ میرے اعمال کی پیشی ہو اور میں روزے سے بھی ہوں)

جذبۂ خدمت خلق کو اللہ سے تقرب کا بہت بڑا وسیلہ خیال کرتے تھے، اور اونچے سے اونچے کام پر اس کو ترجیح دیتے، یہاں تک کہ اعتکاف کی حالت میں اسی خاطر باہر نکل گئے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مسجد نبوی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) میں معتکف تھے آپ کے پاس ایک شخص آیا اور سلام کر کے چپ چاپ بیٹھ گیا، حضرت ابن عباسؓ نے اس سے فرمایا کہ میں تمہیں غمزدہ اور پریشان دیکھ رہا ہوں، کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے! میں بیشک

---

(۱) ملاحظہ ہو سیر اعلام النبلاء تذکرہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

پریشان ہوں، کہ فلاں کا مجھ پر حق ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کی اشارہ کر کے کہا کہ اس قبر والے کی قسم میں اس حق کے ادا کرنے پر قادر نہیں، حضرت ابن عباس نے فرمایا: کہ اچھا کیا میں اس سے تیری سفارش کروں؟ اس نے عرض کیا جو آپ مناسب سمجھیں، حضرت ابن عباس یہ سن کر جوتا پہن کر مسجد سے باہر تشریف لائے، اس شخص نے عرض کیا کہ آپ اپنا اعتکاف بھول گئے، فرمایا بھولا نہیں ہوں بلکہ میں نے اس قبر والے (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنا ہے، اور ابھی زمانہ کچھ زیادہ نہیں گزرا، یہ لفظ کہتے ہوئے حضرت ابن عباسؓ کی آنکھوں سے آنسوں بہنے لگے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے کہ جو شخص اپنے بھائی کے کسی کام سے چلے پھرے اور کوشش کرے اس کے لئے دس برس کے اعتکاف سے افضل ہے، اور جو شخص ایک دن کا بھی اعتکاف اللہ کی رضا کے واسطے کرتا ہے تو حق تعالی شانہ اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقیں آڑ فرمادیتے ہیں، جن کی مسافت آسمانوں اور زمین کی درمیانی مسافت سے زیادہ چوڑی ہے۔ (اور جب ایک دن کے اعتکاف کی یہ فضیلت تو دس برس کے اعتکاف کی کیا کچھ مقدار ہوگی)(۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ میں شرم وحیا بھی بہت تھی، ان کے خاص شاگرد بلکہ جانشین حضرت عکرمہ فرماتے ہیں:

"إنه لم يدخل الحمام إلا وحده، وعليه ثوب صفيق، يقول: إني استحي الله أن يراني في الحمام متجرداً"(۲)

(وہ نہانے کی جگہ تنہا جاتے اور کپڑا لپیٹے ہوتے، اور فرماتے مجھے اللہ کا لحاظ آتا ہے کہ وہ مجھے دیکھے اور مجھ پر کپڑے نہ ہوں)

---

(۱) فضائل رمضان ۵۳-۵۴ (۲) سیر اعلام النبلاء ۳/ ۳۵۵

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی صحابہ میں وہ شخصیت ہے جن کے تفسیری نکات پر مستقل کام ہوا ہے، اور تفسیر ابن عباس کے نام سے وہ دنیا میں رائج ہے، ذہبی نے لکھا ہے کہ علامہ ابن حزم نے ''کتاب الاحکام'' میں لکھا ہے کہ ابو بکر محمد بن یعقوب بن مامون نے (جو یکہ از ائمہ اسلام ہیں) فتاوی ابن عباس کو بیس کتابوں میں جمع کیا ہے۔(۱)

۶۸ھ میں ۷۱ رسال کی عمر میں طائف میں وفات پائی، اور دو کرامتیں ظاہر ہوئیں، ایک تو یہ کہ جنازہ کے اندر ایک پرندہ داخل ہوا پھر پتہ نہ چلا کہ کہاں چلا گیا، اس کو ''غرنوق'' بھی کہا گیا ہے، اور تدفین کے بعد قبر پر آیت کریمہ ''يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً'' کی تلاوت سنی گئی، معلوم نہ ہوسکا کہ کون تلاوت کر رہا ہے۔(۲)

وصایا وملفوظات

جندب نام کے ایک شخص نے عرض کیا وصیت کیجئے، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

"أوصيك بتوحيد الله والعمل له واقام الصلوة وايتاء الزكاة فان كل خير أنت آيته بعد ذلك من مقبول، والى الله مرفوع، يا جندب انك لن تزداد من موتك الا قربا، فصل صلاة مودع، واصبح فى الدنيا كأنك غريب مسافر فانك من أهل القبور، وابك على ذنبك وتب من خطئيتك ولتكن الدنيا عليك أهون من شسع نعلك، فكأن قد فارقتها وصرت الى عدل الله، ولن تنتفع بما خلفت ولن ينفعك الا عملك"(۳)

(اللہ کی توحید کے عقیدہ اور اس پر عمل اور اقامت صلوۃ اور ایتاء زکاۃ

(۱) ایضا۔ (۲) ایضا: ۳/ ۳۵۸-۳۵۹ (۳) البدایۃ والنہایۃ: ۹/ ۶۶، ط: قطر

کی وصیت کرتا ہوں، ہر وہ خیر جو تمہیں اس کے بعد پہنچنے والا ہے، وہ اس کے بعد مقبول ہوگا اور وہ اللہ تک پہنچے گا، اے جندب! برابر تم اپنے سفر آخرت سے قریب ہی ہو رہے ہو، (یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ) تم اہل قبور میں ہو، اپنے گناہوں پر نادم ہو اور برائیوں سے توبہ کرو، اور یہ کہ دنیا تمہاری نگاہوں میں جوتے کے تسمہ سے بھی حقیر ہو جائے، گویا تم دنیا کو چھوڑ چکے ہو، اور اللہ کے دربار عدل میں جا چکے ہو، جہاں تمہیں دنیا فائدہ نہ دے گی اور صرف اپنا عمل فائدہ دے گا)

فرمایا:

"لا تكلمن فيما لا يعينك، حتى ترى له موضعا، ولا تمارين سفيها ولا حليما فان الحليم يغلبك والسفيه يزدريك، ولا تذكرن أخاك اذا توارى عنك الا بمثل الذى تحب أن يتكلم فيك اذا تواريت عنه، واعمل عمل من يعلم أنه مجزى بالاحسان مأخوذ بالاجرام"(۱)

(لایعنی مسئلہ میں گفتگو نہ کرو، یہاں تک کہ اس کی جگہ دیکھ لو، بے وقوف سے اور نہ حلیم (بردبار سمجھدار) سے بحث کرو، حلیم اپنے حکم سے تم پر غالب آجائے گا اور بیوقوف تمہاری عزت سے کھلواڑ کرے گا، اپنے بھائی کا جو سامنے نہ ہو وہ تذکرہ کرو جو تم چاہتے ہو کہ تمہاری غیبوبت میں تمہارے متعلق کیا جائے)

اور فرمایا:

"تمام المعروف تعجيله وتصغيره وستره-يعنى أن تعجل العطية للمعطى وأن تصغر فى عين المعطى وأن تسترها عن

(۱) بحوالہ سابق: ۹/ ۶۷

الناس فلا تظهرها- فان فی اظهارها فتح باب الریاء و کسر قلب المعطی و استحیاء ہ من الناس"(۱)

(دوسرے کے سلوک کے بدلہ سلوک و برتاؤ میں یہ ہے کہ اسے جلدی کیا جائے، اور اپنی نگاہ میں کم سمجھا جائے اور اخفاء ہو، اس لیے کہ اظہار میں ریا ہے اور احسان کرنے والے کی دل آزاری ہے، اور لوگوں کے سامنے شرمندگی ہے)

(۱) بحوالہ سابق: ۹/ ۶۷

فارس الخلفاء

امیر المؤمنین حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ

(وفات ۷۳ھ)

مقام وشخصیت:

عظیم القدر صحابی، نواسۂ صدیق اکبر سیدنا ابوبکر وفرزند حواری رسول، فارس الخلفاء امیر المومنین حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ وہ خوش نصیب فرزند ہجرت ہیں جو ہجرت کے بعد سب سے پہلے مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت اسماء ذات النطاقین رضی اللہ عنہا جو ہجرت میں وادی مکہ معظمہ سے کھانا پانی لے کر جبل ثور کی چوٹی پر واقع غار میں پناہ لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے والد معظم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے جاتی تھیں، اور خطرات مول لے کر بڑی دانشمندی سے اپنا کام کر کے پھر واپس آجاتیں۔ یہ سلسلہ تین دن جاری رہا تھا، اسی عظیم ماں کے جیالے فرزند کو کیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ چاہتے جب کہ ان کے والد (باپ) حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ خود اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے اور نہایت چاہنے والے تھے اور ان دس اصحاب میں تھے جن کو ایک ساتھ زندگی میں ہی جنت کی بشارت مل گئی تھی، ان کے یہ فرزند پیدا ہوئے تو والدہ حضرت اسماءؓ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لے

گئیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تحنیک فرمائی (۱) یعنی کھجور کو چبا کر ان کے منہ میں دیا اور اس سے ایسی برکات ان پر ظاہر ہوئیں کہ مختلف اور نوع بہ نوع اوصاف، خصوصیات امتیازات، اور کمالات دینی، علمی وملی کے نہ صرف حامل بلکہ اپنے اسلاف کی میراث کے وارث اور بقیہ اسلاف تھے، بڑے ہی شب بیدار، خوب روزے رکھنے والے، نہایت جری، بہادر اور حق کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے کا عزم وحوصلہ رکھنے والے فرد اور اس جماعت حق کی لازوال نشانی تھے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ورفاقت اور ان کے مشن کو آگے بڑھانے کے لیے چنا تھا۔ امام ذہبیؒ کہتے ہیں:

"عدادهٗ في صغار الصحابة وإن كان كبيرًا في العلم والشرف والجهاد والعبادة"

(کہ ان کا شمار صغار صحابہ (یعنی کمسن صحابہ) میں ہے اگرچہ وہ علم وشرف اور جہاد وعبادت میں کبیر الشان تھے) (۲)

حضرت عروہ (ابن الزبیر) کہتے ہیں کہ:

"لم يكن أحد أحبّ إلى عائشة بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم من أبي بكر وبعده ابن الزبير"

(کہ حضرت عائشہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے محبوب ابوبکر تھے اور ان کے بعد (عبداللہ) ابن الزبیر تھے) (۳)

ملی غیرت اور دینی حمیت:

جب اہل مدینہ کے یزید کی بیعت توڑنے کے نتیجہ میں مسجد نبوی ﷺ میں جو خون خرابہ شامی حکومت اور اس کے نمائندے مسلم بن عقبہ نے کیا تو اہل مکہ کو سخت

---

(۱) انصار کے پہلے مولود حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ تھے ان کی تحنیک بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اور دعا وبشارت دی تھی۔ (تاریخ ابن کثیر ۸/۳۴۳۰)

(۲) سیر اعلام النبلاء ۳/۳۶۴، مؤسسۃ الرسالۃ - بیروت (۳) سیر اعلام النبلاء ۳/۳۷۱

اذیت اور کرب پہنچی، اگر چہ ظاہری طور پر یزیدی اقتدار کو مضبوط کرنے کی یہ ایک ضروری اور بے جا تاویل کے ذریعہ کی جانے والی نامسعود و ناروا کوشش تھی اور اس سے یزید کو خوشی حاصل ہوئی لیکن اس کا نتیجہ اس کے اور اس کے نمائندہ مسلم بن عقبہ دونوں کے حق میں بڑا ہی خراب ہوا، نہ حکومت باقی رہی نہ زندگی نے وفا کی اور یہ سال یزید کا آخری سال ثابت ہوا۔ علامہ ابن کثیر دمشقی نے صحیح لکھا ہے:

"وقد أخطأ يزيد خطأ فاحشًا في قوله لمسلم بن عقبة أن يبيح المدينة ثلاثة أيام وقد وقع في هذه الثلاثة أيام من المفاسد العظيمة في المدينة النبوية ما لا يحد ولا يوصف مما لا يعلمه إلّا الله عزوجل، وقد أراد بإرسال مسلم بن عقبة لتوطيد سلطانه وملكه، ودوام أيامه من غير منازع فعاقبهُ الله بنقيض قصده وحال بينه وبين ما يشتهيه فقصمه الله قاصم الجبابرة وأخذه أخذ عزيز مقتدر "وَكَذٰلِكَ اَخۡذُ رَبِّكَ اِذَا اَخَذَ الۡقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخۡذَهٗۤ اَلِيۡمٌ شَدِيۡدٌ" [هود: ۱۰۲](۱)

(یزید نے مسلم بن عقبہ کو یہ آرڈر دے کر فاش غلطی کی تھی کہ مدینہ میں تین روز تک قتل وغارتگری روا رکھی جائے، ان تین دنوں میں مدینہ کے اندر وہ فتنہ فساد مچا کہ حد بیان سے باہر ہے، جس کو بس اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، مسلم بن عقبہ کو مدینہ بھیجنے سے یزید کا مقصد اپنی حکومت وسطوت کو مضبوطی فراہم کرنا تھا، تاکہ وہ بلافریق حکومت کر سکے، لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت آڑے آئی، اللہ تعالیٰ نے اس کو نامراد کیا اور حالات کو الٹ کر اللہ نے اس کی پکڑ کی، اور اس کی بیخ کنی کی، اور اسی طرح اللہ تعالیٰ بڑے بڑے جابروں کی پکڑ کر کے ان کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے)

---

(۱) تاریخ ابن کثیر: ۸/۳۱۳، ط: قطر ۲۰۱۵ء

اہل مدینہ کے ساتھ برا چاہنے والوں اور برا کرنے والوں کے لیے حدیث کے الفاظ صحیحین (بخاری و مسلم) میں سخت وارد ہوئے ہیں، صحیح مسلم میں بروایت حضرت سعد بن ابی وقاص وحضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی روایت ہے:

"أنّ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من أراد أهل المدينة بسوء أذابه اللّٰه كما يذوب المِلْحُ في المآء"(۱)

(جو اہل مدینہ کا برا چاہے گا اللہ تعالیٰ اس کو اس طرح ناپید کردے گا جیسے نمک پانی میں ناپید ہوجاتا ہے)

مدائنی کہتے ہیں: واقعہ حرہ (یعنی اصل مدینہ کی قتل وغارت گری) کے بعد ایک شب کو مکہ معظمہ میں جبل ابوقبیس پر ایک ندا لگائی گئی جسے حضرت عبداللہ بن الزبیر سن رہے تھے وہ یہ تھی:

قُتِلَ الخِيارُ بَنو الخيار
ذووا المَهَابَة والسَّمَاحِ
وَالصَّائِمُوْنَ الْقَائِمُوْن
أُوْلُو العِبادةِ والصَّلاحِ
اَلْمُهْتَدُوْنَ اَلْمُحسِنون
السَّابِقُوْنَ إلىٰ الْفلاحِ
مَاذَا بواقِمَ وَالبقيع
مِنَ الْجحاجحَةِ الصَّبَاحِ
وبقاع يثربَ وَيُحُهُنَّ
من النَّوادبِ والصياحِ

ترجمہ: نیک لوگ ہلاک ہوگئے، جن کے اسلاف بھی نیک تھے، جو ہیبت دار بھی تھے اور سخی بھی، جو روزہ دار تھے اور شب بیدار تھے، عبادت گذار اور نیکوکار تھے، ہدایت یافتہ اور

(۱) صحيح مسلم كتاب الحج باب من أراد أهل المدينة بسوء أذابه اللّٰه

اہل احسان میں سے تھے، کامیابی وکامرانی کے کاموں میں سبقت کرنے والے تھے، کیا حال ہوا واقم اور بقیع کے روشن چہرے والے سرداروں کا، اب یثرب کے حصوں میں اُن پر نوحہ خوانی اور آہ وبکا کرنے والیوں کا اللہ ہی بھلا کرے۔

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے سنا اور اپنے ساتھیوں سے کہا:

"یا هؤلاء! قُتل أصحابكم، فإنا لله وإنّا إليه راجعون"(۱)

(اے لوگو! تمہارے ساتھیوں کا قتل ہوا ہے، فإنا لله وإنا إليه راجعون)

چناں چہ اہل مدینہ کے حادثہ کی غمناک وصاعقہ اثر خبر نے اہل مکہ کو ہلا کر رکھ دیا، اور انہوں نے اہل شام سے قتال کی تیاری شروع کردی، ادھر اہل مکہ نے حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر بیعت امارت کرلی، یہ واقعات ۶۳ھ کے ہیں۔

محرم الحرام کا آغاز تھا کہ مسلم بن عقبہ نے مدینہ منورہ سے فارغ ہوکر مکہ معظمہ کا رخ کیا تاکہ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کا مقابلہ کرے، اور ان پر کامیابی حاصل کرکے یزید بن معاویہ کی خوشنودی حاصل کرے، باوجودیکہ اسے اپنے عمل پر ناز اور اس قدر غلط فہمی تھی کہ کہہ بیٹھا کلمہ شہادت کے اقرار کے بعد اہل مدینہ سے قتال سے بڑھ کر کوئی نیک عمل میں نے نہیں کیا، اور مجھے یقین ہے کہ اس پر آخرت میں مجھے اچھا بدلہ ملے گا اگر اس کے برخلاف ہوا اور جہنم رسید ہوا تو یقیناً میں شقی ہوں، یہ کہا اور مرگیا، اور ۱۴ر ربیع الاوّل ۶۴ھ کو یزید بھی ہاتھ سے جان دھو بیٹھا، اس طرح وہ نبوی پیشین گوئی صادق آئی جو مدینہ منورہ میں قتل وغارت گری کرنے والوں کے بارے میں وارد ہوئی تھی، مگر افسوس ہے گناہ کی پاداش میں گناہ اور ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ اس ایک حرم کی حرمت کو ختم کرکے دوسرے حرم کی حرمت کو بھی تار تار کرنا چاہا، حضرت عبداللہ بن الزبیر اور اہل مکہ کا شامی فوج نے حصار کیا، اور اس کے لیے منجنیق کا استعمال تک کیا گیا، اور یہ سلسلہ جاری رہا، یزید کے بیٹے معاویہ کو اپنے باپ کے کردار اور روش سے کوئی سروکار نہ تھا، چناں چہ کرسی اقتدار پر آنے کے باوجود اس کو چھوڑ دی، اور پھر زیادہ دن زندہ بھی نہ

(۱) البدایۃ والنہایۃ ۸/۳۱۲-۳۱۳ تحقیق ط. وزارۃ الاوقاف-قطر

رہے اور جب تک اقتدار رہا تو بھی اقتدار سے دور رہے اور ان کی جگہ حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ کاروبار خلافت دیکھتے اور امامت کرتے رہے، ادھر صورت حال یہ ہوئی کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا حجاز مقدس میں اقتدار مضبوط ہو گیا اس لیے کہ اہل مکہ اور اہل مدینہ دونوں ہی ان کے ساتھ اور امویوں کے سخت خلاف ہو گئے تھے، حالاں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے افراد خاندان اور حضرت علی زین العابدین اور ان کے افراد خاندان نے کوئی دوسری بیعت نہیں کی اور کنارہ کش رہے، ادھر شام اور اس کے مضافات میں مروان بن الحکم کا اقتدار مضبوط تھا، گویا وہ صورت حال لوٹ آئی تھی جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے زمانہ کی تھی، اور اہل مکہ نے یزید کی موت کے بعد عمومی بیعت امارت حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی کر لی تھی، اور اہل مدینہ کے لیے انہوں نے اپنے بھائی حضرت عبیداللہ بن الزبیر کو نائب مقرر کر دیا تھا اور ہدایت کی تھی کہ بنوامیہ مدینہ منورہ میں رہنے نہ پائیں، چناں چہ ان سب نے شام میں پناہ لی۔ انہی میں مروان بن الحکم اور ان کے بیٹے عبدالملک بھی تھے۔

بصرہ والوں نے جب رجوع کیا تو حضرت انس بن مالکؓ کو مکتوب روانہ کر کے نماز کی امامت سپرد کی (۱) علامہ ابن کثیر نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی بیعت کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"وبويع في رجب بعد أن أقام الناس ثلاثة عشر بلا إمام"(۲)

(اور (حضرت ابن الزبیر) کے ہاتھ پر بیعت رجب میں کی گئی اس سے پہلے ۱۳ دن بغیر امام کے مسلمان رہے)

اور پھر صورت یہ پیدا ہوئی کہ کوفہ، بصرہ، مصر اور شام کے بھی علاقوں میں حضرت عبداللہ بن الزبیر کی لہر چل پڑی اور ان کے نائبین ان کی امارت وخلافت کی

---

(۱) ابن کثیر تاریخ ۸/۳۳۶ (۲) بحوالہ سابق

بیعت لیتے رہے، سوائے دمشق اور اس کی مضافات اردن وغیرہ کے کہ وہاں کے لوگوں نے مروان بن الحکم کو اپنا امیر وخلیفہ مانا، جب کہ حرمین شریفین میں مقیم مسلمانوں کے سواد اعظم نے حضرت عبداللہ بن الزبیر کو امیر المومنین تسلیم کر لینے اور ان کی بیعت کرنے کی وجہ سے نظام خلافت مضبوط ہو گیا تو خوارج وروافض حسب عادت سوالات قائم کر کے علم تکفیر بلند کرتے ہوئے الگ ہونے شروع ہوئے اور ان کے علاقے بھی کٹتے رہے، اور وہ رسی جس کو تھامنے کی بات کہی گئی تھی وہ ٹوٹنے لگی، جس کا فائدہ امویوں نے اٹھا کر اپنے حامی بڑھانے شروع کیے، صحابی رسول حضرت ضحاک بن قیس الفہری رضی اللہ عنہ جو حضرت معاویہ بن ابی سفیان پھر ان کے جانشین یزید بن معاویہ اور پھر ان کے جانشین معاویہ بن یزید کی نیابت نماز اور دوسرے دینی امور میں کرتے رہے تھے، کی رائے معاویہ بن یزید کے بعد، حضرت عبداللہ بن الزبیر کے حق میں بیعت امارت کی تھی، علامہ ابن کثیر کہتے ہیں:

"فلما اتسعت البيعة لإبن الزبير عزم على المبايعة له، فخطب الناس يومًا"(۱)

(جب ابن الزبیر کی بیعت کا دائرہ وسیع ہو گیا تو انہوں نے بھی بیعت کا عزم کر لیا اور لوگوں کو ایک دن خطاب بھی کیا)

اور یہی نہیں مروان ابن الحکم نے بھی اس کی تیاری بعض شرائط کے ساتھ کر لی تھی، علامہ ابن کثیر کہتے ہیں:

"فعزم مروان بن الحكم على الرحيل إلى ابن الزبير ليبايعه ويأخذ أمانًا منه لبني أمية فإنه كان قد أمر بإجلاء ها عن المدينة فسار حتى وصل إلى اذرعات....."(۲)

(مروان بن الحکم چند شرائط کے ساتھ عبداللہ بن الزبیر سے بیعت

---

(۱) البدایہ والنہایہ ۸/۳۴۰، ط قطر (۲) بحوالہ سابق ۸/۳۴۰، ط: قطر

کرنے پر تیار تھے اور اس کے لیے نکل پڑے تھے کہ بیعت کرلیں گے اور بنوامیہ کے لیے امان حاصل کریں گے کہ انہیں نے بنوامیہ کو مدینہ طیبہ سے باہر کروایا تھا وہ اذرعات (شام کے اطراف میں ایک جگہ) تک پہنچ ہی گئے تھے)

لیکن عبیداللہ بن زیاد اور اس کے جیسے لوگوں نے اس خدشہ سے کہ ایسی صورت میں وہ مامون نہ رہیں گے کہ ان کا تحفظ بنوامیہ کے سایہ تلے ہی ہے، آگے قدم بڑھانے سے پوری طرح باز رکھا اس سلسلہ میں جو کچھ ان کے بس میں تھا وہ اختیار کر کے انہیں واپس دمشق جانے پر مجبور کیا، اور اس طرح اجتماعیت قائم ہونے کا ایک زریں موقع ہاتھ سے چلا گیا، اور مروان بن الحکم کو ہی اموی حکمرانوں کا جانشین چن لیا گیا، اور شام پورے طور پر ان کے زیر اقتدار آ گیا، مگر یہ مدت صرف نو ماہ رہی کہ ان کی وفات ہوگئی۔

یزید نے واقعۂ حرہ یعنی مدینہ منورہ میں صحابہ کے قتل عام کے بعد مسجد حرام مکہ معظمہ کا محاصرہ کیا تا کہ حضرت عبداللہ بن الزبیر کو بیعت کے لیے مجبور کرے۔ منجنیق کا استعمال کیا گیا اور آگ لگائی گئی، منجنیق کا ایک پتھر صحابی رسول حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کو لگا اور وہ شہید ہو گئے۔ جو حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، اسی طرح حمص میں حضرت عبداللہ بن الزبیر کے نائب حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ تھے، شامی بغاوت میں ان کو حمص چھوڑنا پڑا اور ان کو بلوائیوں نے شہید کر دیا، حضرت مصعب بن عبدالرحمٰن بن عوف جو کہ بڑے جوان رعنا مرد صالح اور فاضل وعلام تھے، اور حضرت منذر بن الزبیر کو بھی حرم مکی کے حصار میں شہادت حاصل ہوئی، یزید کے مرنے کے بعد یہ محاصرہ باقی نہ رہا، اس کے صالح فرزند معاویہ کو کاروبار سلطنت سے کوئی دلچسپی نہ تھی اور اس سے وہ گریز کرتے تھے، یہاں تک کہ ان کی بھی وفات ہوئی، گویا امت دو تین ماہ بغیر امیر کے رہی تھی، رجب ۶۴ھ میں حضرت عبداللہ بن الزبیر کے ہاتھ پر بیعت کر لی گئی اور حجاز کے علاوہ مصر وعراق وشام کے علاقوں میں ان کے نائبین نے ان کے ہاتھ پر بیعت لی، اور ان کا سکہ چلنے لگا،

لیکن پھر جب خوارج وروافض اور منافقین نے سر اٹھانے شروع کیے تو اس کا پورا فائدہ امویوں کو ان کے موجودہ سربراہ مروان بن الحکم کے ذریعہ پہنچا۔ اور انہوں نے لوگوں کی ہمدردیاں اپنی طرف لینی شروع کردیں یہاں تک کہ مروان بن الحکم کے بعد عبدالملک ۶۵ھ میں حکمراں ہوئے، اور دھیرے دھیرے ان خطوں کو واپس لینا شروع کیا جو اموی اقتدار میں تھے، اور حجاج ثقفی ان کا کارندہ تھا، جس نے ایسی قتل وغارت گری کی جس کی مثال نہیں ملتی، عبدالملک نے اس کو عراق کا گورنر بنایا اور اس نے حضرت مصعب بن الزبیر کے خون سے اپنی گردن رنگین کی۔

یہ ۷۱ھ کا واقعہ ہے پھر ۷۳ھ میں حضرت عبداللہ بن الزبیر پر ظالمانہ حملہ کیا، کعبہ کی حرمت کو تار تار کیا، اور خود ان کی بے حرمتی کی اور اس کی پاداش میں ایک پر ایک برگزیدہ افراد وشخصیات کا خون اپنے سر لیتا رہا، اور اس غلط فہمی میں رہا کہ وہ صحیح کر رہا ہے۔

کعبۂ مقدسہ کی تعمیر نو (۶۵ھ):

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ۶۵ھ میں بناء ابراہیمی کے مطابق کعبۃ اللہ کی تعمیر کی، یہ ایک بڑا ہی مبارک کام تھا، اگر باقی رہ جاتا تو سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت باقی رہ جاتی، جن بنیادوں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عمارت تعمیر کی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی تعمیر کی خواہش تھی، لیکن قریبی وقت میں اسلام لانے والوں کو غلط فہمی نہ ہو جائے اس مصلحت سے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل نہیں کیا تھا، البتہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس خواہش کا اظہار فرمایا تھا اور انہوں نے اپنی بہن حضرت اسماء ذات النطاقین رضی اللہ عنہا کو یہ خواہش بتائی تھی، انہوں نے اپنے فرزند حضرت عبداللہ کو یہ خواہش بتائی، حضرت عبداللہ کو جب اقتدار واختیار ملا تو اس کو عمل میں لانے میں تاخیر نہ تھی۔

علامہ ابن کثیر دمشقی امام طبریؒ کے حوالہ سے زیاد بن جبل سے بیان کرتے ہیں، زیاد کہتے ہیں کہ میں نے ابن الزبیر کو فرماتے ہوئے سنا وہ کہہ رہے تھے:

"حدثتني أمي أسماء بنت أبي بكر أن رسول الله صلى الله عليه

وسلم قال لعائشة: "لو لا قرب عهد قومك بالكفر لرددت الكعبة على أساس إبراهيم فأزيد في الكعبة من الحجر"

(مجھے میری والدہ حضرت اسماء بنت ابی بکر نے بیان کیا کہ حضور ﷺ نے حضرت عائشہ سے فرمایا: تمہاری قوم کا زمانہ جاہلیت نزدیک نہ ہوتا تو میں کعبہ کو بنائے ابراہیمی کے مطابق بنادیتا، اور مقام حجر تک کعبہ کی توسیع کرتا)

علامہ ابن کثیر کہتے ہیں:

اس حدیث کے متعدد طرق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحاح، حسان اور مسانید میں ہیں۔(۱)

امام بخاریؒ نے کتاب الحج میں، امام مسلم نے کتاب الحج میں، امام نسائی نے مناسک الحج میں اس کو بیان کیا ہے، اور مسند احمد، ابن خزیمہ صحیح ابن حبان میں یہ روایات موجود ہیں۔ جب کہ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے لیے اپنی والدہ اور خالہ جو ام المومنین بھی ہیں کے طریق سے اس حدیث کی سماعت اقدام کے لیے کافی تھی۔

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے تھے:

"حدثتني خالتي (يعني عائشة) قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا عائشة! لو لا أن قومك حديثو عهد بشرك لهدمت الكعبة فألزقتها بالأرض وجعلت لها بابين، بابا شرقيا و بابا غربيا وزدت فيها ستة أذرع من الحجر فان قريشا اقتصرتها حيث بنت الكعبة"(۲)

چناں چہ انہوں نے ارباب حل وعقد صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کچھ اختلاف ہوا کہ موجودہ عمارت کعبہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کی ہے، اسے ایسے ہی رہنے دیا جائے، مگر حضرت ابن الزبیر نے حضور ﷺ کی خواہش کے

---

(۱) البدایہ والنہایہ ۹/۹ ط قطر (۲) کتاب الحج، باب نقض الکعبۃ وبناءہا: ۴۰۱

احترام اور اپنے استخارہ اور اس کے لیے اقدام کی صلاحیت اور وسعت کا ذکر کیا اور قدم اٹھایا، پہلے بڑی کھدائی کرائی، تو ایک چٹان ظاہر ہوئی، اس کو اس کی بنیاد پر رکھنے کو کہا، پھر عمارت تعمیر فرمائی اور دو دروازے کھولے تاکہ آنے جانے کا راستہ الگ رہے۔ مگر افسوس اس کو بقا حاصل نہ رہا اور کچھ ہی دنوں میں ان کی شہادت کے بعد عمارت پہلی ہی تعمیر کے مطابق کردی گئی، وللّٰہ غیب السمٰوات والأرض.

البتہ صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عبد الملک بن مروان کو جب حضرت عبداللہ بن زبیر کے علاوہ دوسرے ذرائع سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کی تصدیق ہوئی تو اس کو پچھتاوا ہوا اور کہا:

"لو كنت سمعته قبل أن أهدمه لتركته على ما بنى ابن الزبير"(۱)

حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ کا تحفظ ختم نبوت کے لیے ایک لازوال کارنامہ (۶۷ھ)

مختار بن ابی عبید ثقفی ان بڑے کذابوں میں ہے جس کی پیشین گوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دے دی تھی، حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہما نے حجاج بن یوسف ثقفی سے مخاطب ہو کر کہا اور یہ حدیث سنائی تھی کہ:

"والله لقد أخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم، أنه سيخرج من ثقيف كذّابان الآخر منهما أشر من الأوّل وهو مبير"(۲)

(اللہ کی قسم! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ قبیلہ ثقیف سے دو جھوٹوں کا خروج ہوگا، ان میں کا دوسرا پہلے سے زیادہ بدتر ہوا اور ہلاکت خیز ہوگا)

اور صحیح مسلم میں ہے:

"عن أسماء بنت أبي بكر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "إن في ثقيف كذابًا ومبيرًا"(۳)

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب الحج، باب نقض الكعبة وبناء ها: ٤٠٤

(۲) مسند احمد ٦/٣٥١ (۳) صحيح مسلم فضائل الصحابة رقم الحديث: ٢٥٤٥

(حضرت اسماء بنت ابوبکر سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بنو ثقیف میں ایک جھوٹا ہوگا، اور ایک تباہ کار)

امام بیہقی دلائل النبوۃ میں اس کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

"وقد ذكر العلماء أن الكذّاب هو المختار بن أبي عبيد وكان يظهر التشيع ويبطن الكهانة وأسر إلى أخصاء ه أنه يوحى إليه....." وأما المبير فهو القتال وهو الحجاج بن يوسف الثقفي نائب العراق لعبد الملك بن مروان الذي انتزع العراق من يد مصعب بن الزبير"(۱)

حجاج اور مختار ایک ہی قبیلہ کے تھے، مختار ثقفی کے فتنہ کو حضرت مصعب بن الزبیر نے حضرت عبداللہ بن الزبیر کی ہدایت پر ختم کیا، حجاج نے ان دونوں سے اس کا بدلہ لیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جو مختار الثقفی کے بہنوئی تھے، مختار کے باپ، بہن، بھائی سچے مسلمان تھے، لیکن مختار گمراہ اور گمراہ کرنے والا شخص تھا، حالاں کہ اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل عبیداللہ بن زیاد کا خاتمہ کیا تھا، اور سچے مسلمانوں کے دل جیت لیے تھے، لیکن دجل وکذب نے اس کو برباد کردیا تھا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ مختار کو دعویٰ ہے کہ اسے وحی آتی ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سچ کہا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَ اِنَّ الشَّیَاطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰیٓ اَوْلِیَاءِ ھِمْ"(الانعام: ۱۲۱)

ترجمہ: شیاطین اپنے دوستوں کو وحی کرتے ہیں۔

امام سیوطیؒ کہتے ہیں:

"وفي أيام ابن الزبير كان خروج المختار الكذاب الذي ادّعى النبوة، فجهز ابن الزبير لقتاله إلى أن ظفر به في سنة سبع وستين وقتله، لعنهُ اللّٰه"(۲)

---

(۱) دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/۴۸۱ (۲) تاریخ الخلفاء از امام سیوطی ص:۱۹۹

(حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کذاب مختار نے خروج کیا جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا تو حضرت ابن الزبیر نے اس کے مقابلہ کے لیے لشکر تیار کیا اور کامیابی پائی، یہ ۶۷ھ کا واقعہ ہے، اور وہ مارا گیا، لعنت ہو اللہ کی اس پر)(۱)

مختار کا فتنہ اس قدر سخت تھا کہ اس کے گھر کے افراد اور قریبی رشتہ دار بھی اس کی اصلاح سے مایوس تھے، جیسے اس کی بہن اور بہنوئی یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ان کی اہلیہ حضرت صفیہ، حالاں کہ مختار کے ان اقدامات سے سبھی بڑے خوش ہوئے تھے، جو اس نے قاتلان حسین کی خانہ تلاشی کر کے ایک ایک کو ختم کر دیا تھا، اور کہتا تھا کہ ہم نے حسین کا بدلہ لے لیا، اور ان سے مقابلہ کے لیے اپنے بہنوئی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے خطوط سے مدد حاصل کی تھی جیسا کہ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔

مختار ثقفی کے فتنہ کا واحد علاج اس کی سرکوبی ہی تھی ورنہ ایک نیا فرقہ ظہور میں آتا، جس کی بیخ کنی پھر آسان نہ ہوتی۔ حضرت عبداللہ بن الزبیر کے عہد خلافت کے کارناموں میں جلی حروف میں لکھا جانے والا ناقابل فراموش یہ عظیم کارنامہ ہے:

"وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَشَاءُ."

جہاں تک مختار کے ساتھ دیگر ہزاروں افراد کے قتل کا تعلق ہے جس سے حضرت

---

(۱) مؤرخ ابن کثیر نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ مختار ثقفی کا بدلہ حجاج ثقفی نے مصعب ابن الزبیر اور حضرت عبداللہ بن الزبیر کے قتل سے لیا، یہ بات عربوں کی قبائلی حمیت وعصبیت سے بعید از قیاس نہیں ورنہ دلوں کا حال تو بس اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے اور قتل پر قتل حجاج کا وہ عمل ہے کہ جو انسان جس گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اگر اس سے توبہ نہیں کرتا تو اس گناہ کا بار بار ارتکاب کرتا ہے، اور دوسرے معاداۃ اولیاء کی پاداش میں بھی وہ اخیار کا سفاک اور اشرار کا مہربان ثابت ہوا، البتہ اللہ کی رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ اس کے بعض نیک اعمال مغفرت کا بہانہ ہو جائیں۔ البتہ ان دونوں کو کافر ومشرک نہیں کہا جائے گا، اس لیے کہ یہ دونوں توحید کا اقرار کرتے تھے، تاریخ ابن عساکر میں ہے کہ حضرت سفیان ثوریؒ سے حجاج کے متعلق پوچھا گیا کہ آپ اسے جہنمی سمجھتے ہیں؟ فرمایا: نہیں، اگر اس نے توحید کا اقرار کیا۔ (تاریخ ابن عساکر ۱۲/۱۹۰)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اتفاق نہیں تھا اور وہ اسے احترام انسانیت کے خلاف سمجھتے تھے جیسا کہ تاریخی روایات سے پتہ چلتا ہے اور انہوں نے حضرت مصعب بن الزبیر سے اس کا اظہار بھی کیا اس کا سبب حضرت مصعب بن الزبیر نے یہ ظاہر کیا کہ فتنہ اتنا بڑھ چکا تھا کہ یہ ضروری ہو گیا تھا اور یہ لوگ نہ صرف مختار کے حمایتی تھے بلکہ بیعت کر چکے تھے۔

آخری محاصرہ (۷۲ھ-۷۳ھ)

آغاز ذی قعدہ ۷۲ھ میں حجاج ثقفی نے حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کا محاصرہ مکہ معظمہ میں کیا جو آٹھ ماہ سترہ راتیں جاری رہا، مکہ معظمہ میں حجاج نے منجنیق نصب کرائی حجاج کی فوج میں حبشی بڑی تعداد میں تھے، جو پتھر مارتے تھے، پانچ منجنیق تھیں ہر طرف سے شدید گھیراؤ حقہ پانی بند کر دیا تھا، زمزم کا پانی ہی پانی اور غذا تھا۔ منجنیق کی مار حالاں کہ بڑی سخت اور سخت آواز کے ساتھ تھی، اس پر آسمانی بجلی اور گرج کی آواز اور سخت ہوتی، جس سے حجاج کی فوج کو نقصان بھی پہنچا، اور ان کے حوصلے پست ہوئے مگر حجاج ہر بات کو اپنے حق میں اور ان کے خلاف لے کر اپنا لیتا اور شامی وسوڈانی فوج کو حوصلہ دلاتا، ایک منجنیق کو آسمانی بجلی نے جلا کر راکھ کر دیا۔ جس سے اہل شام مقابلہ سے پیچھے ہو گئے، مگر حجاج اسے بھی اپنے حق میں لے کر حوصلہ دلاتا اور مقابلہ جاری رکھنے کو کہتا، اس کے نتیجہ میں مقابلہ کی تاب نہ لا کر حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے موافق لوگ ان سے جدا ہونے لگے اور حجاج کے لشکر سے ملتے جاتے رہے، یہاں تک کہ افراد خاندان بھی ساتھ نہ رہ سکے، حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ سے اس کی شکایت کی، انہوں نے خود سپردگی کی مخالفت کی، چاہے اس کے صلہ میں دنیا پاٹ دی جائے، اس لیے کہ جو کچھ قربانیاں دی گئی ہیں وہ دین کے لیے دی گئی ہیں، دنیا کے لیے نہیں، ایک طرف حجاج کی وہ فوج ساتھ آئی تھی اور پھر مزید شامل کی گئی اور پھر اپنی جان کی حفاظت کے لیے زبیری فوج کے افراد ایک ایک کر کے اس کی فوج میں مل گئے اور تن تنہا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ

عنہ تھے جنہوں نے ہتھیار نہیں ڈالے اور اکیلے وہ سب پر بھاری تھے، منجنیق کے پتھر برس رہے تھے مگر ان کو دہشت نہیں تھی اور نہ ہی ہمت وحوصلہ پست تھا۔

والدہ ماجدہ حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیقؓ کی صبر واستقامت کی وصیت:

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے اموی حکومت کی طرف سے مال وجاہ کی پیش کش کو قبول کرنے یا ٹھکرانے کے سلسلہ میں اپنی والدہ ماجدہ سے ان حالات میں مشورہ چاہا جب خود ان کے ساتھی امان حاصل کرنے کے لیے حجاج کے گروہ سے جا ملے تھے اور آپ کے لیے مقابلہ جاری رکھنا آسان نہ تھا، مگر والدہ ماجدہ نے مقابلہ جاری رکھنے اور خود سپردگی سے باز رہنے کی وصیت فرمائی اور انہوں نے اسی پر عمل کیا۔

علامہ ابن کثیر دمشقی کہتے ہیں:

"ودخل عبدالله بن الزبير على أمه فشكا إليها خذلان الناس لهُ وخروجهم إلى الحجاج حتى أولادهُ وأهله، وأنه لم يبق معهُ إلّا اليسير ولم يبق لهم صبر ساعة، والقوم يعطونني ما شئت من الدنيا فما رأيكِ؟

فقالت: يا بنيّ أنت أعلم بنفسك، إن كنت تعلم أنك على حق وتدعو إلى حق، فاصبر عليه، فقد قتل عليه أصحابك، ولا تمكن من رقبتك يلعب بها غلمان بني أمية، وإن كنت تعلَمُ أنك إنما أردتَ الدنيا فلبئس العبد أنت، أهلكتَ نفسَك، وأهلكتَ مَنْ قُتِلَ معكَ، وإن كنت على حقٍ، فما وهن الدنيا وإلى كم خلودك في الدنيا؟ القتل أحسن."

فدنا منها فقبل رأسها وقال:

هذا والله رأي، والله ما ركنتُ إلى الدنيا ولا أحببتُ الحياة فيها، وما دعاني إلى الخروج إلّا الغضب لله أن تستحل

حرمته، ولكني أحببت أن اعلم رأيكِ فزدتيني بصيرة مع بصيرتي، فانظري يا أمّاهُ! فإني مقتول في يومي هذا، فلا يشتد حزنك وسلّمي لأمر اللّٰه، فإن إبنك لم يتعمّد إتيان منكر، ولا عمل بفاحشة قطّ، ولم يَجُر في حكم اللّٰه، ولم يغدر في أمان، ولم يتعمد ظلم مسلم ولا معاهد، ولم يبلغني ظلم عن عامل، فرضيتُ به بل أنكرتهُ، ولم يكن عندي أثر من رضى ربي عزّوجل.

اللّٰهم إني لا أقول هذا تزكية لنفسي، اللّٰهم أنت أعلم بي مني ومن غيري، ولكني أقول ذلك تعزيةً لأمي لتسلو عني، فقالت أمه:

إني لأرجو من اللّٰه أن يكون عزائي فيكَ حسنًا، إن تقدمتني أو تقدمتك، ففي نفسي، أخرج يا بني، أنظر ما يصير إليه أمرك .

فقال: جزاكِ اللّٰه يا أمه خيرًا، فلا تَدَعي الدعاء قبل وبعد.

فقالت: لا أَدَعَهُ أبدًا لمن قتل على باطل، فلقد قتلت على حق.

پھر انہوں نے دعا کی:

"اللّٰهُم ارحم طول ذلك القيام وذلك النحيب والظمأ في هو اجر المدينة ومكة وبره بأبيه وبي.

اللّٰهم إني قد سلّمتهُ لأمرك فيه ورضيتُ بما قضيتَ فقابِلني في عبداللّٰه بن الزبير بثوابِ الصابرين والشاكرين."

پھر ان کو رخصت کرنے لگیں تو یہ کہتے ہوئے کہ:

"أُدن مِنّيُ أُوَدِّعُكَ فَدَنَا مِنهَا فَقَبَّلته، ثم أخذته إليها فاحتضنتهُ لِتُوَدِّعَهُ، واعتنقها ليودعها -وكانت قد أضرّت في اٰخر

عمرها- فوجدته لابسًا درعًا من حديد فقالت:

بُنَيَّ ما هذا لباس ما تريد من الشهادة!! فقال: يا أماه! إنما لبستهُ لأطيب خاطرك وأسكن قلبك به، فقالت: لا يا بني ولكن أنزعهُ، فنزعه وجعل يلبس بقية ثيابه ويتشدد وهي تقول شَمِّرْ ثيابك، وجعل من أسفل ثيابه لئلا تبدو عورته إذا قتل، وجعلت تُذَكِّرُهُ بِأبيهِ الزبير، وجدِّهِ أبي بكر الصديق وجَدَّتِهِ صفية بنت عبدالمطلب، وخالته عائشة زوج رسول الله صلى الله عليه وسلم، وترجّيه القدوم عليهم إذا هو قتل شهيدًا.

ثم خرج من عندها فكان ذلك اخر عهده بها رضي الله عنهما وعن أبيه وأبيها.

قالت: امض على بصيرتك، فودّعها وخرج وهو يقول:

ولست بمبتاع الحياة بسُبَّة

ولا مرتق من خشية الموت سلّمًا (۱)

(حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور لوگوں کا ساتھ چھوڑ دینے کا شکوہ کیا، کہ کس طرح لوگ حجاج سے جا ملے حتی کہ خود اپنے گھر والے بھی اور چند ہی لوگ ساتھ بچے ہیں، اور تھوڑا بھی صبر نہیں کیا، جب کہ مجھے دنیا کی وہ پیشکش ہو رہی ہے کہ جو چاہوں میں لوں، آپ کی رائے کیا ہے؟ ان کی والدہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے فرزند من! تم اپنے بارے میں زیادہ جانتے ہو، ہاں اگر تم اپنے کو حق پر سمجھتے رہے ہو اور حق کے داعی رہے ہو تو پھر ہمت سے کام لو، تو اس پر تمہارے ساتھی جام

(۱) البدایہ والنہایہ نسخہ محقق، ط قطر: ۹/۱۰۶-۱۰۷، سنہ اشاعت: ۲۰۱۵ء

شہادت پہلے نوش کر چکے ہیں اور بنوامیہ کے لونڈوں کے لیے کھلونا نہ بنو، اور اگر تم اس کے ذریعہ طالب دنیا تھے تو پھر تو تم بڑے ہی خراب انسان ہو، اپنے کو بھی ہلاک کیا اور جو تمہارے ساتھ تھے انہیں بھی برباد کیا، اور جب کہ تم حق پر ہو تو پھر دنیا کی کیا حقیقت، اور رہنا ہی دنیا میں کتنا ہے؟ جان دے دینا ہی بہتر ہے۔

(یہ سن کر) وہ والدہ کے قریب ہوئے اور والدہ کا سر چوما اور کہا:

بخدا یہی میرا خیال ہے، بخدا میں نے دنیا کو پیش نظر رکھ کر یہ سب نہیں کیا، اور نہ ہی دنیا کی طرف ذرا میلان ہوا، مجھے جس چیز نے خروج پر آمادہ کیا وہ صرف اللہ کے لیے غصہ تھا کہ اس کے محارم کو توڑا جا رہا تھا، پھر بھی میں نے چاہا کہ آپ کی رائے معلوم کرلوں اور آپ مجھے اپنی ہدایات سے نوازیں جو میری سوچ کو جلا بخشے۔

اماں جاں! غور کر لیجئے، میں آج کے دن شہید ہو جاؤں گا، تو آپ کو زیادہ ملال نہ ہو، اور میرا معاملہ اللہ کے سپرد کیجئے، اور یقین رکھئے کہ آپ کے بیٹے نے جان کر کبھی کسی منکر کا ارتکاب نہیں کیا ہے، اور نہ ہی کسی بے حیائی کے کام کے قریب پھٹکا ہے، اور نہ ہی اللہ کے کسی حکم کی خلاف ورزی کی، اور نہ ہی کوئی عہد توڑا، اور نہ مجھ سے کسی مسلمان یا ذمی پر عمداً ظلم ہوا، اور اگر میرے کسی عامل نے ظلم کیا تو ہم نے اس کو سخت سست کہا.....

اے اللہ! میں جو یہ عرض کر رہا ہوں یہ اپنی پارسائی بیان کرنے کے لیے نہیں ہے، اے اللہ! تو خوب مجھے بھی اور میرے علاوہ دوسروں کو بھی جاننے والا ہے، میں اپنی والدہ کا غم وفکر دور کرنے کے لیے کہہ رہا ہوں، والدہ نے کہا:

میں اللہ سے امید رکھتی ہوں کہ میرا غم اور فکر تمہارے حق میں بہتر ثابت

ہوگا، بھلے تم سبقت لے جاؤ یا میں تم پر سبقت لے جاؤں۔(۱)

جاؤ اے بیٹے! دیکھو تمہارا معاملہ کدھر جا رہا ہے۔

فرمایا: اماں جان! اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا کرے، دعا میں فراموش نہ کیجئے گا۔

والدہ نے فرمایا:

میں تو اسے بھی دعا دیتی رہی ہوں جو مارا گیا اور حق پر نہ تھا اور تم تو حق پر ہو، اور دعا کی کہ:

بارالٰہا! یارحم فرما، اس قیام کے دراز ہونے پر، اور یہ مکہ و مدینہ کی سخت گرمی کے دنوں میں بھوک و پیاس کا زمانہ ہے، اور قبول فرما اس کے سلوک کو جو اس نے اپنے والد اور میرے ساتھ کیا۔

اے اللہ میں نے اپنا معاملہ تیرے سپرد کیا، اور تیرا جو فیصلہ ہے اس پر تسلیم و رضا کے ساتھ حاضر ہوں، عبداللہ بن الزبیر کے سلسلہ میں مجھے بہترین صبر و شکر کرنے والوں کا ثواب عطا فرما۔

پھر فرمایا: قریب آؤ، میں تم کو وداع کہوں، وہ قریب ہوئے والدہ نے چوما چکارا، پھر اپنی طرف کھینچا اور لپٹایا وہ بھی گلے ملے کہ والدہ کو وداع کہیں، زرد پہنے ہوئے تھے، اس پر والدہ کا ہاتھ لگا اور اس جنگی لباس کو محسوس کیا، فرمایا: یہ کیا؟

شہادت کا جذبہ رکھنے والے کا یہ لباس نہیں ہوا؟ ابن الزبیر نے عرض کیا کہ اماں جان! آپ کے طیب خاطر کے لیے میں نے ایسا کیا تھا کہ اس سے آپ کو تسکین قلب دوں گا۔

---

(۱) ایک ماہ کے اندر ہی حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ نے بھی سو سال سے زائد عمر میں وفات پائی اور ان کے دانت سب سالم تھے، اور اعصاب پورے مضبوط، البتہ نگاہ کے بارے میں ہے کہ وہ چلی گئی تھی۔

والدہ نے فرمایا: اے بیٹا! اسے اتار دو، انہوں نے اتار دیا، اور جو کپڑا اندر پہنے تھے اس پر اکتفا کیا، وہ کہے جا رہی تھیں شَمِّر ثیابك (اپنے کپڑوں کو سمیٹو) اور ابن الزبیر نیچے کے حصہ کے کپڑے کو درست کر رہے تھے تاکہ شہید ہوں تو ستر عورت قائم رہے، اور ماں اپنے جیالے بیٹے کو ان کے باپ زبیر اور نانا ابوبکر الصدیق، دادی صفیہ بنت عبدالمطلب اور خالہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہم وعنہن کی یاد دلا رہی تھیں کہ یہ شہادت ان سے ملاقات کا پل ہے، پھر ابن الزبیر رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کے پاس سے نکلے اور یہ آخری بات تھی، ان کی والدہ سے اور اپنے باپ اور ان کے باپ کے متعلق پھر کہا جاؤ جو تم کو اللہ بچائے وہ کر گزرو، انہوں نے والدہ کو وداع کہا اور یہ کہتے ہوئے نکل پڑے۔

ولستُ بمبتاعِ الحیاةِ بسبّة
ولا مرتق من خشیة الموت سُلّمًا

(میں لعن وطعن کے عوض زندگی خریدنے والا نہیں اور نہ موت کے خوف سے سیڑھی پر چڑھنے والا)

شہادت:

امام سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء میں مروان بن الحکم اموی کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا ہے، بلکہ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کو بغاوت قرار دیا ہے۔

والأصح ما قاله الذهبي أن مروان لا يُعَدّ في أمراء المؤمنين بل هو باغ خارج على ابن الزبير، ولا عهده إلى إبنه بصحيح، وإنما صحت خلافة عبدالملك من حين قُتل ابن الزبير، وأما ابن الزبير فإنه استمرّ بمكة خليفة إلى أن تغلّب

عبدالملك فجهّز لقتاله الحجاج في أربعين ألفًا، فحصرهٗ بمكة أشهرًا، ورمى عليه بالمجنيق، وخذل ابن الزبير أصحابه، وتسلّلوا إلى الحجاج، فظفر به وقتلهٗ وصلبه، وذلك يوم الثلاثاء لسبع عشرة من جمادي الأولى وقيل الآخرة سنة ثلاث وسبعين [۷۳].(۱)

(صحیح بات امام ذہبی کی ہے کہ مروان (ابن الحکم) کا شمار امیر المومنین میں نہیں ہے، بلکہ وہ باغی ہے، ابن الزبیر کے سلسلہ میں اور نہ ہی ان کا ولی عہد بنانا صحیح ہے، البتہ (ان کے بیٹے) عبدالملک کی خلافت عبداللہ بن الزبیر کی شہادت کے بعد صحیح مانی گئی، اور ابن الزبیر مکہ معظمہ میں خلیفہ کی حیثیت سے اس وقت تک رہے جب تک عبدالملک نے غلبہ نہیں پالیا اور ان سے قتال کے لیے حجاج کو چالیس ہزار افراد کے لشکر کے ساتھ بھیجا، اس نے ان کا مکہ میں چند ماہ تک محاصرہ جاری رکھا۔ اور منجنیق سے سنگ باری کی جس کے باعث ابن الزبیر تنہا پڑ گئے، اور ان کے حامی حجاج سے جا ملے، جس سے حجاج کو کامیابی ملی اور وہ مقتول و مصلوب ہوئے، یہ واقعہ منگل جمادی الاوّل یا جمادی الثانی ۷۳ھ کا ہے)

عبدالملک بن مروان کے نزدیک حضرت عبداللہ بن الزبیر کا مقام اور بعد کا رویہ

یحیٰ غسانی کہتے ہیں کہ جب مسلم بن عقبہ نے مدینہ منورہ میں پڑاؤ ڈالا، میں مسجد النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں عبدالملک (ابن مروان) کے پہلو میں بیٹھا تھا، مجھ سے عبدالملک نے کہا، کیا تمہارا اسی لشکر سے تعلق ہے؟ میں نے کہا ہاں! کہا: ثكلتك أمك (تمہاری ماں تم پر روئے) جانتے ہو کدھر جا رہے ہو؟ (پھر خود ہی کہا):

---

(۱) تاریخ الخلفاء امام جلال الدین السیوطیؒ، ص: ۱۹۸، ط. مکتبہ اشاعت اسلام - دہلی

"إلى أوّل مولود ولد في الإسلام، وإلى ابن حواري النبي عليه الصلاة والسلام وإلى ابن ذات النطاقين وإلي من حنّكهُ النبي صلى الله عليه وسلم، أما والله إن جئته نهارًا وجدته صائمًا، ولئن جئته ليلاً لتجدنه قائمًا، فلو أن أهل الأرض أطبقوا على قتله لا كبّهم الله جميعًا في النار، فلما صارت الخلافة إلى عبدالملك وجهنا مع الحجاج حتى قتلناه"(۱)

(اسلام میں یعنی ہجرت کے بعد مدینہ میں مسلمانوں میں پہلے پیدا ہونے والے کی طرف، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری کے فرزند کی طرف، اور فرزند ذات النطاقین کی طرف اور ان کے خلاف رخ ہے جن کی تحنیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، بخدا تم اگر دن کو ان کے پاس جاؤ گے تو روزے دار پاؤ گے، اور اگر رات کو جاؤ گے تو شب بیدار دیکھو گے، اور اگر سارے زمین والے ان کے قتل پر جُٹ جائیں سب کو اللہ جہنم رسید کر دے گا، مگر جب عبدالملک اقتدار میں آیا تو ہم لوگوں کو حجاج کے ساتھ ان کے خلاف بھیجا، یہاں تک کہ ہم لوگوں نے ان کو شہید کر ڈالا)

امام جلال الدین سیوطی کا اظہار حقیقت

امام سیوطیؒ حضرت عبداللہ بن الزبیر کے زمانۂ خلافت میں عبدالملک بن مروان کی خلافت کو صحیح تسلیم نہیں کرتے، وہ لکھتے ہیں:

"بويع بعهد من أبيه في خلافة ابن الزبير، فلم تصح خلافته، وبقي متغلبًا على مصر والشام ثم غلب على العراق وما والاها إلى أن قتل ابن الزبير، سنة ثلاث وسبعين فصحت

(۱) تاریخ الخلفاء للإمام السیوطی، ط. دہلی/۲۰۲، تذکرہ عبدالملک بن مروان

خلافته من يومئذ واستوثق له الأمر"(۱)

(عبدالملک کی ولی عہدی کی بیعت حضرت عبداللہ بن الزبیر کی خلافت کے زمانہ میں لے لی گئی تھی مگر عبدالملک کی خلافت صحیح نہ تھی وہ مصر وشام پر حاکم تھا پھر عراق اور اس کے مضافات کو قبضہ میں لیا۔ یہاں تک کہ حضرت ابن الزبیر کو ۷۳ھ میں شہید کردیا، پھر ان کی خلافت صحیح ہوگئی اور اس کو مضبوطی حاصل ہوگئی)

حضرت ابن الزبیر اپنی والدہ سے رخصت ہوکر جان کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے آقا کے دربار میں اس طور پر پہنچے کہ ان کے رعب کا عالم یہ تھا کہ مسجد حرام کے ہر دروازہ پر دشمنوں کی فوج تھی، مگر وہ ان سب پر بھاری نظر آرہے تھے، حالانکہ وہ نہتے تھے مگر اس کے باوجود تن تنہا لوگوں کو منتشر کررہے تھے، انہوں نے اس طرح مصلّٰی پکڑا کہ ان پر گردوپیش کے ماحول کا کوئی اثر نہ تھا، دشمن منجنیق سے پتھر پھینکتے جوان کے قریب گرتے مگر ان کی نماز کا خشوع وخضوع متاثر نہ ہوتا، ادھر ان کے اعوان وانصار دشمن پر اینٹ پتھر چھت سے پھینکتے تاکہ ان کو کھدیریں، اتنے میں انہی میں سے کسی حمایتی کا پتھر ان کے لگ گیا اور سر پھٹ گیا، تب بھی ان کا حوصلہ جوان تھا، اور وہ کہہ رہے تھے:

"لو كان قرني واحدًا لكفيتُه"(۲)

(اگر میری جماعت متحد ہوتی تو میں حجاج کو سبق سکھادیتا)

حجاج کی بدسلوکی اور حضرت اسماء کا جواب

جب حجاج ظالم نے ان کی لاش کو اس حادثہ فاجعہ کے بعد سولی پر چڑھایا، حضرت اسماء کا گزر ہوا تو حجاج سے مخاطب ہوکر کہا:

"أما آن لهذا الراكب أن ينزل؟ فقال الحجاج: ابنك المنافق، فقالت: والله ما كان منافقًا إن كان لصوامًا قوامًا

---

(۱) تاریخ الخلفاء، ص:۲۰۰ (۲) البدایہ والنہایہ:۹/۱۰۸

وصولاً للرحم، فقال انصرفي يا عجوز! فإنك قد خرفت، فقالت، والله ما خرفت منذ سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:

"يخرج من ثقيف كذاب ومبير فأما الكذاب فقد رأيناه وأما المبير فأنت"(۱)

(ابھی اس سوار کے اترنے کا وقت نہیں آیا، حجاج بولا، تمہارا بیٹا تو منافق ہے، حضرت اسماء نے فرمایا: بخدا وہ منافق نہیں تھا، خوب روزے رکھنے والا، خوب نمازیں پڑھنے والا، اور خوب رشتہ داری نبھانے والا تھا۔ حجاج بولا: اے بڑھیا! تم جاؤ، تمہارا ذہن صحیح کام نہیں کر رہا ہے، انہوں نے فرمایا: بخدا! اس وقت سے میرا ذہن پورا حاضر ہے جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ ثقیف سے ایک بڑا ہی جھوٹا اور ایک بڑا ہی ظالم نکلے گا، جھوٹے کو تو پہلے ہی دیکھ چکی ہوں (مختار ثقفی) اور ظالم تم ہو)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق بھی آتا ہے کہ انہوں نے بھی یہ بات کہی کہ

"أما أن لهذا الراكب أن ينزل؟" (کہ سوار ابھی بھی اپنی سواری پر ہے)

تدفین

واقدی کی روایت ہے کہ حجاج نے جب ابن الزبیر کو ثنیۃ الحجون میں پھانسی پر لٹکایا، اور حضرت اسماء بنت ابی بکر نے تقاضا کیا کہ تدفین ان کی جلد کی جائے تو اس نے انکار کیا، انہوں نے عبدالملک بن مروان کو اپنا یہ مطالبہ کہلوایا، اس نے حجاج کو حکم نامہ بھیجا کہ تدفین کرو، چناں چہ وہیں جہاں ان کو لٹکایا گیا تھا تدفین کر دی گئی اور اس

(۱) البدایہ والنہایہ: ۹/۱۲۴ ط. وزارۃ الاوقاف قطر ۲۰۱۵ء

بات کا چرچا رہا کہ ان کی قبر سے مشک کی خوشبو آتی رہی۔(۱)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہ نے تجہیز و تکفین کی، جب کہ ان کا مثلہ کیا گیا تھا، اور ایک روایت یہ ہے کہ وہ انہیں مدینہ منورہ لے گئیں، اور ام المومنین حضرت صفیہ بنت حُیی رضی اللہ عنہا کے مکان پر دفن کیا جو بعد میں مسجد نبوی کا حصہ بن گیا، اس طرح ان کو یہ شرف حاصل ہوا کہ وہ مسجد نبوی میں حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مدفون ہیں۔ واللہ اعلم۔(۲)

ان کو مقتول و مصلوب دیکھ کر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جس تاثر کا اظہار کیا تھا اس میں نہ صرف دلی کیفیت کا اظہار ہے بلکہ فتنہ کے حالات میں اس میں رہنمائی کا بڑا سامان بھی ہے، وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے تذکرہ میں صحیح مسلم کے حوالہ سے موجود ہے۔

حجاج عوام کی عدالت میں

حجاج جس کا رویہ حضرت عبداللہ بن الزبیر اور ان کی والدہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے ساتھ بڑا ہی خراب اور گالی گلوج کا تھا ان کے سلسلہ میں لوگوں کی ہمدردی عام ہونے کی وجہ سے اپنا رویہ بدل کر تعریف کرنے لگا تھا۔

حجاج نے نہ صرف حضرت عبداللہ بن الزبیر اور ان کی والدہ حضرت اسماء اور ان کے نرم گوشہ رکھنے والوں کے لیے بھی نہایت سخت لہجہ اختیار کیا تھا، جیسے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ چناں چہ حضرت اسماء اور حجاج کا مکالمہ تو کتب تاریخ کا مشہور واقعہ ہے، لیکن جب اس کو یہ محسوس ہوا کہ یہ واقعہ اور پھر اس کے بعد نہایت سنگ دلانہ اور وحشیانہ رویہ کہیں اس کے اقتدار کو ختم نہ

---

(۱) البدایہ والنہایہ جزء تاسع ص:۱۲۱

تاریخی روایت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حجاج نے ایک مری ہوئی بلی قریب میں رکھوادی تھی تاکہ اس کی بُو سے لوگ متنفر ہوں، مگر حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کی لاش سے جو خوشبو پھوٹ رہی تھی وہ اتنی زیادہ تھی کہ بلی کی بدبو کا پتہ بھی نہیں چل رہا تھا۔ (۲) البدایہ والنہایہ ۹/۱۲۲، بحوالہ سابق

کردے اس نے اپنا انداز بدل کر جو گفتگو اہل مکہ کے درمیان کی ہے، اس سے حجاج کے دل میں مخفی احترام وعظمت کا پتہ چلتا ہے جس کو وہ سیاسی مصلحت سے ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا، علامہ ابن کثیر کہتے ہیں:

"لما قتل الحجاج ابن الزبير ارتجّت مكة بالبكآء، فأمر الناس فجمعوا في المسجد ثم صعد المنبر فقال بعد حمد الله والثنآء عليه: يا أهل مكة! بلغني اكباركم قتل ابن الزبير، ألا وإنّ ابن الزبير كان من خيار هذه الأمة، حتى رغب في الخلافة ونازع فيها أهلها، فنزع طاعة الله، واستكن بحرم الله، ولو كان شئ مانع العصاة لمنعت آدم حرمة الجنة، إن الله خلقه بيده، ونفخ فيه من روحه، وأسجد له ملائكته، وأباح له كرامته، وأسكنه جنته، فلما أخطأ أخرجه من الجنة بخطيئته، وآدم أكرم على الله من ابن الزبير والجنة أعظم حرمة من الكعبة، اذكروا الله يذكركم"(۱)

(حجاج نے عبداللہ بن الزبیر کو قتل کیا تو مکہ آہ وبکا سے گونج گیا، حجاج نے (پریشان ہوکر) لوگوں کو مسجد میں جمع کرایا پھر منبر پر آکر اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور خطاب کیا، اے اہل مکہ! مجھے معلوم ہوا ہے کہ ابن الزبیر کا قتل تم لوگوں کو بہت محسوس ہوا، یقیناً ابن الزبیر خیار امت میں سے تھے یہاں تک کہ خلافت کی رغبت کی اور اہل خلافت سے مقابلہ کیا، یہیں سے انہوں نے طاعت کا لبادہ اتارا، اور معصیت کا ارتکاب کیا، اگر معصیت کرنے والوں کو کوئی چیز بچاسکتی تو وہ جنت تھی جو آدمؑ کو بچالیتی، اللہ نے اپنے ہاتھ سے آدمؑ کو پیدا کیا تھا اور ان

(۱) البدایہ والنہایہ ۹/۳۰۲، نسخہ محقق عبدالقادر ارناؤوط، قطر

میں اپنی روح ڈالی تھی، اوران کو ملائکہ سے سجدہ کرایا تھا اوران کو معزز کیا تھا اور جنت میں ٹھہرایا، مگر جب انہوں نے غلطی کی تو پھر جنت میں رہنے نہ دیا، آدمؑ ابن الزبیر سے زیادہ مکرم ہیں اللہ کے نزدیک، اور جنت کعبہ سے زیادہ محترم جگہ ہے، اللہ کو یاد کرو اللہ تم کو یاد کرے گا)

فضائل ومناقب

تحنیک: (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ریق مبارک پہلی غذا)

حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں:

"حملتُ [بعبد اللّٰه بن الزبير] بمكة فخرجتُ وأنا متمٌّ، فأتيتُ المدينة فنزلتُ "قبآء" فولدته بقباء، ثُم أتيتُ به رسولَ اللّٰهِ صلى اللّٰه عليه وسلم فوضعتُه في حجره ثم دعا صلى اللّٰه عليه وسلم بتمرة فمضغها، ثم تفل في فيه، فكان أوّل شئ دخل جوفه ريقُ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ثم حنّكه بالتمرة ثم دعا له فبرّك عليه، وكان أوّل مولود في الإسلام، ففرحوا به فرحًا شديدًا، لأنهم قيل لهم، إن اليهود قد سحرتكم فلا يولد لكم، هذا لفظ البخاری"(۱)

(میں عبداللہ بن الزبیر سے مکہ سے حاملہ تھی، میں نے وہاں سے ہجرت کی تو مدت حمل پوری ہورہی تھی، مدینہ میں "قباء" میں نے اس کو جنا پھر اسے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئی تو میں نے اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں دیا، پھر رسول

(۱)صحيح البخاري رقم الحديث : ٥٤٦٩، كتاب العقيقة باب تحنيك الرسول صلى اللّٰه عليه وسلم لعبد اللّٰه بن الزبير

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور منگایا، اس کو چبایا پھر اس میں ڈالا۔ اس طرح پہلی جو چیز اس کے پیٹ میں گئی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ریق مبارک تھا، پھر کھجور سے تحنیک فرمائی، پھر خیر و برکت کی دعا دی، یہ ہجرت کے بعد مسلمانوں میں پہلے پیدا ہونے والے تھے، اس لیے مسلمان بڑے ہی خوش ہوئے، کیوں کہ مشہور کر دیا گیا تھا کہ یہود نے تم لوگوں پر سحر کر دیا ہے، اب اولاد سے محروم رہو گے، یہ بخاری کے الفاظ ہیں)

امام مسلم نے صحیح میں کتاب الآداب باب استحباب تحنیک المولود حدیث نمبر ۲۱۴۶؛ میں یہ حدیث تفصیل کے ساتھ ذکر کی ہے اور حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کی یہ بات بھی نقل کی ہے کہ

"ثم مسحهٗ وصلّٰی علیه وسماهٗ عبداللّٰه"

(پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست شفقت ان پر پھیرا اور ان کو دعا دی اور ان کا نام عبداللہ رکھا)

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان نومولود بابرکت صحابی کا نام بھی رسول اللہ ﷺ نے ہی رکھا، آگے اور تفصیل ہے جس میں رسول اللہ ﷺ سے بیعت کا بھی ذکر ہے جب کہ وہ سات یا آٹھ سال کے تھے۔

ایک اور عظیم شرف وسعادت:

طبرانی کی روایت ہے:

"عن عامر بن عبداللّٰه بن الزبير أن أباه حدثه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أعطاه دم محاجمه يهريقه، فحساه، فلمّا رجع إلى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: "ما صنعت يا عبداللّٰه بالدم؟ قلتُ جعلتُهٗ في مكان ظننتُ أنه خافٍ على

الناس، فلعلّك شربتهٗ؟ قلت: نعم! قال: ومن أمرك أن تشرب الدم؟ ويل لك من الناس وويل للناس منك"(۱)

(حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عامر کہتے ہیں کہ ابا نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے چچا کا خون بہانے کو دیا تھا، جب وہ یہ خدمت انجام دے کر، بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: خون کا کیا کیا؟ کہتے ہیں میں نے عرض کیا میں نے اس کو وہ جگہ دی جس کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ یہ لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہے گا۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے لگتا ہے کہ تم نے پی ڈالا، (فرماتے ہیں) میں نے عرض کیا: جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: کس نے ایسا کرنے کو کہا، لوگوں کی طرف سے تم کو مصیبتیں سہنی پڑیں گی، اور لوگ بھی تمہاری وجہ سے بڑی مصیبت میں مبتلا ہوں گے)(۲)

اس حدیث کے دوسرے شواہد بھی ہیں:

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ان کو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دم مبارک پیتے دیکھ لیا تھا، البتہ ان کو اس وقت یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کیا پی رہے تھے، جب وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک ساتھ حاضر ہوئے تو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے یہ پوچھا: فرغتَ؟ انہوں نے کہا: نعم! اس پر حضرت سلمان چونکے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: وما ذاك يا رسول الله؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أعطيته غسالة محاجمي يهريق ما فيها" (میں نے انہیں اپنے

---

(۱) البدایہ والنہایہ ۹/۱۲۳ ط. محقق - قطر ۲۰۱۵ء

(۲) چونکہ آنحضور ﷺ کا مبارک خون آپ کا جزو بدن بن گیا، اسی لیے آپ ﷺ نے مستقبل میں پیش آنے والی آزمائش سے آپ کو آگاہ فرمایا جو حجاج ثقفی وغیرہ کے تعلق سے عمر کے آخری مرحلہ میں پیش آئی اور وہی آپ کی شہادت کا سبب بھی بنی۔ (افادہ: حضرت مولانا سید سلمان حسینی ندوی)

پچھنہ لگائے خون کا پیالہ دے دیا تھا کہ اسے بہادیں)

حضرت سلمان نے عرض کیا:

"شربها والذي بعثك بالحق" (انہوں نے تو پی ڈالا بخدا)

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن الزبیر سے پوچھا:

"شربتهٗ." (تم نے پی لیا؟) قال: نعم! (جی ہاں)

قال: لِمَ؟ (ایسا کیوں کیا؟)

قال: أحببتُ أن يكون دم رسول الله ﷺ في جوفي."

(مجھے یہ بھایا کہ رسول ﷺ کا دم مبارک میرے پیٹ میں جائے)

فقال بيده على رأس ابن الزبير وقال: ويلٌ لك من الناس، وويل للناس منك لا تمسك النار إلّا تحلّة القسم.(۱-۲)

(حضرت ابن الزبیرؓ کے سر پر اپنا دست مبارک رکھتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا: لوگوں کی طرف سے تم کو مصیبت سہنی پڑے گی، تم سے لوگوں کو مصیبت پہنچے گی، تمہیں آگ نہیں چھو سکے گی، مگر کہیں برائے قسم)

بعض روایات سے حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی اس مصلحت کا پتہ چلتا ہے کہ یہ عمل علم و دین میں مفید ہوگا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کا وہ حصہ جو ذریت و نسل کو بطور موہبت حاصل ہو جاتا ہے یہاں کسبی طور پر حاصل ہو رہا ہے، انہوں نے جو حکمت بیان کی وہ یہ تھی کہ:

"إني شربته لأزداد به علمًا، وليكون شئ من جسد رسول الله ﷺ في جسدي، وجسدي أولىٰ به من الأرض"

(میں نے اس لیے پیا تا کہ اس کے ذریعہ میرے علم میں اضافہ ہو اور اس لیے بھی تا کہ رسول اکرم ﷺ کے مبارک جسم سے تعلق رکھنے

---

(۱) البدایہ والنہایہ ۹/۱۲۳ ط قطر (۲) "تحلة القسم" یہ عربی کی خاص تعبیر ہے جس کے ذریعہ یہ بتایا جاتا ہے کہ یہ چیز تمہارے ساتھ ہو ہی نہیں سکے گی۔

والی ایک چیز میرے جسم میں منتقل ہو جائے، زمین کے مقابلہ میں میرا جسم اس کا زیادہ حق رکھتا ہے)

یہ حکمت انہوں نے حضور ﷺ کے سامنے بیان کی، اس پر حضور ﷺ نے فرمایا

"أبشر لا تمسك النار أبدًا، ويل لك من الناس وويل للناس منك"(۱)

(خوش ہو جاؤ! تمہیں آگ کبھی چھو نہ سکے گی، لوگوں کی طرف سے تمہیں مصیبت سہنی پڑے گی، اور لوگ بھی تمہاری وجہ سے مصیبت میں مبتلا ہوں گے)

اس کی برکات فی الحقیقت حضرت عبداللہ بن الزبیر کے خون، گوشت، ہڈی، رگ وریشہ اور جسم کے ایک ایک حصہ میں دوڑ گئی تھیں اور ان کو وہ خاص قوت حاصل ہو گئی تھی، جس کو سمجھنے کے لیے عقلیں حیران رہتیں، فصاحت وبلاغت، شجاعت وبسالت، پاکیزگی روح وقلب ونظر اور وہ ثبات کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائے مگر یہ نہ ہلیں، مختلف زبانوں پر عبور، اس طرح کتنی باتیں ہیں جو ذکر کی جا سکتی ہیں مگر اس کے لیے دفتر چاہیے۔

بیعت برکت

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما ان چند خوش نصیب لوگوں میں ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بچپن سے شفقت دیکھی، اور اس کے سایہ پروان چڑھے، جیسے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عبداللہ بن جعفر اور حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عمر بن ابی سلمہ اور حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما۔ زبیر بن بکار کی روایت مؤرخ ابن کثیر نے ذکر کی ہے:

"أنّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم كلّم في غلمة ترعرعوا منهم عبدالله بن جعفر، وعبدالله بن الزبير، وعمر بن أبي سلمة فقيل يا رسول الله لو بايعتم فتصيبهم بركتك ويكون

---

(۱) البدایہ والنہایہ ۹/۱۱۱، تحقیق محمد حسان عبید ط قطر

لهم ذكر، فأتى بهم إليه فكأنهم تكعكعوا واقتحم عبدالله بن الزبير، فتبسّم رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال "إنه ابن أبيه" وبايعه"(۱)

(کہ رسول اللہ ﷺ نے چند بچوں کے سلسلہ میں گفتگو فرمائی جو پروان چڑھ رہے تھے ان میں عبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن زبیر اور عمر بن ابی سلمہ تھے، عرض کیا گیا کہ اے رسول خدا ﷺ اگر آپ بیعت فرماتے ان (بچوں) کو تو آپ کی برکات انہیں ملتیں، اور ان کا نام روشن ہوتا، جب یہ بچے آپ ﷺ کی خدمت میں لائے گئے تو ہچکچانے لگے، لیکن عبد اللہ بن زبیر آگے بڑھے تو رسول ﷺ مسکرائے اور فرمایا یہ اپنے باپ پر گیا ہے، اور ان کو بیعت فرمالیا)

صحیح مسلم کی روایت میں حضرت عبداللہ بن الزبیر کی تحنیک اور تسمیہ کے ذکر کے بعد اس واقعہ بیعت کا بھی ذکر ہے جو کچھ سالوں کے بعد کا ہے، حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما تفصیل بیان کرتی ہوئی کہتی ہیں کہ:

"ثم جاء وهو ابن سبع سنين أو ثمان ليبايع رسول الله صلى الله عليه وسلم وأمره بذلك الزبير فتبسّمَ رسول الله صلى الله عليه وسلم حين رآه مقبلاً إليه، ثم بايعه"(۲)

(وہ (عبداللہ بن زبیر) رسول ﷺ کی خدمت میں بیعت کے لیے سات یا آٹھ سال کی عمر میں حاضر ہوئے اور ان سے بیعت کے لیے حضرت زبیرؓ نے فرمایا تھا، جب انہیں رسول ﷺ نے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو حضور ﷺ مسکرائے پھر انہیں بیعت فرمالیا)

---

(۱) البدایہ والنہایہ ۹/۱۱۰/ تاریخ ابن عساکر ۲۸/۱۶۱-۱۶۲

(۲) صحيح مسلم ٢١٤٦، كتاب الآداب باب استحباب تحنيك المولود

خطابت:

خطابت میں وہ خطیب الاسلام کہے جانے کے سب سے زیادہ مستحق تھے، حضرت سعید بن المسیبؒ نے ان کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ خطباء اسلام میں شمار کیا ہے۔(۱)

حضرت ابن ابی سرحؓ کے ساتھ بربرقوم سے حضرت عثمانؓ کے عہد میں جنگ میں کامیابی کے بعد واپس ہوئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ماجرا سنانے کو کہا جو اس فصاحت وبلاغت سے سنایا کہ محفل میں موجود ان کے والد حضرت زبیر بن العوام سے رہا نہ گیا اور ان سے کہا کہ

"واللّٰه لكأنّي اسمعُ خطبةَ أبي بكر الصديق حين سمعتُ خطبتك يا بني"(۲)

(بخدا! گویا میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خطبہ سن رہا ہوں جس وقت میں نے تمہارا خطبہ سنا، اے فرزند من!)

طبرانیؒ کی روایت ہے محمد بن عبداللہ ثقفی کہتے ہیں، میں (عبداللہ) ابن الزبیر کے حج کے خطبہ میں حاضر تھا، وہ ترویہ سے ایک دن پہلے حالت احرام میں آئے، کیا ہی شاندار تلبیہ کہا، اس جیسا تلبیہ میں نے سنا نہیں تھا، پھر اللہ کی حمد وثنا بیان کی پھر فرمایا:

"أمّا بعد! فإنكم جئتم من آفاق شتى وفودًا إلى اللّٰه عزوجل، فحق على اللّٰه أن يكرم وفدهٗ، فَمَنْ كانَ مِنْكُمْ يَطْلُبُ ما عندَ اللّٰهِ فإنَّ طالبَ ما عندَ اللّٰهِ لا يَخِيب، فصدِّقوا قولكم بفعل فإن ملاكَ القولِ الفعلُ، والنية النية، والقلوب القلوب، اللّٰهَ اللّٰهَ في أيامِكم هذه، فإنها أيام تغفر فيها الذنوب، جئتم من آفاق شتى في غير تجارة ولا طلب مال ولا دينار ترجونها هاهنا"(۳)

---

(۱) البدایہ والنہایہ ۹/۱۱۳، ط.قطر (۲) البدایہ والنہایہ ۹/۱۱۴ (۳) بحوالہ سابق

(امابعد! آپ لوگ دنیا کے مختلف حصوں سے آقائے ذوالجلال کے حضور میں حاضر ہوئے ہیں، اس کا حق ہے کہ وہ اپنے وفود کی ضیافت کرے، آپ میں جو اللہ کی خیروں کا طالب ہے تو ایسا طالب نامراد نہیں ہوتا، آپ حضرات اپنی بات کی تصدیق اپنے فعل سے کریں، اس لیے کہ بات کی حقیقت فعل ہے، اور نیتوں کو دیکھیں، دلوں پر نظر رکھیں، اللہ کا پاس ولحاظ کریں، خاص طور پر ان مبارک ایام میں، یہ وہ ایام ہیں، جن میں گناہ معاف ہوتے ہیں۔ آپ لوگ دنیا کے مختلف مقامات سے غیر کاروباری مقصد سے اور مال وجاہ کی طلب کے بغیر یہاں آئے ہیں)

پھر انہوں نے اور سبھوں نے تلبیہ (لبیك اللّٰھم لبیك) کہا میں نے انہیں اس وقت جتنا روتے دیکھا اتنا کبھی نہیں دیکھا تھا۔(۱)

ملفوظات وہدایات:

جلیل القدر ائمۂ دین کی سند سے روایت ہے حضرت عبداللہ بن المبارک کہتے ہیں (حضرت) مالک بن انس نے حضرت وہب بن کیسان سے روایت کرتے ہوئے ہم کو بتایا کہ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے ایک نصیحت نامہ ہم کو لکھا تھا کہ:

"أمّا بعد! فإنّ لأهل التقوىٰ علامات يُعرَفون بها ويعرفونها من أنفسهم، صدق الحديث، وأداء الأمانة، وكظم الغيظ، وصبر على البلاء ورضىً بالقضاء، وشكر للنعماء، وذل لحكم القرآن، وإنما الأيام كالسوق ما نفق فيها حمل إليها وإن نفق الحق عندهٗ حمل إليه وجاءه أهله وإن نفق الباطل عندهٗ حمل إليه وجاءه أهله"(۲)

---

(۱) البدایہ والنہایہ ۹/ ۱۲۵، بحوالہ سابق (۲) البدایہ والنہایہ ۹/ ۱۲۵، بحوالۂ سابق

(اما بعد! اہل تقویٰ کی کچھ علامات اور نشانیاں ہیں، جن سے وہ پہچانے جاتے ہیں، اور ان علامات ونشانیوں سے وہ واقف ہوتے ہیں، (یعنی) راست گفتاری، امانتداری، غصہ پر قابو، مصیبت پر صبر، قدر وقضا پر تسلیم ورضا، نعمتوں پر شکر اور حکم قرآنی کے آگے خود سپردگی، زمانہ بازار کی طرح ہے، جس سے گرم بازاری ہوتی ہے وہی بازار میں لائی جاتی ہے، اگر کسی کے نزدیک حق کی اہمیت ہے تو اس کے پاس حق لایا جاتا ہے، اور اس کے گرد وپیش اہل حق ہی جمع ہوتے ہیں، اور اگر کسی کے نزدیک باطل کی اہمیت ہے تو باطل اس کے پاس آتا ہے اور اہل باطل ہی اس کے گرد جمع ہوتے ہیں)

عبادات سے شغف:

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کا ایک امتیازی وصف نماز سے گہرا تعلق تھا، علامہ ابن کثیر دمشقی نے اس سلسلہ میں سلف کے جو اقوال نقل کیے ہیں۔ ان میں چند ملاحظہ ہوں:

امام احمد بن حنبل نے کہا:

(امام) عبدالرزاق نے نماز ابن جریج سے سیکھی، اور ابن جریج نے عطاء سے اور عطاء نے ابن الزبیر سے اور ابن الزبیر نے صدیق (اکبر) سے اور صدیق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھی۔(۱)

ایک بار ابن الزبیر نماز میں مشغول تھے، چھت سے سانپ گرا، ان کے بیٹے ہاشم کے پیٹ پر اپنا طوق بنالیا، عورتوں کی آوازیں بلند ہوگئیں اور گھر والے پریشان ہوگئے اور سب لوگ سانپ کو مارنے کے لیے جمع ہوئے، یہاں تک کہ سانپ کو مار ڈالا اور بچہ صحیح سالم رہا۔ یہ سب کچھ ہوتا رہا لیکن ابن الزبیر نماز میں ایسے منہمک تھے

(۱) البدایہ والنہایہ ۹/۱۱۱

کہ ان کو کچھ پتہ نہ چلا کہ کیا پیش آیا۔(۱)

ارکان عبادت ونماز میں انہماک کا عالم یہ تھا کہ کھڑے ہوجاتے، کھڑے کھڑے صبح کردیتے، رکوع میں جاتے اسی میں صبح ہوجاتی، سجدہ میں پڑتے اسی میں رات گزار دیتے، رکوع اتنا طویل ہوجایا کرتا تھا کہ وہ رکوع میں تھے اور دوسری طرف تلاوت کرنے والے کا بیان ہے کہ میں نے سورۂ بقرہ، آل عمران، نساء اور مائدہ کی سورتیں پڑھ لیں مگر ابن زبیر رکوع ہی میں رہے۔(۲)

ابن ابی ملیکۃ کہتے ہیں: عبداللہ بن الزبیر کا تذکرہ عبداللہ بن عباس کے پاس ہوا انہوں نے فرمایا:

"كان عفيفًا في الإسلام، قارئًا للقرآن، صوّامًا قوّامًا، أبوه الزبير، وجده أبو بكر، وعمته خديجة، وجدته صفيه، وخالته عائشة واللّٰه لأحاسبن له بنفسي محاسبة لم أحاسبها لأبي بكر ولا لعمر"(۳)

(وہ اسلام میں عفیف رہے، قرآن خوب پڑھنے والے تھے، خوب روزے رکھتے، بڑے شب گزار تھے، ان کے والد زبیر (ابن العوام) اور نانا ابوبکر (الصدیق) اور پھوپھی خدیجہ (بنت خویلد ام المومنین) اور دادی صفیہ (بنت عبدالمطلب) اور خالہ (ام المومنین) عائشہ، لہٰذا میں ان کے لیے اپنا ایسا محاسبہ کروں گا جو میں نے ابوبکر وعمر کے سلسلہ میں نہیں کیا)

جہاں تک حج کی بات ہے علامہ ابن کثیر کہتے ہیں:

"وكانت ولاية ابن الزبير في سنة أربع وستين حج بالناس فيها كلها، وبنى الكعبة في أيامه كما أشار إليه رسول اللّٰه

---

(۱) بحوالہ سابق ۹/۱۱۲ (۲) بحوالہ سابق ۹/۱۱۱

(۳) البدایہ والنہایہ: ۹/۱۲۵، ط: وزارۃ الاوقاف قطر: ۲۰۱۵ء

صلى الله عليه وسلم ورد بناء ها كما كانت عليه، كما أخبرته بذلك عائشة أم المومنين رضي الله عنها، وكساها بالحرير، وكانت كسوتها قبل ذلك الأنطاع والمسوح، وكان يطيبها حتى يوجد ريحها من ظاهر الحرم وكان مكتوب على كسوتها لعبد الله بن أبي بكر أمير المؤمنين وكان ابن الزبير عالمًا، عابدًا، مهيبًا، وقورًا، كثير الصيام والصلاة، شديد الخشوع قوى السياسة"(۱)

(ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت ۶۴ھ میں قائم ہوئی، اپنی مدت خلافت میں انہوں نے حج کا معمول رکھا، اور کعبۂ مشرفہ کی وہ تعمیر کی جس تعمیر کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا تھا، اور اس کی جو پہلے تعمیر تھی اس تعمیر پر اسے وہ لے آئے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اطلاع دی تھی، اور ریشمی غلاف سے مزین کیا، اس سے قبل غلاف کعبہ انطاع اور مسموح کا تھا، وہ اسے ایسا معطر کرتے تھے، کہ حرم کے باہر اس کی خوشبو محسوس کی جاتی، غلاف کعبہ پر عبداللہ بن ابی بکر امیر المومنین مکتوب تھا(۲) اور عبداللہ بن الزبیر عالم، عابد، بارعب ووقار خوب روزے رکھنے والے اور خوب نماز پڑھنے والے، بڑے خشوع والے اور بڑے سیاسی قوت وبصیرت رکھنے والے فرد تھے)

جہاں تک جہاد وقتال فی سبیل اللہ کا تعلق ہے اس میں ان کے کارنامے یرموک وقادسیہ اور دوسرے موقعوں پر جیسے حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے محاصرہ کا موقع ہے، جس طرح سامنے آئے وہ تاریخ اسلام کے انمٹ نقوش میں،

---

(۲) أیضا: ۹/۱۱۸ (۲) عبارت تحقیق طلب ہے عبداللہ بن الزبیر ہونا چاہیے البتہ وہ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے نواسہ تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرہ میں ان کو چودہ زخم لگے تھے، وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت کے لیے مامور تھے۔

یرموک میں وہ اپنے والد حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ اور والدہ حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہما کے ساتھ شریک ہوئے تھے اور اپنے جوہر دکھائے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں بربر قوم جن کی بربریت مشہور تھی، حضرت ابن ابی سرح کی قیادت میں حصہ لیا، بربر ایک لاکھ بیس ہزار تھے اور مسلمان صرف بیس ہزار تھے، اور وہ گھر گئے تھے، حضرت عبداللہ بن الزبیر نے بڑی ہوشیاری سے راستہ نکالا اور تیس سواروں کے ساتھ شاہ بربر کا رخ کیا، لوگ سمجھے کہ یہ کوئی پیغام لے کر جا رہے ہیں، بادشاہ کا خیال سمجھ گیا مگر وہ ان کے وار سے بچ نہ سکا اور مارا گیا، اور یہیں سے بربر قوم شکست ہوئی، بہت سے مارے گئے اور بہت سے مسلمان ہوئے، مسلمان نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور فتح حاصل کی۔(۱)

جنگ جمل میں وہ اپنی خالہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ گئے۔ جہاد، عبادت وغیرہ کا ایسا شوق تھا کہ جب سب لوگ عاجز ہوئے وہ اس میں بھی پیش پیش ہوئے۔

حضرت مجاہد کہتے ہیں:

"ما كان بابٌ من العبادة يعجز عنه الناس إلّا تكلّفه ابن الزبير ولقد جاء سيل طبق البيت فطاف سباحة"(۲)

(جس عبادت سے دوسرے لوگ عاجز ہوتے اور ان کو نہیں کر پاتے، عبداللہ بن زبیر انہیں بھی انجام دیتے، چنانچہ ایسا بھی ہوا کہ سیلاب سے بیت اللہ گھر گیا تب بھی ابن الزبیر تیر کر طواف کرتے رہے)

عثمان بن طلحہ کہتے ہیں:

---

(۱) البدایہ والنہایہ ۹/۱۱۳ (۲) سیر اعلام النبلاء ۳/۳۷۰

"كان ابن الزبير لا ينازع في ثلاثة شجاعة، ولا عبادة، ولا بلاغة"(۱)

(ابن الزبیر کا تین باتوں میں کوئی ہم سر نہ تھا، بہادری میں، عبادت میں اور بلاغت میں)

حضرت حسینؓ اور حضرت ابن الزبیرؓ کے واقعہ میں مماثلت

سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ یہ وہ اصاغر صحابہ تھے جن کا ۶۰ھ کے بعد اکابر صحابہ میں شمار ہونے لگا تھا، یزید کی بیعت کے لیے یہ لوگ تیار نہ تھے، اور عراق والے اہل بیت کا دم بھرتے تھے، جب حضرت حسینؓ کو بلا کر ان کا ساتھ ان دم بھرنے والوں نے چھوڑ دیا، اور امویوں نے عراق کو بھی فتح کرلیا، صرف حجاز باقی رہ گیا تھا، جہاں حضرت عبداللہ بن الزبیر اور ان کے ہم نوا تھے، امویوں نے یہاں بھی وہ حکمت عملی اختیار کی، اپنا نہایت سخت گیر نمائندہ بھیج کر ایک طرف ظلم کے ذریعہ دوسری طرف داد و دہش کے ذریعہ ان کے ہم نواؤں کو اپنا بنالیا، لیکن حضرت عبداللہ بن الزبیر اسی پامردی سے مقابلہ کرتے رہے اور ٹس سے مس نہ ہوئے اور جان دے دی، اس طرح ایک کو باہر نکل کر اور دوسرے کو اپنی جگہ رہ کر یکساں حالات کا سامنا کرنا پڑا اور دونوں نے ثبات قدمی اور پامردی کی وہ نظیر پیش کی جس میں بعد والوں کے لیے نمونہ ہے۔

---

(۱) سیر اعلام النبلاء ۳/۳۷۰

محیی السنہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

(وفات ۷۴ھ)

نام ونسب اور تعلیم وتربیت

الامام القدوۃ شیخ الاسلام ابوعبدالرحمٰن القرشی العدوی المکی ثم المدنی عبداللہ بن عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزی بن ریاح بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب۔(۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر شفقت پروان چڑھے، چھوٹی عمر میں ایمان لائے تھے، ہجرت اپنے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کی اور وہ اس وقت سن بلوغ کو بھی نہیں پہنچے تھے، احد میں بھی عمر کم تھی، ان کا پہلا غزوہ غزوۂ خندق (احزاب) ہے، بیعت رضوان کا شرف بھی حاصل کیا، ان کی والدہ جوام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی بھی والدہ ہیں صحابی جلیل حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت زینب بنت مظعون رضی اللہ عنہا تھیں۔(۲)

---

(۱) تفصیل ملاحظہ ہو: طبقات ابن سعد: ۲/۳۷۳، التاریخ الکبیر: ۲/۵، الاستیعاب: ۹۵۰، مستدرك حاكم:۳/۵۵۶، سير أعلام النبلاء: ۳/۲۰۳

(۲) سیر أعلام النبلاء للذہبی ۳/۲۰۳-۲۰۴

علامہ ابن کثیر کہتے ہیں اپنے والد کے ساتھ اسلام قبول کیا۔(۱)

بیعت اسلام واحسان

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

"کنا نبایع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی السمع والطاعة یقول لنا فیما استطعت"(۲)

(کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر سمع و طاعت کی بیعت کرتے تھے، آپ ﷺ ہم لوگوں سے "فیما استطعت" (حتی الامکان) کی بات بھی فرماتے)

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا حال یہ تھا کہ چھوٹی سی چھوٹی، معمولی سی معمولی چیز میں رسول اللہ ﷺ کا طریقہ دیکھتے اور اس کو اختیار کرتے تھے۔ علامہ ابن الاثیر جزریؒ (۵۴۴-۶۰۶ھ) نے اس کو ایک جملہ میں اس طرح بیان کیا ہے:

"وکان من أهل الورع والعلم والزهد، شديد التحري والاحتياط والتوقي في فتياه وكل ما يأخذ به نفسه"(۳)

(بڑے ورع وتقوی اور علم وزہد کے حامل بزرگ تھے، مسائل بتانے میں بڑے محتاط اور اپنے لیے خیر اختیار کرنے میں بھی بڑے باریک بین تھے)

اسی لیے ان کی شخصیت سخت ترین حالات اور اختلاف کے زمانہ میں بھی غیر متنازعہ رہی اور باہمی اختلافات میں الگ تھلگ رہے، وہ سمع وطاعت کو ایک مسلمان کی دینی ایمانی روحانی ترقی میں بنیادی حیثیت دیتے تھے۔

---

(۱) البدایہ والنہایہ: ۹/۱۳۳

(۲) صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب البیعة علی السمع والطاعة: ۴۹۴۳

(۳) جامع الاصول، الجزء العاشر: ۳۹۱، ط؛ وزارة الاوقاف قطر ۲۰۱۲ء

تواضع

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنی نگاہ میں جس قدر چھوٹے اور معمولی تھے، دوسروں کی نگاہ میں خوب بلند اور لائق اتباع وتقلید تھے، ان کے ایک شاگرد حضرت مجاہد جو تابعی ہیں اور فقہاء تابعین میں ہیں، وہ کہتے ہیں، جیسا کہ علامہ ابن الاثیر نے لکھا ہے:

"قال مجاهد: كان ابن عمر يأخذني الركاب ويسوى على ثيابي اذا ركبت"(۱)

(مجاہد کہتے ہیں: ابن عمر میرے لیے رکاب تھامتے اور جب میں سوار ہوتا تو میرے کپڑے درست کرتے)

جہاد

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو جہاد کا بہت شوق وجذبہ تھا، غزوۂ احد میں شرکت کی پوری کوشش کی تھی، مگر کم سنی کی وجہ سے اجازت نہ ملی، غزوۂ خندق میں اجازت ملی، اس میں شرکت فرمائی، اس وقت وہ ۱۵/ سال کے تھے، پھر برابر غزوات میں شریک رہے، اور بعد میں یرموک، قادسیہ، جلولاء، فتح مصر، غزوۂ فارس، مدائن وغیرہ میں شریک رہے، اور مدائن بار بار تشریف آوری رہی۔(۲)

سنتوں کا احیاء واتباع اور ذوق عبادت اور نبوی آثار کے باقی رکھنے کا فکر وشوق

محی السنۃ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان جلیل القدر صحابہ میں ہیں جن کا شمار کم سن صحابہ میں کیا جاتا ہے، لیکن علم وفضل اور چھوٹی بڑی تمام سنتوں کی اتباع میں اہم صحابہ میں گنے گئے ہیں، اور ان سے دو ہزار چھ سو تیس حدیثیں مروی ہیں، اس کے

---

(۱) جامع الاصول، الجزء حادی عشر: ۱۱/ ۱۹۵، ذکر مجاہد بن جبر، ط: قطر

(۲) البدایہ والنہایہ: ۹/ ۱۳۳-۱۳۴

علاوہ فتاوی کا بڑا ذخیرہ ہے اور ان کے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے فتاوی فقہ اسلامی کے بنیادی مصدر ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو اس درجہ تعلق تھا کہ اس عمل کو جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہو اسی جگہ اور اسی طرح انجام دینے کا جذبہ رکھتے تھے، اور یہ جذبہ ان کے اندر اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ ان کے خصوصی مسترشد اور تلمیذ بلکہ جانشین حضرت نافع کی بات حضرت موسی بن عقبہ نے اس طرح بیان کی:

"لو نظرت إلى ابن عمر إذا اتبع رسول الله صلى الله عليه وسلم، لقلت هذا مجنون"(۱)

(اگر تم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا اتباع سنت کا حال دیکھتے تو تم ان کو دیوانہ ضرور کہہ دیتے)

حضرت نافع نے یہ بات حضرت موسی بن عقبہ سے کہی تھی، ان کے اس اظہار بیان سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں ڈوبے ہوئے تھے، اور اس درجہ فدا تھے کہ عام حالات میں لوگ ایسا محسوس کرنے لگے کہ عقل مغلوب ہوگئی ہے، لیکن یہ ان کی روحانی اور ایمانی عقل تھی، جس نے ان کو متبعین سنت حضرات کی جماعت کا سردار بنا دیا تھا، ان کے اس سلسلہ میں شدت اہتمام کو حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ جو ان کے بیک واسطہ خلیفہ ہیں، کہ وہ ان کے جانشین اور علمی وفکری وارث حضرت نافع رضی اللہ عنہ کے علمی وفکری جانشین تھے، بیان کرتے ہیں:

"أن ابن عمر كان يتبع أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم و آثاره وحاله ويهتم به، حتى كان قد خيف على عقله من اهتمامه بذلك"(۲)

---

(۱) سیر اعلام النبلاء للذہبی ۳/۲۱۳ (۲) أيضا

(حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اتباع کرتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار واحوال میں بھی آپ کی پیروی کرنے کا بڑا اہتمام کرتے، ان کے اس اہتمام کے غلبۂ حال کی وجہ سے ان کی دیوانگی کا شبہ ہونے لگتا)

اور حضرت نافع رضی اللہ عنہ مزید بیان کرتے ہیں:

"أن ابن عمر كان يتبع آثار رسول الله صلى الله عليه وسلم كل مكان صلى فيه، حتى إن النبى صلى الله عليه وسلم نزل تحت شجرة فكان ابن عمر يتعاهد تلك الشجرة، فيصب فى أصلها الماء لكيلا تيبس"(۱)

(حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار واحوال کی پیروی کرتے، اور جس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہوتی وہاں آپ بھی نماز پڑھتے، اور جس درخت کے نیچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے ہوتے وہاں آپ بھی تشریف فرما ہوتے اور اس درخت کی جڑ میں پانی ڈالتے کہ وہ درخت خشک نہ ہونے پائے)

اور منشاء نبوی کا اس درجہ خیال رکھتے تھے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنا:

"لو تركنا هذا الباب للنساء"

(کتنا اچھا ہوتا اگر ہم یہ دروازہ عورتوں کے لیے چھوڑ دیتے)

حضرت نافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پھر تا عمر اس دروازے سے مسجد نبوی میں داخل نہیں ہوئے۔(۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آپ کے سامنے آتا یا آپ ذکر کرتے تو دل اور آنکھ بے قابو ہو جاتے اور رو پڑتے، ان آیات پر جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر

---

(۱) سیر أعلام النبلاء للذہبی ۳/۲۱۳ (۲) ایضا

خاص طور پر گریہ طاری ہوا اور آپ کے آنسو جاری ہو گئے، آپ کے سامنے جب ان آیات کی تلات کی جاتی یا خود آپ ان کی تلاوت کرتے تو وہی حال طاری ہو جاتا، مثال کے طور پر آیت کریمہ:

﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ (النساء: ٤٠)

(وہ وقت کیسا ہوگا جب ہر امت سے ہم گواہ لائیں گے اور ان سب پر آپ کو گواہ لائیں گے)

اس آیت کی تلاوت کی گئی، حتی کہ داڑھی اور پیشانی یعنی آنکھ سے متصل اوپر اور نیچے کا حصہ تر ہو گیا۔(۱)

راتوں کے جاگنے کا معمول اس وقت سے شدت کے ساتھ تھا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی بہن ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے ایک خواب سن کر آپ کے صلاح کی وضاحت فرمائی تھی، لیکن اس کے ساتھ شب بیداری سحر خیزی کی طرف اشارہ کیا تھا چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ حال ہو گیا تھا کہ عشاء کی نماز جماعت سے کسی عذر کی وجہ سے نہ ادا کر سکے تو بقیہ شب اللہ سے دعا اور مناجات میں، نماز و تلاوت میں صرف کر دیتے، اور یہ حال ہو گیا تھا کہ پانی اپنے پاس رکھتے، وضو کرتے نماز پڑھتے جتنی پڑھنی ہوتی، پھر بستر پر آجاتے، پھر وضو کرتے، نماز پڑھتے، اسی طرح چار پانچ بار ایک ہی شب میں کرتے اور کچھ قیام کچھ استراحت میں پوری رات گزار دیتے۔

ایک حسرت

فتنوں میں نہ پڑتے، حق بات کہنے میں پیچھے نہ ہٹتے، عملی طور پر غیر جانبدار رہنا پسند کرتے، البتہ انہیں کچھ باتوں کا غم بعد میں رہا، اس میں امام ذہبی نے ان موقعوں کا

---

(۱) سیر اعلام النبلاء للذہبی ۳/۲۱۴

بھی ذکر کیا ہے جو خلافت برحق سے مقابلہ آرائی کے تھے، چنانچہ وفات سے قریب ان کا یہ قول وفعل نقل کیا ہے کہ:

"ما أجد في نفسي شيئاً إلا أني لم أقاتل الفئة الباغية مع علي بن أبي طالب"(۱)

(مجھے اس بات کا ہمیشہ ملال رہے گا کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر باغی گروہ کا مقابلہ نہ کرسکا)

دوسرا قول حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ عدم شرکت کا ہے، حضرت سعید ابن جبیر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

"لما احتضر ابن عمر قال ما آسى على شئ من الدنيا إلا على ثلاث، ظمأ الهواجر، ومكابده الليل، وأني لم أقاتل الفئة الباغية التي نزلت بنا يعني الحجاج"(۲)

(کہ اپنے جانکنی کے عالم میں فرمایا: مجھے دنیا کی تین باتوں کے علاوہ کسی اور چیز کا افسوس نہیں، سخت گرمی اور پیاس میں لوگوں کے ساتھ نہ نکلنے کا، اور رات کی عبادت کی مشقت کا اور باغی گروہ سے قتال نہیں کرنے کا جس کی قیادت حجاج کر رہا تھا)

ان کے نزدیک یہ موقع حضرت عبداللہ بن عمر زبیر رضی اللہ عنہ کی حمایت کا تھا۔

سادگی وتواضع اور شانِ عبدیت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو پسند نہیں تھا کہ انہیں بلند و بالا خطاب و القاب سے یاد کیا جائے، وہ عبدیت پسند واقع ہوئے تھے، تواضع رگ و ریشے میں سرایت کی ہوئی تھی، چنانچہ ان سے کہنے والے نے کہا:

"يا خير الناس أو ابن خير الناس"

---

(۱) سیر أعلام النبلاء للذہبی ۳/۲۳۲ (۲) ایضاً وطبقات ابن سعد: ۴/۱۸۵، شعیب الارناؤط

(اے سب سے بہتر (یا) اے سب سے بہتر کے بیٹے!)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے برداشت نہیں ہوا اور فرمایا:

"ما أنا بخير الناس ولا ابن خير الناس ولكني عبد من عباد الله، أرجو الله وأخافه"(۱)

(میں نہ سب سے اچھا ہوں اور نہ سب سے اچھے شخص کا بیٹا ہوں، ہاں میں اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں، اللہ سے ہی امیدوار ہوں اور اسی سے ڈرتا ہوں)

کسی کا خون بہانا انہیں اس قدر ناگوار تھا کہ بڑی بڑی چیز وہ اسی اندیشے میں ترک کردیتے، یہاں تک کہ خلافت قضا اور نیابت خلافت کو بھی اختیار نہیں کیا، جبکہ ان تینوں منصب کی مختلف موقعوں پر ان کے ساتھ پیش کش ہوئی تھی، امام ذہبی لکھتے ہیں:

"وأين مثل ابن عمر رضي الله عنه في دينه وورعه وعلمه، وتألمه وخوفه، من رجل تعرض عليه الخلافة فيأباها والقضاء من مثل عثمان فيرده، ونيابة الشام لعلي فيهرب منه فالله يجتبي إليه من يشاء ويهدي إليه من ينيب"(۲)

(حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جیسی تقوی شعار، علم وعمل اور خوف و خشیت والی شخصیت کہاں ملے گی، خلافت پیش کی گئی تو ٹھکرادیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے عہدۂ قضاء پیش کیا گیا تو معذرت کردی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے شام کی گورنری پیش کی گئی تو دور بھاگے، تو اللہ جس کو چاہتا ہے اپنا خاص بنالیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اسے ہدایت دیتا ہے)

لباس میں سادگی پسند کرتے اور وہ لباس اختیار کرتے جن میں ان کے شریک عام لوگ ہوتے، وہ اس میں تکبر فخر وغرور سے کوسوں دور رہتے، کسی نے ان پر سخت

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۳/۲۳۶ (۲) سیر اعلام النبلاء للذہبی ۳/۲۳۵

کھردرا بھدا لباس دیکھا تو کہا آپ کے لئے میں اچھا نرم خراسانی کپڑا لایا ہوں آپ پر اسے دیکھ کر میری آنکھ کو ٹھنڈک پہنچے گی، ان کی دلجوئی کے لئے اس کو لے لیا لیکن فرمانے لگے، یہ ریشمی تو نہیں ہے، اس نے کہا: روئی کا ہے، فرمانے لگے:

"إني أخاف أن ألبسه، أخاف أن أكون مختالاً فخوراً، والله لا يحب كل مختال فخور"(۱)

(میں اس کو پہننے سے ڈرتا ہوں، میں ڈرتا ہوں کہ میں فخر وغرور میں مبتلا نہ ہو جاؤں، اور اللہ کسی فخر وغرور والے کو بالکل پسند نہیں کرتا)

امام ذہبی اس سے نتیجہ نکالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"کوئی بھی لباس جس میں فخر وغرور کی علامت پائی جائے اسے اختیار کرنے سے گریز کرنا چاہیے"(۲)

ایثار کا ایک غیر معمولی واقعہ

﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِيناً وَيَتِيماً وَأَسِيراً﴾ صحابہ کا وہ وصف تھا جس کی تعریف قرآن پاک میں کی گئی ہے، اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ یہاں ذکر کیا جاتا ہے، ان کے جانشین حضرت نافع (جو ان کے آزاد کردہ غلام ہیں) کی روایت ہے کہ:

"ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیمار ہوئے، آپ نے تازہ مچھلی کھانے کی خواہش ظاہر کی، کہتے ہیں کہ میں نے مدینہ منورہ میں مچھلی تلاش کی، لیکن کہیں سے نہ ملی، پھر کچھ مدت کے بعد مجھے کہیں مچھلی نظر آئی، میں نے وہ مچھلی ان کے ڈیڑھ درہم میں خرید لی اور پکانے کے بعد روٹی پر رکھ کر میں نے ان کی خدمت میں پیش کر دی، اتنے میں ایک سائل دروازے پر آ گیا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما

---

(۱) سیر اعلام النبلاء للذہبی ۳/۲۳۳ (۲) ایضا: ۳/۲۳۴

نے فرمایا کہ یہ مچھلی روٹی میں لپیٹ کر اس سائل کو دے دو، غلام نے کہا کہ آپ کو مچھلی کی شدید خواہش تھی اور وہ مل نہیں رہی تھی، بڑی مشکل سے ملی، جسے ڈیڑھ درہم میں خریدا ہے، آپ کھائیے، سائل کو قیمت دے دیں گے، مگر وہ نہ مانے اور فرمایا کہ یہ مچھلی روٹی میں لپیٹ کر سائل کو دے دو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، البتہ غلام نے سائل سے کہا کہ تم ایک درہم ہم سے لے لو اور مچھلی دے دو، یہ سودا سائل (فقیر) کو پسند آیا، اور مچھلی حضرت ابن عمر کے پاس واپس آگئی، اور غلام نے عرض کیا کہ ایک درہم کے بدلہ یہ مچھلی خرید لی ہے، حضرت ابن عمر کو یہ سودا پسند نہ آیا، اور فرمایا کہ روٹی اور مچھلی دونوں ہی اسے واپس کر دو، اور درہم بھی اسی کے پاس رہنے دو، پھر یہ حدیث سنائی:

"انی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: ایما امرئ اشتھی شھوۃ فرد شھوتہ و آثر بھا علی نفسہ غفر اللہ لھا"(۱)

(کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ جس آدمی کے دل میں کسی چیز کی خواہش پیدا ہو، پھر وہ اس خواہش کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ترک کر دے، اور اپنی ذات پر کسی اور کو ترجیح دے دے تو اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرما دیتے ہیں)(۲)

سوز و عشق اور درد و محبت

مولانا عبداللہ عباس ندویؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بہترین سراپا کھینچا ہے اور لکھا ہے:

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساز دل میں یقین کا سرور

---

(۱) احیاء العلوم: ۳/۷۹، از: امام غزالی (۲) حیات القلوب، مصنفہ: حضرت مولانا محمد قمر الزماں الہ آبادی مدظلہ، صفحہ: ۳۲۶-۳۲۷، ط: مکتبہ دار المعارف الہ آباد ۲۰۱۶ء

تھا، محبت کی آگ تھی، دل کو دل بنانے والے سیرت ساز اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی فیض بخشی کا نور تھا۔

بلبل از فیض گل آموخت سخن ورنہ نبود
ایں ہمہ قول و غزل تعبیہ در منقارش

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما دنیاوی وجاہت اور مال ومتاع سے محروم نہ تھے، جوانی میں تجارت کرتے تھے، اس کی آمدنی سے کچھ باغات تھے اور بیت المال سے گزارا ملتا تھا، لیکن سخاوت، دنیا سے بے رغبتی جس کو زہد کہتے ہیں اور خشیت الٰہی ان کے مزاج کا جزء تھی، اپنی آمدنی کا اکثر حصہ اللہ کی راہ میں صرف فرمایا کرتے تھے۔

حضرت ایوب بن وائل الراسبی ان کے جود وسخا کا ایک واقعہ سناتے ہیں کہ ایک مرتبہ ان کے پاس چار ہزار درہم اور خوبصورت چادر آئی، دوسرے روز ایوب بن وائل نے ان کے بازار میں بکریوں کا چارہ ادھار خریدتے ہوئے دیکھا، ابن وائل حضرت عبداللہ کے گھر گئے، اور پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے، کل تو آپ کے پاس اتنی رقم آئی تھی، اور آج ان کے پاس چارہ خریدنے کے لئے پیسے نہیں ہیں؟ گھر والوں نے کہا ہاں یہ صحیح ہے کہ ان کے پاس رقم آئی تھی، مگر انہوں نے رات بستر پر جانے سے پہلے سب اہل حاجت میں تقسیم کر دی، اور چادر شانے پر ڈال کر نکلے تھے، مگر گھر کے پاس آئے تو وہ چادر بھی نہیں تھی، کسی حاجت مند کو دے دی۔

اصحاب سیر لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو دکھاوے کے کاموں سے نفرت تھی، حاجت مندوں کی ضروریات پورا کرنے کا ایک عام ذوق تھا، مگر دوستوں اور اقرباء کی دعوت کرنا اور اچھے قسم کے

کھانے تیار کرانا ان کے مزاج کے خلاف تھا، بلکہ بعض خاندانی افراد کو پر تکلف دعوتیں کرنے سے روکتے تھے، فرماتے: "تَدْعون الشِّباع وتَدَعون الجِياع" (پیٹ بھروں کو بلاتے ہو اور بھوکوں کو بھگاتے ہو) محتاج اور ضرورت مند بھی ان کی سخاوت کو جانتے تھے، جب گھر سے نکلتے تو اہل ضرورت اس طرح آپ کو گھیر لیتے جیسے شہد کی مکھیاں پھولوں اور کلیوں پر ٹوٹ پڑتی ہیں، مال ان کے نزدیک وسیلہ تھا، غایت ومقصود نہ تھا، زمانہ کے فتنہ سے آپ نے اپنے کو محفوظ رکھا، سیر وتاریخ کی کتابوں میں آپ کا مسلک واضح طور پر لکھا گیا ہے مگر باوجود اس کے ۸۵ رسال کی عمر پائی، عزت وتوقیر بزرگانہ احترام میں کسی نے کمی نہیں کی، مگر کسی ایسی جنگ میں شریک یا طرف دار نہیں ہوئے جس میں کسی مسلمان کا خون بہا ۷۲ھ میں آپ کی روح نے اعلیٰ علیین میں جگہ پائی، بعثت نبوی سے دو سال پہلے آپ پیدا ہوئے تھے، کیوں کی غزوہ بدر جو ۲ھ میں ہوا ہے اس وقت آپ کی عمر ۱۳ سال کی تھی، کمسنی کی وجہ سے جنگ میں شریک نہیں کئے گئے، مگر نوعمری سے لے کر آخری عمر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عادات واطوار، دائمی یا اتفاقی ہر ایک کو اپنی محبت و شیفتگی کی بنا پر واجب الاتباع سمجھتے رہے۔" (۱)

احترام انسانیت

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فتنوں سے بہت دور رہنے والے تھے، خون مسلم کے احترام میں بہت آگے تھے، اسی لئے وہ ایسے تمام موقعوں پر جنہیں مشاجرات صحابہ سے یاد کیا گیا وہ کنارے رہے، اور بعد کے قضایا میں جیسے یزید کی بیعت اور حضرت عبداللہ بن زبیر کے خلاف حجاج کی فوج کشی اس

(۱) پیغمبر اخلاق وانسانیت، ص/۲۲۰-۲۲۲ مطبوعہ دار العلوم سبیل السلام صوبہ حیدر آباد

میں وہ برائی کو دل سے برائی سمجھتے رہے لیکن کھل کر سامنے نہیں آئے، اور فریق بننا پسند نہیں کیا، ان کے علمی وفکری اور روحانی جانشین حضرت نافع رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن زبیر کے مسئلہ میں ان کا موقف اس طرح ظاہر کرتے:

"إن ابن عمر أتاه رجلان فی فتنة ابن الزبير فقالا: إن الناس صنعوا ما ترى وأنت ابن عمر وصاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم فما يمنعك أن تخرج؟ فقال: يمنعنى أن الله حرّم علىّ دم أخى المسلم، قال: ألم يقل الله تعالى: ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ﴾(البقرة: ١٩٣) فقال ابن عمر: قد قاتلنا حتى لم تكن فتنة وكان الدين لله، وأنتم تريدون أن تقاتلوا حتى تكون فتنة ويكون الدين لغير الله"(١)

(حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس دو لوگ آئے اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے فتنہ سے متعلق گفتگو کرنے لگے اور کہنے لگے کہ لوگوں نے جو کچھ کیا وہ آپ دیکھ ہی رہے ہیں، آپ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے اور صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، پھر آپ کے لیے کیا چیز مانع ہے کہ ان کے خلاف کھڑے ہوں؟ آپ نے فرمایا: مجھے یہ بات روک رہی ہے کہ اللہ نے مجھ پر کسی بھی مسلمان بھائی کا خون حرام کیا ہے۔ ان میں سے ایک نے کہا کیا اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا: "کہ ان سے قتال کرو یہاں تک کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے" تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: ہم نے قتال کیا یہاں تک کہ کوئی فتنہ باقی نہیں رہ گیا اور دین اللہ کے لیے ہو گیا، اور تم چاہتے ہو کہ تم قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ پیدا ہو جائے اور دین غیر اللہ کے لیے ہو جائے)

---

(١) رواه البخاري، سورة البقرة: ٤٢٤٣

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے فضل وکمال کا اعتراف اوران کے واقعہ شہادت پر اظہار افسوس

اور اسی زمانہ میں ایک کوشش مروان بن الحکم نے بھی یہ کی تھی کہ آپ شام تشریف لے چلیں اور نظام حکومت سنبھالیں، اہل شام آپ کے مطیع ہوجائیں، مگر آپ نے اس کو منظور نہ کیا، علامہ ابن کثیر دمشقی لکھتے ہیں:

"وقيل ان مروان قال لابن عمر ألا تخرج الى الشام فيبايعوك، قال: كيف أصنع بأهل العراق، قال: تقاتلهم بأهل الشام، فقال: والله! ما يسرني أن لي ملك الأرض وان الناس كلهم بايعوني و قتل منهم رجل واحد، وما أحب أنها أتتني ورجل يقول لا وآخرهم"(۱)

(کہا گیا ہے کہ مروان (ابن الحکم) نے حضرت عبداللہ بن عمر سے کہا کہ شام نہیں چلتے، وہاں لوگ آپ سے بیعت ہوجائیں گے، فرمایا: اہل عراق کے ساتھ کیا کرنا ہوگا، کہا: اہل شام کو لے کر ان سے لڑائی کرنی ہوگی، فرمایا: پوری زمین کی حکومت حاصل ہوجائے، اور سارے کے سارے انسان مجھ سے بیعت ہوجائیں، اور کسی ایک کا ایک قتل ہو یہ مجھے گوارہ نہیں، اور نہ ہی یہ پسند ہے کہ مجھے حکومت ملے اور ایک حامی ہو اور دوسرا مخالف)

اس طریقہ سے ابونوفل ہادیہ بن مسلم کہتے ہیں:

"رأيت عبد الله بن الزبير رضي الله عنه على عقبة المدينة (۲) قال: فجعلت قريش تمر عليه والناس حتى مرّ

(۱) تاریخ ابن کثیر: ۹/۱۳۵، ط: قطر (۲) مراد عقبہ مکہ ہے جو اہل مدینہ کے راستے میں تھا جب اہل مدینہ مکہ آتے تھے، اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ یہیں مصلوب تھے۔

علیه عبد الله بن عمر رضی الله عنه فوقف علیه، فقال: السلام علیك أبا خبیب، السلام علیك أبا خبیب، السلام علیك أبا خبیب، أما والله لقد کنت أنهاك عن هذا، أما والله لقد کنت أنهاك عن هذا، أما والله لقد کنت أنهاك عن هذا؟ أما والله بأن کنت ما علمت و صواماً قواماً وصولاً للرحم، أما والله لأمة أنت أشرها لأمة خیر، ثم نفذ عبد الله بن عمر، فبلغ الحجاج موقف عبد الله وقوله فأرسل إلیه فأنزل عن جزعه وألقي فی قبور الیهود"(۱)

(حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی نعش لٹکی ہوئی تھی، قریش کے لوگ اور دیگر لوگ بھی ان کے پاس سے گزر رہے تھے، یہاں تک عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا، تو وہ رک گئے اور کہا: السلام علیك أبا خبیب، السلام علیك أبا خبیب، السلام علیك أبا خبیب، بخدا میں آپ کو اس سے منع کرتا تھا، بلاشبہ آپ تو روزے پر روزے رکھنے والے اور کثرت سے نمازیں پڑھنے والے اور صلہ رحمی کرنے والے شخص تھے، بخدا آپ کو امت کا سب سے برا شخص سمجھا گیا، جب کہ یہ امت پوری پوری خیر ہی ہے، پھر حضرت عبداللہ بن عمر واپس ہوئے، حجاج کو ماجرا معلوم ہوا، اس نے ان کو بلوایا اور حضرت ابن الزبیر کو یہود کے قبرستان میں ڈلوادیا)

عبدالملک بن مروان کی خلافت کو تسلیم کر لینا

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب ان کی جگہ کوئی ان کا لواء اٹھانے والا نہ رہا اور عبدالملک بن مروان پر اتفاق کرلیا گیا، تو حضرت عبد

(۱) مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب کذاب ثقیف ومبیرھا۔

اللہ ابن عمر نے بھی اتفاق ظاہر کیا، حضرت سفیان ثوری حضرت عبداللہ بن دینار سے روایت کرتے ہیں کہ جب عبدالملک پر امت کا اجتماع ہوگیا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس خط کو لکھا:

"أما بعد! فاني قد بايعت لعبد الله عبد الملك أمير المؤمنين بالسمع والطاعة على سنة الله وسنة رسوله فيما استطعت وان بني قد أقروا بذلك"

(امابعد! میں نے اللہ کے بندہ عبدالملک امیر المومنین سے بیعت کی اور اس کے رسول کی سنت کے مطابق سمع وطاعت پر بقدر طاقت و استطاعت اور میری اولاد کا بھی یہی اقرار ہے)(۱)

حق گوئی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بڑے حق گو صحابی تھے، کیسے وہ افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر کو چھوڑ سکتے تھے، چنانچہ باوجود حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حجاج کے فتنہ میں الگ تھلگ رہنے کے حجاج کے منکرات ومظالم پر تنقید کرتے اور روک ٹوک کرتے، مختلف موقعوں پر ان کے درمیان مکالمات تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہیں، حجاج انہیں اس پر سخت سست بھی کہتا، اور یہ بھی کہا گیا کہ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کو مصلوب دیکھ کر ان کا ان سے خطاب حجاج کو بہت برا لگا تھا، جس کا حجاج نے ان سے انتقام بھی لیا جو ان کی وفات کا سبب بنا، انہوں نے حضرت ابن الزبیر کے سلسلہ میں جو کلمہ حق برملا کہا اور ان کی تعریف کی جسے صحیح مسلم میں 'کتاب فضائل الصحابہ، باب کذاب ثقیف ومبیرھا' میں امام مسلم نے ذکر کیا ہے، جو پچھلی سطروں میں گذری، اس کو شارح مسلم امام نووی نے حضرت ابن الزبیر کے حق میں لیتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ حجاج کے ان

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۳/۲۳۱

کے خلاف پروپیگنڈے اور الزامات کا رد تھا اور اسی ضمن میں لکھا ہے کہ

"مذهب أهل الحق ان ابن الزبير كا مظلوما وأن الحجاج ورفقته كانوا خوارج عليه"(۱)

حجاج ظالم کے مظالم کو دیکھتے ہوئے انہوں نے اظہار حق اور ان کے مقام سے واقف کرانے میں ذرا پس وپیش نہیں کیا۔

صفات وخصوصیات

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی بڑی خصوصیت اطاعت فرمانبرداری اور عبادت گزاری تھی، وہ اپنے والد کی اطاعت میں بھی ضرب المثل تھے، اسی طرح سنتوں کی اتباع میں بے نظیر تھے، ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ مال ومتاع دینا چاہا انہوں نے عرض کیا کہ جو مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہو یہ اس کو عنایت فرمادیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لینے کو کہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ دیا کہ اشراف نفس نہ ہو تو لینا مبارک ہوتا ہے، انہوں نے کہا اور پھر بعد میں بھی ان کا یہ حال رہا کہ انہیں کوئی ہدیہ وغیرہ دیتے اور وہ اشراف نفس محسوس نہ کرتے تو قبول فرمالیتے اور کہتے تھے:

"انی لا أسئل أحداً شيئاً ما رزقنی الله فلا أرده"(۲)

(میں کسی سے کچھ مانگتا نہیں ہوں اور نہ ہی اللہ کی دی ہوئی چیز کو لوٹاتا ہوں)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کرنے میں پیش قدمی کرتے تھے، حضرت معمر روایت کرتے ہیں کہ ابوعمرو ندبی نے کہا:

"خرجت مع ابن عمر فما لقي صغيراً، ولا كبيراً إلا سلم عليه"(۳)

---

(۱) شرح نووی صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب كذاب ثقيف و ومبيرها (۲) البدایہ والنہایہ: ۹/۱۰۳۴، ط: قطر

(۳) سلام میں پیش قدمی اور سبقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی اہم ترین سنتوں میں ہے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ازالۃ الخفاء میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس کو رأس التواضع قرار دیتے تھے۔

(میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نکلا تو راستہ میں کوئی بھی چھوٹا بڑا ملا، آپ نے اس کو سلام کیا)

ظاہری وضع قطع کے تعلق سے حضرت نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

"أن ابن عمر كان يقبض على لحيته ويأخذ ما جاوز القبضة"(۱)

(حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ مشت بھر داڑھی رکھتے تھے اور زائد کو چھانٹ دیتے تھے)

عثمان ابن ابراہیم حاطبی کہتے ہیں:

"رأيت ابن عمر يحفي شاربه، حتى ظننت انه ينتفه، وما رأيته، إلا محلل الإزار، وإزاره إلى نصف ساقه، وقيل: كان يتزر على القميص في السفر، ويختم الشئ بخاتمه، ولا يكاد يلبسه ويأتي السوق، فيقول: كيف يباع هذا؟ ويصفر لحيته"(۲)

(حضرت عبداللہ بن عمر کو میں نے مونچھیں صاف کرتے دیکھا، مجھے شبہ ہوتا تھا کہ وہ سب کے سب بال اکھاڑتے ہیں، انہیں میں نے تہبند پہنے دیکھا جو نصف ساق تک ہوتی تھی، سفر میں کرتا پہنتے تھے، اور انگوٹھی پہنتے تھے، بازار میں کہتے کیسے یہ فروخت ہوگی، اور داڑھی میں خضاب لگاتے تھے)

علم میں رسوخ اور تفقہ میں رتبہ عالی حاصل تھا، امام مالک جیسے جلیل القدر امام و محدث وفقیہ نے ان کے رتبہ ومقام کو اس طرح ظاہر کیا ہے:

"كان إمام الناس عندنا بعد زيد بن ثابت عبدالله بن عمر، مكث ستين سنة يفتي الناس"(۳)

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۳/۲۲۱ (۲) سیر أعلام النبلاء: ۳/۲۲۱ (۳) سیر اعلام النبلاء ۳/۲۲۰-۲۲۱

(ہمارے نزدیک زید بن ثابت کے بعد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما لوگوں کے امام ومقتدا تھے، ساٹھ سال تک فتوی کی خدمت انجام دی)

ایک بار اہل عراق نے مکھی یا مچھر کے خون کے بارے میں ان سے سوال کیا کہ اس کا کیا حکم ہے؟ بڑے اصلاحی وتربیتی انداز میں انھوں نے جواب دیا کہ یہ لوگ تو اس کے بارے میں تو حکم معلوم کر رہے ہیں اور نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کے قتل کے مجرم ہیں۔ (یعنی ان کے قتل کا احساس نہیں)(۱)

مسلک ومشرب

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما باوجود نوجوان صحابی ہونے کے عظیم القدر صحابی تسلیم کیے گئے ہیں، ان کا لحاظ واحترام خود ان کے والد حضرت عمر بن الخطاب کرتے تھے، علامہ ابن اثیر کہتے ہیں:

"انه مات وهو فی الفضل مثل أبيه، و كان يوم مات خير من بقی"(۲)

(وفات پائی تو وہ فضل میں اپنے والد جیسے تھے، اور جو صحابہ رہ گئے تھے ان میں سب سے بزرگ تھے)

لیکن وہ نزاعی باتوں اور کاموں سے بہت دور رہتے تھے، اس لیے کہ اللہ کو ان سے علم دین کی تعلیم وتبلیغ اور خدمت واشاعت اور فروغ وترویج کا کام لینا تھا، اسی اعتبار سے آپ کا مزاج تشکیل پایا، اور جس کو اللہ تعالیٰ جس کام کے لیے پیدا کرتا ہے، اس کو وہی مزاج عطا فرما دیتا ہے، اور ان کا مسلک یہ تھا کہ امیر کی اطاعت کو ضروری سمجھتے اور کوئی واضح بات خلاف حقیقت وشریعت دیکھتے تو برملا ٹوک دیتے، جیسے نماز کی تاخیر اور اس میں کمی اور کوتاہی وغیرہ، چنانچہ حجاج ظالم کو کئی بار ٹوکا، اور جب اس نے حضرت عبداللہ ابن الزبیر کے بارے میں کہا کہ عبداللہ بن الزبیر نے کتاب اللہ کو

---

(۱) تہذیب الاخلاق، از: مولانا عبدالحی حسنی (۲) تاریخ ابن کثیر: ۹/۱۳۴

بدل دیا تو حجاج کے منہ پر اس کی تکذیب کی، ورنہ وہ کوئی بھی امیر ہوتا اور وہ صحابی جلیل ہونے کے باوجود اس کے پیچھے نماز پڑھتے، ابن الزبیر اور حجاج کی آزمائش کے زمانہ میں وہ الگ تھلگ تھے، اور حجاج کی امامت میں نماز ادا کر لیتے تھے، جو امیر ہوتا اگرچہ وہ ان کے نزدیک اس منصب کا اہل نہ ہوتا، مگر اپنے مال کی زکوۃ اس کو ادا کرنے میں پس وپیش نہ کرتے، البتہ امور خیر کی طرف متوجہ کرتے، جب حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے خلافت کی باگ ڈور سنبھالی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ پر ان کی نظر انتخاب پڑی تھی کہ انہیں شام کا والی بنائیں، مگر انہوں نے بڑی لجاجت کے ساتھ معذرت پیش کر دی، علامہ ابن کثیر مؤرخ ابن سعد کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"لما قتل عثمان واستخلف علي، أتاه ابن عمر فقال له علي: انك محبوب الى الناس، فسر الى الشام، فقد وليتكها، فقال: أذكرك الله و قرابتي وصحبتي لرسول الله صلى الله ﷺ والرحم، الا ما وليت غيري وأعفيتني فأبى عليه، فاستعان بحفصة أخته، فكلمته ثم سار من ليلته الى مكة هاربا منه"(۱)

(جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ان کے پاس آئے تو حضرت علیؓ نے ان سے کہا: آپ لوگوں کو محبوب ہیں، شام تشریف لے چلیں، میں نے آپ کو وہاں کی ولایت سپرد کی ہے، انہوں نے عرض کیا: میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں، اور رشتہ داری کا اور حضور ﷺ کی صحابیت کا اور صلہ رحمی کا کہ آپ یہ ذمہ داری ہمیں سپرد نہ کریں، اور اس سے ہمیں معاف رکھیں، جب حضرت علی نے معذرت قبول نہ کی تو پھر اپنی بہن ام المومنین حضرت حفصہ کا سہارا لیا

(۱) تاریخ ابن کثیر: ۹/۱۳۵، ط: قطر

اور انہوں نے بات کی پھر اسی رات مکہ معظمہ چلے گئے)

بعض خاص اعمال

"وکان یتوضأ لکل صلوۃ ویدخل الماء فی أصول عینیه"(۱)
(اور وہ ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے، اور دونوں آنکھوں کے اندر پانی ڈالتے تھے)

پسندیدہ مال راہ خدا میں خرچ کر دیتے، یہاں تک کہ جس غلام یا باندی سے زیادہ متاثر ہوتے، اسے اللہ کی محبت میں حائل نہ ہونے دیتے، اور آزاد کر کے خلاصی حاصل کرتے، چنانچہ غلام ان کا تقرب حاصل کرنے کے لیے وہ کام کرتے جو انہیں زیادہ پسند ہوتے، جیسے مسجد کی حاضری وغیرہ، حضرت ابن عمر اس التزام کو دیکھتے تو خوش ہو کر اسے آزاد کر دیتے، لوگ کہتے آپ کو دھوکہ دینے کے لیے یہ ایسا کرتے ہیں، آپ متاثر نہ ہوں، وہ فرماتے کہ جو اللہ کے خاطر ہم کو دھوکہ دیتا ہے، ہم اللہ کے خاطر (خوشی خوشی) دھوکہ کھاتے ہیں، ان کی ایک وہ باندی تھی جسے وہ بہت پسند کرتے تھے، اسے بھی آزاد کر دیا اور اپنے آزاد کردہ غلام حضرت نافع سے اس کا نکاح بھی کر دیا، اور فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿لَن تَنَالُواْ الْبِرَّ حَتَّى تُنفِقُواْ مِمَّا تُحِبُّونَ﴾(آل عمران: ۹۲)
(تم ہرگز پوری نیکی کو نہیں پا سکتے جب تک تم اس چیز کو نہ خرچ کر دو جو تمہیں پسند ہے)

داد و دہش اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ ایک غلام چالیس ہزار دینار میں خریدا پھر اسے آزاد کر دیا، اس نے کہا: زندگی گذارنے کے لیے تو کچھ دیجئے، تو اس کو چالیس ہزار دینار بھی عنایت کر دیئے۔

ایک بار پانچ غلام خریدے، نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو یہ پانچوں ان کے

(۱) ابن کثیر: ۹/۱۳۳

پیچھے نماز پڑھنے لگے، فرمایا: کس کے خاطر تم سبھوں نے نماز پڑھی، ان سبھوں نے کہا: اللہ کے لیے، فرمایا: جس کے لیے تم نے نماز پڑھی ہے اس کے لیے تم سب آزاد ہو، اور باقاعدہ آزاد کردیا۔

ایک بار حضرت معاویہ نے انہیں کسی سبب سے سو ہزار (دینار) بھیجے، اس سے سال گذارنے سے پہلے وہ رقم جا چکی تھی۔(۱)

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے والد عبدالعزیز بن مروان اموی نے جو کہ مصر کے والی رہے تھے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ اپنی ضرورت بتایئے، تو حضرت ابن عمر نے جواب میں لکھا کہ

"ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "اليد العليا خير من اليد السفلى وابدأ بمن تعول" ولست أسألك شيئا ولا أرد رزقا رزقنيه الله عزوجل منك"(۲)

(کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے، اور شروع وہاں سے کرو جس کی کفالت و پرورش تمہارے ذمہ ہے، میں آپ سے کچھ مانگوں گا نہیں، البتہ اللہ آپ کی جانب سے جو رزق بھیجے گا، اسے لوٹاؤں گا بھی نہیں، اور نہ ہی میرا معمول اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو لوٹانے کا ہے)

ان کی سخاوت اور زہد کا عالم یہ تھا کہ سوید بن قیس کہتے ہیں: مجھے عبدالعزیز بن مروان نے ایک ہزار دینار کے ساتھ ابن عمر کے پاس بھیجا، میں حاضر ہوا اور انہیں پرچہ دیا، فرمایا: مال کہاں ہے؟ میں نے عرض کیا: صبح پیش کریں گے، فرمایا: ابن عمر رات اس طور پر نہیں گذار سکتا کہ اس کے پاس ایک ہزار دینار ہوں، اور یہ کہہ کر مجھے پرچہ لوٹا دیا، پھر جب میں رقم لے کر حاضر ہوا، سب کی سب تقسیم کردی۔(۳)

---

(۱) ملاحظہ ہو: البدایہ والنہایہ: ۹/۱۳۴، وتاریخ دمشق: ۳۱/۱۳۲۲-۱۳۷

(۲) مسند ابویعلی موصلی: ۱۰/۹۷، رقم: ۵۷۳۰، البدایہ والنہایہ: ۹/۲۱۲، ط: قطر

(۳) تاریخ الاسلام للذہبی: ۵/۱۳۴، البدایہ والنہایہ: ۹/۲۱۲

اولاد

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اولاد مختلف نکاح سے متعدد ہیں، یزدجرد کی تین بیٹیاں تھیں جو ایران کی فتح کے بعد اہل اسلام کے پاس آئیں اور مسلمان ہوئیں، ان کے ساتھ ان کے مرتبہ کا خیال رکھتے ہوئے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے انہیں تین برگزیدہ گھروں میں دیا، ایک خاندان نبوت میں حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو، ایک خلیفہ رسول اللہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے یہاں ان کے فرزند حضرت محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو، اور ایک اپنے فرزند حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو اور ان تینوں سے اولاد پھلی پھولی اور جلیل القدر ائمہ واعلام پیدا ہوئے۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

"وذكر الزمخشري في "ربيع الابرار" أن يزدجرد كان له ثلاث بنات سبين في زمن عمر بن الخطاب، فحصلت واحدة لعبد الله بن عمر، فأولدها سالما، والأخرى لمحمد بن أبي بكر الصديق فأولدها القاسم، والأخرى للحسين بن علي فأولدها عليا زين العابدين هذا، فكلهم بنو خاله"(۱)

(ربیع الابرار میں زمخشری نے لکھا ہے کہ یزدجرد (آخری ایرانی بادشاہ) کے تین بیٹیاں تھیں، جو حضرت عمر بن الخطاب کے زمانہ میں قید ہو کر آئی تھیں، ایک حضرت عبداللہ بن عمر کے حصہ میں آئیں، جن سے (حضرت) سالم پیدا ہوئے، اور دوسری حضرت محمد بن ابی بکر کے حصہ میں آئیں جن سے حضرت قاسم پیدا ہوئے، اور ایک حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں جن سے (امام) علی زین

(۱) البدایۃ والنہایۃ: ۹/۲۸۰، ط: قطر

العابدین پیدا ہوئے، اس طرح یہ سب آپس میں خالہ زاد بھائی تھے)

دوسری ازواج میں حضرت صفیہ کا نام مشہور ہے، جو حضرت ابو عبیدہ ثقفی کی صاحبزادی تھیں، ان کی اولاد کے نام ابوبکر، ابوعبیدہ، واقد، عبداللہ، عمرو، حفصہ، سودہ، اور عبدالرحمٰن، سالم، عبیداللہ، حمزہ، زید اور عائشہ ہیں۔

تلامذہ و مسترشدین

فقہاء صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اچھی عمر اور اچھے تلامذہ و خلفاء پائے، ان کی عمر ۸۳ سال ہوئی، اور تلامذہ میں ان کے صاحبزادگان گرامی حمزہ، بلال، زید، سالم، عبداللہ، عبیداللہ اور عمر کے نام علامہ ابن کثیر نے مانے ہیں، ان کے علاوہ جن ارشد تلامذہ کا ذکر کیا ہے، ان میں حضرت اسلم (جو ان کے والد حضرت عمر بن الخطاب کے غلام تھے) اور حضرت انس بن سیرین، حضرت حسن بصری، حضرت سعید بن جبیر، حضرت سعید بن المسیب، حضرت طاؤس، حضرت عروہ، حضرت عطاء، حضرت عکرمہ، حضرت مجاہد اور حضرت محمد بن سیرین، امام زہری اور خود ان کے اپنے غلام (آزاد کردہ) حضرت نافع کے اسماء گرامی ہیں۔

وفات

امام مالک جو بیک واسطہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے علوم و معارف کے وارث و حامل اور جانشین ہیں، کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کی عمر ۸۶ سال ہوئی اور ساٹھ سال کا عرصہ علم کی خدمت ارشاد و افتاء میں لگایا، ان سے استفادہ کے لیے دور دور سے وفود آتے تھے، علامہ ابن کثیر نے ان کا تذکرہ وفیات ۷۴ھ میں کیا ہے، اور لکھا ہے کہ وہ مرض وفات میں تھے، حجاج عیادت کو آیا، اس سے نگاہیں پھیر لیں، اور اس کی بات کا جواب نہیں دیا، مکہ معظمہ میں حاجیوں کی واپسی کے بعد ۸۴ سال کی عمر میں وفات پائی، اور محصب میں تدفین ہوئی، مکہ معظمہ میں یہ وفات پانے والے آخری صحابی تھے۔

خادم رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

(وفات ۹۳ھ)

نبوی اور خاندانی نسبت

امام ذہبی کہتے ہیں:

"أنس بن مالك بن النضر بن ضمضم بن زيد بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدى بن النجار، الإمام، المفتى، المقرئ، المحدث، راوية الإسلام، أبو حمزة الأنصارى الخزرجى النجارى المدنى، خادم رسول الله صلى الله عليه وسلم وقرابته من النساء وتلميذه وتبعه وآخر أصحابه موتا، روى عن النبى صلى الله عليه وسلم علماً جماً"(۱)

(امام، مفتی، قاری، محدث، راویۃ الاسلام ابوحمزہ انصاری خزرجی نجاری مدنی، خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ننیہالی رشتہ دار اور شاگرد اور پیروکار اور آخر میں وفات پانے والے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا علم حاصل کیا)

---

(۱) سیر أعلام النبلاء للذہبی

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا تعلق انصار کے قبیلہ بنو النجار سے تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ دس برس کے تھے، اس وقت آپ کی والدہ حضرت ام سُلیم نے اپنے اس ہونہار فرزند کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، حضرت انس رضی اللہ عنہ کے والد مالک بن النصر سے حضرت ام سلیم کی شادی ہوئی تھی، حضرت ام سلیم نے اپنے اس شوہر کی وفات کے بعد حضرت ابوطلحہ انصاری سے نکاح کیا، اس طرح حضرت انس حضرت ابوطلحہ کے ربیب ہوئے، حضرت انسؓ نے حضرت نے حضرت ابوطلحہ انصاری کی تعلیم وتربیت سے بڑا فائدہ اٹھایا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت انس کے سرپرست حضرت ابوطلحہ انصاری ہی تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ کے گھرانہ کے ساتھ خصوصی معاملہ

اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو گوناں گوں صلاحیتوں اور فضائل سے نوازا، اور اس میں ان کو حاصل اس شرف کا بڑا دخل ہے، جو ہمہ قت ساتھ رہنے اور خدمت کرنے سے حاصل ہوا، آپ کم سن تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بہت کام لیتے، اور بڑی ملاطفت اور نرمی سے پیش آتے، اور کبھی کبھار کام انجام دینے میں ان سے تاخیر ہوتی تو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سرزنش نہ فرماتے، اور محبت وشفقت کے انداز میں تادیب فرماتے تھے، جب آپ کی والدہ ام سلیم آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت میں پیش کرنے آئیں اور دعا کی درخواست کی تو اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا دی کہ: "اللھم اکثر مالہ وولدہ" حضرت انس قبولیت دعا کا اثر بتاتے تھے "واللہ! مجھے مال بھی خوب ملا، اور اس وقت میری اولاد اور اولاد کی اولاد سو کے قریب ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس کی والدہ کے گھر تشریف لاتے تھے، صحیح بخاری میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ام سلیم کے مکان پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، حضرت ام سلیم نے کچھ کھجور گھی وغیرہ پیش کیا، تو یہ فرما کر نہیں لیا کہ میں روزے سے ہوں، لیکن اس کی تلافی دلجوئی سے فرمائی، کہ گھر کے ایک گوشے میں جا کر

نماز ادا کی پھر حضرت ام سلیم کے لئے اوران کے اہل خانہ کے لئے دعا کی، انہوں نے حضرت انس کے لئے خاص طور پر دعا کے لئے کہا، حضرت انس فرماتے ہیں:

"فما ترك خير آخرة ولا دنيا إلا دعا لي به"

(کہ دنیا وآخرت کی کوئی خیر نہیں چھوڑی جس کی دعا ہمیں نہ دی ہو)

پھر یہ دعا دی کہ:

"اللهم ارزقه مالاً وولداً وبارك له فيه"

حضرت انسؓ فرماتے ہیں (اس دعا کا کھلا اثر یہ ظاہر ہوا کہ)

"فإني لمن أكثر الأنصار مالاً"(۱)

(کہ میں انصار کے بڑے مالداروں میں سے ایک ہوں)

دعائے نبوی کے معجزانہ اثرات

حضرت ثابت بنانیؒ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ان کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور اس کے اثرات کو ان الفاظ میں ذکر کیا ہے، کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

"دعا لي رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: اللهم أكثر ماله وولده وأطل حياته"

(اے اللہ! انھیں خوب مال واولاد اور لمبی عمر عطا فرما)

پھر وہ کہتے ہیں کہ:

فالله أكثر مالي حتى أن كرماً لي لتحمل في السنة مرتين، وولد لصلبي مأة وستة"(۲)

(تو اللہ نے مجھے خوب مال ودولت عطا فرمایا اور میرے باغ سال میں دوبار پھل دینے لگے اور میری صلبی اولاد ایک سو چھ ہو چکی ہے)

---

(۱) ملاحظہ ہو: صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب من زار قوماً فلم يفطر عندهم

(۲) سیر اعلام النبلاء ۳/۳۹۹

اور درازیٔ عمر کا یہ حال تھا کہ خلیفہ بن خیاط کہتے ہیں:

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ۹۳ھ میں وفات پائی، اور وہ ۱۰۳ رسال کے تھے۔''(۱)

حضرت انسؓ کے لئے قبولیت دعا کے اثرات کو ابوالعالیہ یوں بیان کرتے ہیں، ابوداؤد طیالسی کی روایت ہے ابوخلدہ کہتے ہیں میں نے ابوالعالیہ سے عرض کیا کہ کیا انسؓ نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے؟ ابوالعالیہ نے کہا انہوں نے آپ کی دس سال خدمت کی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دعا دی، ان کا ایک باغ سال میں دوبار پھل لاتا تھا، اور اس میں ایسا خوشبودار پودا تھا جس سے مشک کی خوشبو پھوٹتی تھی۔(۲)

مسند عبد بن حمید میں دعا کا یہ اضافہ بھی ہے کہ

"اللهم أكثر ماله وولده وأدخله الجنة"

حضرت انس کہتے ہیں کہ

"فقد رأيت اثنتين و أنا أرجو الثالثة"(۳)

(کہ دو کو دیکھ لیا تیسری کا انتظار ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت ومزاح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت انسؓ پر جو عنایات اور شفقتیں تھیں ان کا اس بات سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے مزاح بھی فرمایا، اور آپ کی کنیت بقلہ کی نسبت سے ابوحمزہ رکھی کہ کھانے میں ہلکی کھٹاس ہو تو اس کھانے کی چیز کو حمزہ کہتے ہیں۔(۴)

اسی طرح دونوں کانوں کی طرف اشارہ کر کے کہا: یا ذاالاذنین! کمسن بچے کو یہ خطاب اس کے دل کو باغ باغ اور مجلس باغ و بہار کر دینے والا ہوتا ہے، اور اس مزاح

---

(۱) استیعاب ۱/۱۹۹ (۲) سیر اعلام النبلاء: ۳/۴۰۰

(۳) مسند عبد بن حمید، حدیث نمبر: ۱۲۵۵، اسنادہ حسن (۴) کما فی النہایہ

سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح میں کس قدر حقیقت اور سچائی ہوتی، اور جس سے مزاح کیا جارہا ہے اس کو اپنائیت اور تعلق کا احساس ہوتا، نہ کہ ایسا مزاح جس سے تنقیص وتحقیر کا پہلو نکلے، اور یہ چیز نبی تو نبی کسی ولی سے بھی مستبعد ہے۔

دربار نبوت سے خصوصی استفادہ

جہاں تک علم ومعرفت کا تعلق ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا حظ وافر ملا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور صحبت کے انوار وبرکات سے دل کو صیقل کیا، اور نور نبوت سے منور کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے دست مبارک پر کوئی بیعت کرتا، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ نبوت محبت وتعلق اس پر پڑ جاتی تو وہ سکنڈوں میں فرشی سے عرشی ہو جاتا، یہ تو نگاہ نبوت تھی، عام مومنین صادقین کی نگاہوں میں جن کی نگاہیں گناہوں سے دور رہتی ہیں، صالحین کی نگاہوں میں یہ تاثیر اللہ رکھ دیا کہ انسان کی پرواز بڑی بلند ہو جاتی ہے، اور سچ کہا ہے علامہ اقبالؒ نے مرد مومن کے بارے میں کہ

"نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں"

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت وصحبت میں رہ کر ایک ایک لمحہ کو نور نبوت سے نورانی بنایا تھا، اسی لئے اعمال دین کے سب سے مہتم بالشان رکن نماز آپ کی ایسی تھی کہ صحابہ کہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے سب زیادہ مشابہ ہے۔

آپ کا ظاہر اس قدر بلند اور آپ کا رتبہ اس قدر عالی تھا، اسی طرح آپ نے خود علم ومعرفت کے حصول کی جو سند بیان کی اس کو انہیں کے الفاظ میں ملاحظہ کیا جائے، ان کے شاگرد خاص اور مسترشد وجانشیں حضرت ثابت بنانی کہتے ہیں: مجھ سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا:

"یا ثابت خذ عنی فإنك لم تأخذ عن أحد أوثق منی، إنی أخذته عن رسول الله صلی الله علیه وسلم عن جبریل، و

أخذه جبريل عن الله تعالى"(۱)

(اے ثابت! مجھ سے حاصل کرلو، کیونکہ مجھ سے زیادہ باوثوق ذریعہ حصول نہیں پاؤ گے، میں نے اس (علم ومعرفت) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل سے اور انھوں نے اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا ہے)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کس طرح ہوئی اور وہ کیسے خدمت کے لئے قبول کر لئے گئے اس کو سید التابعین حضرت سعید بن المسیبؒ حضرت انس بن مالکؓ سے اس طرح بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

"قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة وأنا ابن ثمان سنين، فأخذت أمي بيدي فانطلقت بي إليه، فقالت: يا رسول الله! لم يبق رجل ولا امرأة من الأنصار إلا وقد اتحفك بتحفة، وإني لا أقدر على ما اتحفك به إلا ابني هذا، فخذه، فليخدمك ما بدا لك، قال: فخدمته عشر سنين، فما ضربني ولا سبني ولا عبس في وجهي"(۲)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اس وقت میں ۸ سال کا تھا، میری والدہ ہاتھ پکڑ کر مجھے آپؐ کی خدمت میں لے گئیں، پھر عرض کیا، اے اللہ کے رسول! کوئی انصاری مرد اور خاتون باقی نہ رہی کہ اس نے آپؐ کی خدمت میں تحفہ نہ پیش کیا ہو، میرے پاس اور کچھ پیش کرنے کو نہیں، بطور تحفہ اپنے اس منے کو پیش کئے دیتی ہوں، تو آپؐ قبول فرمالیں، جب تک آپ چاہیں گے یہ آپ کی خدمت میں رہے گا، حضرت انس کہتے ہیں، چنانچہ میں نے حضور صلی

---

(۱) سنن ترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب انس بن مالک رضی اللہ عنہ

(۲) سیر اعلام النبلاء ۳/۳۹۸ بحوالہ سنن ترمذی

اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی کبھی نہ مجھے مارا، اور نہ ہی سخت و سست کہا، اور نہ ہی ناگواری ظاہر کی اور نہ رخ پھیرا)

ایک اور روایت میں حضرت انس نے خدمت میں حاضری کی عمر دس سال بتائی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت اپنی عمر ۲۰ سال بتائی ہے، اپنے اس دس سالہ تجربات کی روشنی میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم اور تواضع اور چھوٹوں پہ شفقت اور خوش مزاجی اور رہن سہن میں دوسروں کے ساتھ رفق و ملاطفت اور خود اپنے سلسلہ میں نظامت اور نفاست کا خیال کہ ذرا بھی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچنے پائے، ان صفات وخصوصیات کا حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس طرح اظہار فرمایا ہے۔

وہ کہتے ہیں:

"كان رسول الله صلى الله عليه وسلم أحسن الناس خلقاً"

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے پاکیزہ اخلاق کے حامل تھے)

اور کہتے ہیں:

"ما مسست ديباجاً ولا حريراً ألين من كف رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا شممت رائحة قط أطيب من رائحة رسول الله صلى الله عليه وسلم"

(میں نے کوئی دیباج وحریر (ریشم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے زیادہ نرم نہیں چھوا، اور نہ کوئی خوشبو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ سونگھا)

اور کہتے ہیں:

"ولقد خدمت رسول الله صلى الله عليه وسلم عشر سنين فما قال لي: أف، ولا قال لشئ فعلته، لم فعلته؟ ولا لشئ لم أفعله، هلا فعلت كذا"(۱)

---

(۱) یہ روایتیں بخاری اور مسلم دونوں میں مذکور ہیں (روائع الاعلاق شرح من تہذیب الاخلاق ص ۴۵۱-۴۵۲)

(اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال تک خدمت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے اُف تک نہ کہا، اور اگر میں نے کوئی کام کرلیا تو کبھی یہ نہیں فرمایا کہ تم نے ایسا کام کیوں کیا، اور اگر کوئی کام نہ کرسکا تو کبھی یہ نہیں فرمایا کہ تم نے ایسا کام کیوں نہیں کیا؟)

بلاشبہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے آنحضور ﷺ کی بڑی صحبت اٹھائی، اور خوب خدمت کی، درآنحالیکہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق تمام سیرت نگار متفق ہیں کہ آپ اپنا کام کاج خود انجام دیتے، اور دوسروں پر بوجھ بننا گوارا نہ فرماتے، جبکہ دوسروں کے لئے نہایت شرف واعزاز کی بات ہوتی کہ آپ کوئی کام ان سے کہیں اور خدمت کا موقع دیں، لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ کا معاملہ کچھ استثنائی محسوس ہوتا ہے، اور ان کی والدہ حضرت ام سلیم نے اسی جذبہ سے آپ کی خدمت میں ان کو دیا تھا کہ اس طرح ان کو آپؐ کے زیرنگرانی وزیرتربیت پروان چڑھنے کا موقع اور سعادت عظمیٰ حاصل ہوگی، وہ کم عمر تھے، گھر میں آنا جانا تھا، اور آپ ﷺ اور آپؐ کے اہل بیت ان سے بڑے مانوس تھے، چنانچہ حضرت فاطمہ زہرا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کے بعد حضرت انسؓ سے جس تعلق سے یہ فرمایا کہ تمہارے نفس نے گوارا کرلیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر مٹی ڈالو!

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کے بعد آپؐ کے خلفاء راشدین اور اجلہ صحابہ حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت اسید بن حضیر، اور اپنی والدہ حضرت ام سلیمؓ، اور ان کے شوہر حضرت ابوطلحہ اور خالہ حضرت ام حرام اور ان کے شوہر حضرت عبادہ ابن الصامتؓ، اور حضرت ابو ذر غفاریؓ، حضرت مالک بن صعصہؓ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے استفاد کیا اور تکمیل کی، ان حضرات کے ساتھ امام ذہبی نے حضرت فاطمہ زہراء سیدۃ نساء العالمین کا بھی خصوصیت سے ذکر کیا ہے کہ ان سے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کسب فیض کیا۔(۱)

---

(۱) سیر اعلام النبلاء ۳/۳۹۶

ذہبی کہتے ہیں:

"فاطمة النبوية وعدة"

(کہ اور فاطمہ نبویہ سے اور دوسرے صحابہ وصحابیات سے)

حضرت انسؓ کے لیے خانہ نبوت سے استفادہ اس لیے بھی آسان ہوا کہ وہ چھوٹے تھے اور جب نبی کریم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہ صرف دس سال کے تھے، خود وہ فرماتے ہیں:

"قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة وأنا ابن عشر ومات وأنا ابن عشرين وكن أمهاتي يهئنني على خدمة الرسول صلى الله عليه وسلم"(۱)

(رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے، میں اس وقت دس سال کا تھا، اور جب وفات ہوئی تو میں بیس سال کا تھا اور میری مائیں (خالائیں) مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت پر ابھارتی تھیں)

حضرت انسؓ کی خصوصیت ہے کہ ان کو پوری مدنی زندگی میں آنحضور ﷺ کی خدمت وصحبت سے بھرپور فائدہ اٹھانے کا موقع ملا، اور اسی خدمت کے شرف نے باوجود صغرسنی کے غزوات میں شرکت کرائی، یاں تک کہ غزوہ بدر میں وہ آنحضور ﷺ کے ساتھ رہے، لیکن مقابلہ پر نہ آنے کی وجہ سے بدریین کے اسماء میں ان کا نام نہیں ملتا۔

امام ذہبی نے اس خدمت وصحبت کے شرف کو اس طرح بیان کیا ہے:

"فصحب أنس رضي الله عنه نبيه صلى الله عليه وسلم أتم الصحبة، ولازمه أكمل الملازمة، منذ هاجر، وإلى أن مات، وغزا معه غير مرة، وبايع تحت الشجرة"(۲)

(حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل صحبت اٹھائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے آپ کی وفات تک

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۳/ ۳۹۷ (۲) سیر أعلام النبلاء: ۳/ ۳۹۷

برابر ساتھ ساتھ رہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ متعدد غزوات میں شرکت کی اور بیعت الرضوان کا شرف بھی حاصل کیا)

اور پھر ذکر کیا ہے کہ ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ حضرت انسؓ سے استفسار کیا گیا:

"أشهدت بدراً؟ فقال: لا أم لك، وأين أغيب عن بدرا"

(کیا آپ نے بدر میں شرکت کی ہے؟ فرمایا: کیوں نہیں، آخر ہم بدر سے کیونکر غائب رہ سکتے تھے)

پھر یہ وضاحت کی ہے:

"خرج مع رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى بدر وهو غلام يخدمه"

(حضرت انسؓ آپ ﷺ کے ساتھ بدر کے لیے نکلے تھے، حالانکہ وہ اس وقت چھوٹے تھے اور آپ کی خدمت میں رہتے تھے)

اور امام ذہبی نے تطبیق دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"لم يعده أصحاب المغازي في البدريين لكونه حضرها صبياً ما قاتل، بل بقي في رحال الجيش، فهذا أوجه الجمع"(۱)

(اصحاب مغازی نے انہیں بدری صحابہ میں شمار نہیں کیا ہے، اس لیے کہ ان کی شرکت بچپن کی تھی، اور انہوں نے قتال نہیں کیا تھا، ہاں وہ لشکر میں ضرور تھے، یہ تطبیق کی صورت ہے)

ایک بڑا شرف اور شفاعت کا وعدہ

سنن ترمذی کی روایت ہے حضرت نضر بن انس بن مالک رضی اللہ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ:

---

(۱) سیر اعلام النبلاء ۳/۳۹۷

"سألت النبي صلى الله عليه وسلم أن يشفع لي يوم القيامة، فقال: أنا فاعل، قلت يا رسول الله! فأين أطلبك؟ قال: اطلبني أول ما تطلبني على الصراط، قلت: فان لم ألقك على الصراط؟ قال: فاطلبني عند الميزان، قلت: فان لم ألقك عند الميزان؟ قال: فاطلبني عند الحوض، فاني لا أخطئ هذه الثلاث المواطن"(۱)

(میں نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ کیا آپ میری روز قیامت کو سفارش فرمائیں گے؟ فرمایا: میں کروں گا، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کو کہاں ڈھونڈھوں گا؟ فرمایا: پہلے تم مجھے ڈھونڈھنا پل صراط پر، میں نے عرض کیا کہ اگر میں آپ سے پل صراط پر نہ مل پایا تو؟ فرمایا: تو تم مجھے میزان کے پاس دیکھنا، میں نے عرض کیا: میں اگر میزان پر بھی آپ سے نہ مل سکوں؟ فرمایا: حوض کے پاس دیکھنا، میں ان تین جگہوں پر ہوں گا)

حدیث بیان کرنے میں احتیاط

اگرچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے حدیث شریف کا بڑا ذخیرہ مروی ہے کہ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:

"روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أحاديث جمة وأخبر بعلوم مهمة"

(رسول اللہ ﷺ سے بڑی حدیثیں ان سے مروی ہیں اور اہم علوم کی انہوں نے خبر دی)(۲)

---

(۲)سنن الترمذی، أبواب صفة القيامة، باب ما جاء في شأن الصراط: ۲٤۳۳

(۲)ابن کثیر:۹/۲۵٦

پھر بھی ان کی احتیاط کا یہ حال تھا کہ حدیث بیان فرماتے تو فرماتے:

"أو كما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم"

(کہ یا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا)(۱)

زیارت رسول اللہ ﷺ

حضرت انسؓ نے رسول اللہ ﷺ کی دس سال خدمت کے ساتھ صحبت اٹھائی اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد ۸۲ سال بقید حیات رہے، اور تقریباً ۱۰۳ سال کی عمر پائی، یہ ان کا نصیب تھا اس طویل مدت میں بھی وہ زیارت سے محروم نہ رہے، مثنی بن سعید الذراع کہتے ہیں میں نے حضرت انس بن مالکؓ کو فرماتے سنا ہے:

"ما من ليلة الا وأنا أرى فيها حبيبي رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم يبكي"

(کہ کوئی رات ایسی نہیں گذرتی کہ اپنے حبیب رسول اللہ ﷺ کی زیارت نہ ہوتی ہو، یہ کہہ پھر وہ رونے لگے)(۲)

نماز

مقربین بارگاہ ایزدی اور اولیاء واصفیاء کی شان نماز رہی ہے، حضرت انسؓ کی یہ خصوصیت ہے کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کا قرب وصحبت اس وقت سے حاصل ہوگیا جب سن بلوغ کو بھی نہیں پہنچے تھے، ان کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے نماز رسول اللہ ﷺ سے سیکھی جس کا اثر یہ ظاہر ہوا کہ حضرت ابو ہریرہؓ جیسے جلیل القدر صحابی یہ فرماتے ہیں کہ

"ما رأيت أشبه صلاة برسول الله صلى الله عليه وسلم من ابن أم سليم يعني أنس بن مالك"(۳)

---

(۱) البدایہ والنہایہ: ۹/۲۵۹، طبع خاص قطر ۲۰۱۵ء (۲) البدایہ والنہایہ: ۹/۲۵۸، طبع خاص قطر بحوالہ طبقات ابن سعد (۳) البدایہ والنہایہ: ۹/۲۵۸

(کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز پڑھنے والا ابن ام سلیم (یعنی انس بن مالک) سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو نماز سے اس قدر تعلق تھا اور اس کی وجہ سے ان کو یہ ملال رہتا تھا کہ لوگوں نے نماز کو ضائع کر دیا۔ امام زہری کہتے ہیں:

"دخلت على أنس بن مالك بدمشق وهو يبكي، فقلت: ما يبكيك؟ قال: لا أعرف مما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم وأصحابه الا هذه الصلاة وقد صنعتم فيها ما صنعتم" (۱)

علامہ ابن کثیر حضرت انس کی سیرت کا خلاصہ ایک جملہ میں پیش کرتے ہیں:

"وكان أنس رضي الله عنه كثير الصلاة والصيام والعبادة" (۲)

صحابہ وتابعین کا مقام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی وبشارت

ایمان ویقین، عشق ومحبت، اور عظمت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھانے، زیارت وملاقات کرنے اور جس کو بھی سعادت حاصل نہ ہوتی دیدار کرنے کی سعادت اور شرف واعزاز ملا، وہ بھی کم نہیں اور وہ ہزار ایسے عابدوں مجاہدوں اولیاء واصفیاء پر بھاری ہے، جس کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا، اور ایک حدیث شریف سے اس کی تائید ہوتی ہے، اور انسانی تجربات بھی اس کے مؤید ہیں۔

امام ترمذی اپنے استاد یحییٰ بن حبیب بن عربی سے اور وہ اپنے شیخ موسیٰ بن ابراہیم بن کثیر الانصاری سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے طلحہ بن خراش کو فرماتے سنا ہے، وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے جابر بن عبداللہ کو کہتے سنا ہے، وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

"لا تمس النار مسلماً رآني أو رأى من رآني"

(کسی ایسے مسلمان کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھ کو دیکھا

---

(۱) أیضا: ۹/ ۲۵۷ (۲) بحوالہ سابق: ۹/ ۲۵۷

ہے یا اس شخص کو دیکھا ہے جس نے مجھے دیکھا ہے)

حضرت جابر کے شاگرد طلحہ بن حراش نے اس حدیث کو سنانے کے بعد کہا کہ میں نے جابر بن عبداللہ کی زیارت کی ہے، اور ان کے شاگرد موسی نے کہا کہ میں نے طلحہ کی زیارت کی ہے، یحییٰ بن حبیب نے کہا کہ مجھ سے موسی نے کہا اور تم نے مجھ کو دیکھا اور ہم سب اللہ سے اچھی امید رکھتے ہیں۔(۱)

ایک دوسری حدیث سے دوسرے تمام لوگوں پر ان حضرات کی فضیلت معلوم ہوتی ہے، جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ملا، اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہوئے حدیث کے الفاظ کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں، وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"خير الناس قرني، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم، ثم يأتي قوم من بعد ذلك تسبق أيمانهم شهاداتهم أو شهاداتهم أيمانهم"

(بہترین لوگ مجھ سے ملنے والے لوگ ہیں، پھر جو ان سے ملتے ہوئے ہیں، پھر جو ان سے ملے ہوئے ہیں، پھر ایسے لوگ آئیں گے جن کی قسمیں ان کی گواہیوں پر اور ان کی گواہیاں قسموں پر سبقت لے جائیں گی)

امام ترمذی "وفی الباب" کہہ کر اشارہ کرتے ہیں کہ حضرت عمر، حضرت عمران بن حصین اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہم کی روایات سے بھی اس روایت کی تصدیق ہوتی ہے۔(۲)

اس طرح صحابہ کے بعد ان تابعین کی جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا، ایمان بھی لائے مگر کسی عذر کی وجہ سے صحبت و زیارت سے مشرف نہ ہو سکے،

---

(۱) سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب ما جاء فی فضل من رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(۲) أیضاً

پھر ان تابعین کی جنہوں نے صحابہ کی صحبت اٹھائی اور زیارت کی اور پھر ان اہل ایمان ویقین حضرات کی جنہوں نے صحابہ کی زیارت تو نہ کی لیکن صحابہ کا زمانہ پایا، لقاء ثابت نہ ہوسکی لیکن معاصرت رہی، اور پھر سبھی تبع تابعین، اور پھر جو جتنا ایمان اور عمل صالح کے ساتھ عہد نبوت سے قریب رہا، کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ان چند صحابہ کرام میں ہیں جنہوں نے بالکل آخر میں وفات پائی، سو سال سے زیادہ عمر ہوئی ۹۳ھ میں جمعہ کے دن بصرہ میں وفات پائی، بصرہ میں وہ آخری صحابی تھے، پھر وہاں اور کوئی صحابی نہ رہا، اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے سانحہ اعظم کے سو سال کے عرصہ میں روئے زمین پر کوئی صحابی زندہ نہ رہے، سبھی وفات پا گئے۔

ایک آزمائش اور اس کا ازالہ

حضرت انس بن مالکؓ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت سے جو عزت وشرف حاصل ہوا تھا وہ اس کا متقاضی تھا کہ آپ کی خدمت کو ہر مسلمان عین سعادت وشرف سمجھتا تھا، لیکن حجاج بن یوسف ثقفی کو کچھ بدگمانی ہوگئی اور وہ بہت بدسلوکی کرنے لگا تھا، جس سے حضرت انسؓ کو بڑی ذہنی تکلیف پہنچی تھی، آخر تنگ آکر انہوں نے خلیفہ عبدالملک کو پایہ تخت دمشق شکایت نامہ بھیجا، اور یہ باور کرایا کہ اگر یہود ونصاری کو ایسے لوگ مل جاتے جنہوں نے ان کے نبی کی خدمت کی ہوتی تو یہ لوگ ان کو سر پر بٹھا لیتے، اور میں نے تو دس سال خدمت کی ہے، علامہ ابن کثیر دمشقی لکھتے ہیں:

"وقد ذكر أبو بكر بن عياش: أن أنسا بعث الى عبد الملك يشكو اليه الحجاج ويقول: والله! لو أن اليهود والنصارى رأوا من خدم نبيهم لأكرموه وأنا قد خدمت رسول الله صلى الله عليه وسلم عشر سنين"(۱)

حضرت انسؓ نے حجاج کی جانب سے اذیت رسانی کا صراحت سے ذکر کیا تھا،

(۱) تاریخ ابن کثیر: ۹/۲۶۰، ط: قطر

جس کا عبدالملک پر بڑا اثر پڑا اور خلیفہ نے حجاج کو سخت خط لکھا، جس کے بعد وہ حضرت انسؓ سے مصالحت کے لیے بے چین ہو گیا اور اچھا معاملہ کرنے لگا، جس میں یہ واضح حکم تھا کہ:

"اذا جاء ك كتابى فقم الى أنس واعتذر اليه" (۱)

(کہ میرا خط پہنچتے ہی تم انس کے پاس جانا اور معذرت کرنا)

چنانچہ اس کے بعد سے حجاج کا رویہ حضرت انس کے ساتھ بالکل بدل گیا۔

خلفاء اور تلامذہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے خلفاء میں سب سے اہم نام حضرت ثابت بنانی کا ہے، جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بڑے ہی منظور نظر تھے، اور وہ تعلق مع اللہ میں اپنے معاصرین میں امتیازی شان رکھتے تھے، دوسرے اجلہ تلامذہ و کبار مسترشدین میں حضرت حسن بصری، اور امام شعبی، حضرت قتادہ، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ کی شخصیتیں بہت نمایاں اور مشہور ہیں، اور دیگر اہم ناموں میں علامہ ابن سیرین، حضرت مکحول، یحییٰ بن سعید الانصاری، سلیمان تیمی، امام زہری اور حمید الطویل رحمہم اللہ وغیرہ ہیں، ذہبی کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بعض ثقہ تلامذہ ۱۵۰ھ تک باحیات رہے، بعد کے لوگ اس پایہ کے نہیں تھے، اور جن کی وفات ۲۰۰ھ کے بعد ہوئی ان کا اعتبار نہیں۔ (۲)

اور جنہیں بالکل اخیر میں حاضری کا شرف اور زیارت و ملاقات اور اس قلب منور سے اپنے قلب کو منور کرنے کا موقع نصیب ہوا، ان میں ایک اہم بلند مقام شخصیت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے، اس طرح ان کو بھی یہ فضلیت حاصل ہوئی کہ انہوں نے ان کی زیارت کی اور صحبت اٹھائی، جنہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی صحبت اٹھائی تھی، بلکہ مسلسل دس سال اور تمام

(۱) بحوالہ سابق: ۹/۲۶۰ (۲) سیر اعلام النبلاء ۳/۳۹۶

شب وروز میں بطور خادم ساتھ رہنے کا شرف وعزت اور بلند مقامی حاصل کی تھی، دیگر حضرات تابعین کی طرح امام صاحب کو علم میں استفادہ اور کسب فیض کا موقع ان سے مل نہ سکا، جو دوسروں نے ان کی طویل العمری سے فائدہ اٹھا کر موقع غنیمت جانا، البتہ نور نبوت کی کرنوں سے آپ نے اپنے قلب ودماغ، جوارح اور قوی اور احساس و شعور کو منور ومعطر کیا اور روایت بھی کی، اور قارئین اس حدیث کو گذشتہ صفحات میں ملاحظہ کر چکے ہیں جس میں اس شخص کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ہے جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان ویقین کے ساتھ دیکھا، اور پھر جس نے اس کو ایمان ویقین وعظمت ومحبت کے ساتھ دیکھا جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تھی، ایسا مومن جہنم کی گرفت میں نہیں آئے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک الفاظ اس طرح ہیں۔

"لا تمس النار مسلماً رآني أو رأى من رآني"(۱)

(جہنم میرے دیکھے ہوئے مسلمان کو نہیں چھوئے گی یا جس نے میرے دیکھنے والے کو دیکھا)

اس لیے یہ حدیث تمام مسلمانوں کو پیغام دیتی ہے کہ کسی بھی متبع سنت اور موحد امتی کی زیارت و ملاقات کو اور اگر صحبت و خدمت کا موقع میسر آجائے تو اس کو دوسرے اعمال خیر پر فوقیت دے، اس لیے کہ اس سے وہ ایمانی اور نورانی فوائد حاصل ہوتے ہیں جو دوسرے ذرائع سے آسان نہیں۔

---

(۱) سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب فی فضل من رأی النبی صلی الله علیه و سلم و صحبه.

تذکرۂ صحابیات

صحابیات کا مقام

علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبی جلد دوم صفحہ ۳۰۷-۳۰۹/ میں لکھتے ہیں:

صحیح بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلاء (ازواج مطہرات سے چند روز علاحدگی) کی جو روایت مذکور ہے، اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: ''مکہ میں ہم لوگ عورتوں کو بالکل ناقابل التفات سمجھتے تھے، مدینہ میں نسبتاً عورتوں کی قدر تھی، لیکن نہ اس قدر جس کی وہ مستحق تھیں۔''(۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اپنے ارشاد و احکام سے ان کے حقوق قائم کیے، آپ کے برتاؤ نے اور زیادہ اس کو قوی اور نمایاں کر دیا، ازواج مطہرات کے واقعات مستقلاً مذکور ہیں، یہاں ہم عام واقعات لکھتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں چونکہ ہر وقت مردوں کا ہجوم رہتا تھا، عورتوں کو وعظ و پند سننے اور مسائل دریافت کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا، مستورات نے آکر درخواست کی کہ مردوں سے ہم عہدہ برآ نہیں ہو سکتے، اس لیے ہمارے لیے ایک دن خاص مقرر کر دیا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست قبول فرمائی، اور ان کے دربار کا ایک خاص دن مقرر ہو گیا۔(۲)

---

(۱) البخاری کتاب التفسیر سورۃ التحریم باب قوله قد فرض الله لکم....۲/۷۲۹

(۲) صحیح البخاری، کتاب العلم، باب هل یجعل للنساء یوماً علی حدة...۱/۲۰

جن لوگوں نے آغاز اسلام میں حبش ہجرت کی تھی، ان میں اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بھی تھیں، خیبر کی فتح کے زمانہ میں مہاجرین حبش مدینہ میں آئے تو وہ بھی آئیں، ایک دن وہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے ملنے گئیں، اتفاق یہ کہ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، ان کو دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے نام بتایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہا نے کہا: ''ہاں وہ حبش والی، وہ سمندر والی۔'' اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے کہا: ''ہاں وہی۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ہم نے تم لوگوں سے پہلے ہجرت کی اور اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمارا زیادہ حق ہے۔'' اسماء رضی اللہ عنہا کو سخت غصہ آیا، بولیں: ''ہرگز نہیں، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، وہ بھوکوں کو کھلاتے تھے، ہمارا یہ حال تھا کہ گھر سے دور، بیگانے حبشیوں میں رہتے تھے، لوگ ہم کو ستاتے تھے اور ہر وقت جان کا ڈر لگا رہتا تھا۔''

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے، اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: ''یا رسول اللہ! عمر نے یہ یہ کہا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم نے کیا جواب دیا؟'' انھوں نے ماجرا سنایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عمر کا حق مجھ پر تم سے زیادہ نہیں، عمر اور ان کے ساتھیوں نے صرف ایک ہجرت کی اور تم لوگوں نے دو ہجرتیں کیں۔''

اس واقعہ کا چرچا پھیلا تو مہاجرین حبش جوق در جوق اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس آتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ان سے بار بار دہروا کر سنتے، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ مہاجرین حبش کے لیے دنیا میں کوئی چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ سے زیادہ مسرت انگیز نہ تھی۔(۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جو خادم خاص تھے، ان کی خالہ کا نام ام حرام تھا (جو رضاعت کے رشتہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی خالہ تھیں) معمول تھا

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر ۲/۶۰۷

کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبا تشریف لے جاتے تو ان کے پاس ضرور جاتے، وہ اکثر کھانا لا کر پیش کرتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نوش فرماتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو جاتے تو بالوں میں سے جوئیں نکالتیں۔(۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت محبت تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ان کے گھر تشریف لے جاتے، وہ بچھونا بچھا دیتیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرماتے، جب سو کر اٹھتے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ ایک شیشی میں جمع کر لیتیں، مرتے وقت وصیت کی کہ کفن میں حنوط ملایا جائے تو عرق مبارک کے ساتھ ملایا جائے۔(۲)

ایک دفعہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی دادی ملیکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی، کھانا خود تیار کیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا نوش فرما کر فرمایا: ''آؤ میں تمہیں نماز پڑھاؤں۔'' گھر میں صرف ایک چٹائی تھی اور وہ بھی پرانی ہو کر سیاہ ہو گئی تھی، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے پہلے اس کو پانی سے دھویا اور پھر نماز کے لیے بچھایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت کی، حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ان کی دادی اور یتیم (غلام) صف باندھ کر کھڑے ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز ادا کی اور واپس آئے۔(۳)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی (حضرت اسماء رضی اللہ عنہا) جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی علاتی بہن تھیں، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے بیاہی تھیں، مدینہ میں آئیں تو اس وقت حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی یہ حالت تھی کہ ایک گھوڑے کے سوا اور کچھ نہ تھا، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا خود ہی گھوڑے کے لیے جنگل سے گھاس لاتیں اور کھانا پکاتیں، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو جو زمین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب الدعاء بالجهاد: ۱/۳۹۱

(۲) صحیح البخاری، کتاب الاستیذان، باب من زار قوما فقام عندهم: ۲/۹۲۹

(۳) صحیح البخاری، کتاب الصلاة، باب الصلاة علی الحصیر ۱/۵۵

فرمائی تھی اور جو مدینہ سے دو میل پر تھی، وہاں سے کھجور کی گٹھلیاں سر پر لاد کر لاتیں، ایک دن وہ گٹھلیاں لیے ہوئے آرہی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اونٹ پر سوار تھے، اونٹ کو بٹھا دیا کہ وہ سوار ہولیں، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا شرمائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر کہ وہ حجاب کرتی ہیں کچھ نہیں فرمایا اور ان کو چھوڑ کر آگے بڑھ گئے، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک خادم بھیجا جو گھوڑے کی خدمت کرتا تھا، مجھ کو اس قدر غنیمت معلوم ہوا گویا میں غلامی سے آزاد ہوگئی۔(۱)

ایک بار قرابت کی بہت سی بیبیاں بیٹھی ہوئی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہی تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو سب اٹھ کر چل دیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا خدا آپ کو خنداں رکھے، کیوں ہنسے؟ فرمایا: ''ان عورتوں پر تعجب ہوا کہ وہ تمہاری آواز سنتے ہی سب آڑ میں چھپ گئیں۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا: ''اے اپنی جان کی دشمنو! مجھ سے ڈرتی ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ڈرتیں؟'' سب نے کہا: ''تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سخت مزاج ہو۔''(۲)

ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم منھ ڈھانک کر سوئے ہوئے تھے، عید کا دن تھا، چھوکریاں گا بجا رہی تھیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے تو ان کو ڈانٹا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان کو گانے دو، ان کی عید کا دن ہے۔''(۳)

عورتیں نہایت دلیری کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے محابا مسائل دریافت کرتیں تھیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی اس جرأت پر حیرت ہوتی تھی،

---

(۱)صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب الغیرة:۲/۷۸۶

(۲)البخاری، کتاب الفضائل، باب مناقب عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ:۱/۵۲۰

(۳)صحیح مسلم، کتاب العیدین، باب الرخصة فی اللعب:۱/۳۲۷

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی قسم کی ناگواری نہیں ظاہر فرماتے تھے۔

چونکہ عورتیں عموماً نازک طبع اور ضعیف القلب ہوتی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی خاطر داری کا نہایت خیال فرماتے تھے، انجشہ نامی ایک حبشی غلام حدی خواں تھے، یعنی اونٹ کے آگے حدی پڑھتے جاتے تھے، ایک دفعہ سفر میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ساتھ تھیں، انجشہ حدی پڑھتے جاتے تھے، اونٹ زیادہ تیز چلنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انجشہ! دیکھنا شیشے (عورتیں) ٹوٹنے نہ پائیں۔"(۱)

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب ما جاء فی قول الرجل ویلك:۲/ ۹۱۰

حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا

عمۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، حواری رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی والدہ اور سید الشہداء سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن۔

والدہ بنو زہرہ کی تھیں، پہلے حارث بن حرب کے نکاح میں رہیں، پھر عوّام کے نکاح میں آئیں، جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ام المومنین و اسلام کی خاتون اول کے بھائی تھے، حضرت زبیر، حضرت سائب اور عبدالکعبہ ان کے صاحبزادگان ہیں، حضرت سائب رضی اللہ عنہ بدر و خندق اور دوسرے غزوات میں شریک رہے، اور جنگ یمامہ میں شہید ہوئے، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو جنگ جمل میں شہادت ملی۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بڑی بہادر خاتون تھیں، اسلام کی اولین مہاجرات میں ہیں، ایک یہودی کا خاتمہ بھی کیا تھا، جو اس قلعہ کا چکر لگا رہا تھا، جہاں ایک غزوہ کے موقع پر صحابیات، اطفال اور شیوخ (معمر لوگ) ٹھہرائے گئے تھے، احد کے موقع پر بھی موجود تھیں، جب سیدنا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا دلدوز واقعہ شہادت پیش آیا تھا اور دشمنوں نے ان کا مثلہ تک کیا تھا۔

جب آیت کریمہ "و أنذر عشيرتك الأقربين" (۱) نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے افراد خاندان کو عمومی طور پر اور حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا (صاحبزادی) اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا (پھوپھی) کو نام لے کر مخاطب فرمایا، یہ

---

(۱) الشعراء: ۲۱۴

ان کے لیے بڑے شرف کی بات ہے، جس سے ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصی تعلق ظاہر ہوتا ہے، فرمایا تھا:

"یا فاطمة بنت محمد، یا صفیة بنت عبد المطلب، یا بنی عبد المطلب لا أملك لکم من الله شیئا، سلونی من مالی ما شئتم"(۱)

۲۰ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی، اور جنت البقیع میں تدفین عمل میں آئی، ان کی عمر ۷۰/ اور ۸۰/ کے درمیان تھی۔(۲)

دوسری پھوپھیاں

حضرت اروی بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا، حضرت عاتکہ بنت المطلب رضی اللہ عنہا، حضرت امیمہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا نے زمانہ نبوت پایا اور مشرف بہ اسلام ہوئیں، البتہ حضرت بیضاء بنت عبدالمطلب اور حضرت برّہ بنت عبدالمطلب کے متعلق علامہ ذہبی کی تحقیق یہ ہے کہ انھوں نے زمانہ نبوت نہیں پایا اور قبل از بعثت وفات پا گئیں۔(۳)

مؤرخ علامہ ابن کثیر حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

"أمه أروى بنت کُریز بن ربیعة بن عبد شمس وأمها أم حکیم وهي البیضاء بنت عبد المطلب عمة رسول الله صلی الله علیه وسلم"(٤)

اس طرح عثمان رضی اللہ حضرت بیضاء عمۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ ہونے کی حیثیت سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھانجے ہوئے۔

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الإیمان، باب قوله تعالی: وأنذر عشیرتك الأقربین.

(۲) سیر أعلام النبلاء ۲/۲٦۹-۲۷۱ (۳)أیضا ۲/۲۷۲-۲۷۳

(٤)البدایة والنهایة: ۷/۳۸۷، ط؛ قطر؛ محقق

حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا

عم الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب بن عبدالمطلب بن ہاشم کی اہلیہ، اسد بن ہاشم بن عبدمناف کی صاحبزادی یعنی حضرت عبدالمطلب جدالرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بھتیجی اور دامادرسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ کہ جن کی ظل عاطفت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تربیت پائی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا بڑا ہی خیال فرماتے تھے اور چونکہ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ ایمان نہ لاسکے، اس لیے ان کے انتقال کے بعد اپنی ان چچی اور دوسرے رشتہ سے پھوپھی صاحبہ کا بڑا خیال اور پاس ولحاظ رکھتے، اسلام کی اولین مہاجرات میں رہیں، اور یہ پہلی ہاشمی خاتون ہیں جن کے بطن سے ہاشمی النسل پیدا ہوئے، پھر یہ شرف حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا سیدۃ نساء العالمین کو حاصل ہوا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص (کرتا) ان کے لیے دیا (جو ان کا کفن بنا) اور قبر میں لیٹے، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے یہ جو کیا، آپ کو ایسا کرتے ہم لوگوں نے کہیں نہیں دیکھا، تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إِنَّهُ لَمْ يَكُنْ أَحَدٌ بَعْدَ أَبِي طَالِبٍ أَبَرَّ لِيْ مِنْهَا، إِنَّمَا أَلْبَسْتُهَا قَمِيْصِيْ لِتُكْسَى مِنْ حُلَلِ الْجَنَّةِ وَاضْطَجَعْتُ مَعَهَا لِيُهَوِّنَ

عَلَيْهَا"(۱)

(ابوطالب کے بعد ان سے زیادہ مجھ پر کوئی مہربان نہیں رہا، میں نے اپنا کرتا ان کو پہنایا تا کہ وہ جنت کا لباس زیب تن کریں اور میں قبر میں ساتھ اس لیے لیٹا کہ وہاں کے حالات ان پر آسان اور بہتر ہوں)

(۱)سیر أعلام النبلاء:۲/۱۱۸

حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا

حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا بڑی برگزیدہ صحابی خاتون ہیں، ان کا دینِ اسلام پر صبر واستقامت ان کے بھائی حضرت عمر بن الخطاب فاروق رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا سبب بنا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ان بہن اور بہنوئی حضرت ابو الاعور سعید بن زید رضی اللہ عنہ کا عشرہ مبشرہ میں شمار ہے، اور خاندان کی کنیز حضرت لبینہ سابقین اولین میں ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سب کا سخت مؤاخذہ کیا، یہاں تک کہ زدوکوب بھی کیا، لیکن پھر خود ان کے دل میں ایمان اتر گیا اور دربارِ نبوت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

سیرت نگار نبویؐ علامہ شبلی نعمانی نے ان افراد خاندان زید خطاب کے صبر واستقامت کا جو نقشہ کھینچا ہے اس سے جہاں ایک طرف حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے یہاں قبول اسلام کے اسباب ومحرکات واضح ہوتے ہیں وہیں ان کی عظیم بہن کی شخصیت کے متنوع الکمالات پہلو بھی نمایاں ہوتے ہیں۔ وہ رقم طراز ہیں:

> ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ستائیسواں سال تھا کہ آفتاب رسالت طلوع ہوا، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھرانہ میں زید کی وجہ سے توحید کی آواز مانوس نہیں رہی تھی، چنانچہ سب سے پہلے زید کے بیٹے سعیدؓ اسلام لائے، حضرت سعیدؓ کا نکاح حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہوا تھا، اس تعلق سے فاطمہؓ بھی مسلمان ہو گئیں، اسی خاندان میں ایک اور معزز شخص نعیم

بن عبداللہؓ نے بھی اسلام قبول کرلیا تھا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابھی تک اسلام سے بیگانہ تھے، ان کے کانوں میں جب یہ صدا پہنچی، (۱) تو سخت برہم ہوئے، یہاں تک کہ قبیلہ میں جو لوگ اسلام لا چکے تھے، ان کے دشمن بن گئے، لُبینہؓ ان کے خاندان کی کنیز تھیں، جس نے اسلام قبول کرلیا تھا، اس کو بے تحاشہ مارتے، اور مارتے مارتے تھک جاتے، تو کہتے کہ "دم لے لوں تو پھر ماروں گا"، لُبینہ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا تھا، زدوکوب سے دریغ نہیں کرتے تھے، لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جس کو چڑھ جاتا تھا اترتا نہ تھا، ان تمام سختیوں پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بددل نہ کرسکے، آخر مجبور ہوکر (نعوذ باللہ) خود ذاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کیا، تلوار کمر سے لگا کر سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے۔ کارکنان قضا نے کہا: ع

آمد آن یارے کہ مامی خواستیم

راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ مل گئے، ان کے تیور دیکھ کر پوچھا: "خیر ہے؟" "بولے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں"، انہوں نے کہا: "پہلے اپنے گھر کی خبر لو، خود تمہارے بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں"، فوراً پلٹے اور بہن کے ہاں پہونچے، وہ قرآن پڑھ رہی تھیں، ان کی آہٹ پاکر چپ ہوگئیں، اور قرآن کے اجزا چھپائے، لیکن آواز ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی، بہن سے پوچھا: "یہ کیا آواز تھی؟" بولیں: "کچھ نہیں" انہوں نے کہا: "میں سن چکا ہوں، تم دونوں مرتد ہوگئے ہو"، یہ کہہ کر بہنوئی سے دست وگریباں ہوئے اور جب ان کی بہن بچانے کو آئیں، تو ان کی بھی خبر لی، یہاں تک کہ ان کا جسم لہولہان ہوگا، لیکن اسلام کی محبت اس سے بالاتر تھی، بولیں کہ:

---

(۱) زید یعنی والد حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ زید کو اگرچہ صحابہ میں شمار نہیں کیا گیا ہے لیکن وہ موحدین میں تھے اور شرک سے متنفر تھے۔ (تفصیل ملاحظہ ہو تذکرہ حضرت سعید بن زیدؓ)

''عمر! جو بن آئے کرو، لیکن اسلام اب دل سے نکل نہیں سکتا''، ان الفاظ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل پر خاص اثر کیا، بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا، ان کے جسم سے خون جاری تھے، دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی، فرمایا: ''تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی سناؤ''، فاطمہؓ نے قرآن کے اجزا لاکر سامنے رکھ دئے، اٹھا کر دیکھا تو یہ سورہ تھی:

﴿سبح لله مافي السمٰوٰت والأرض وهو العزيز الحكيم﴾

(الحديد:١)

(زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے خدا کی تسبیح پڑھتا ہے اور خدا ہی غالب اور حکمت والا ہے)

ایک ایک لفظ پر ان کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے:

"آمنوا بالله وبرسوله" [الحديد:٧]

(اللہ پر اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ)

تو بے اختیار پکار اٹھے:

"أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمداً رسول الله"

(میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پیغمبر ہیں)(۱)

یہ ہیں وہ عظیم خاتونِ اسلام جن کے صبر واستقامت اور موعظت حسنہ نے اپنے اس عظیم بھائی کی زندگی میں وہ انقلاب پیدا کیا کہ جس نے زبانِ نبوت سے ''الفاروق'' کا خطاب حاصل کیا اور احکام دین وشریعت وتعلیماتِ قرآنی ونبوی کی ایسی تنفیذ کی کہ جو بھی عادلانہ نظام حکومت بعد میں قائم ہوا یا ہوگا وہ اسی کے سایہ میں ہوگا۔

---

(۱) سیرۃ النبی جلد اول ص:۱۵۹-۱۶۰۔ بحوالہ انساب بلاذری، طبقات ابن سعد، اسد الغابۃ، ابن عساکر وغیرہ

حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا

(زوجہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ)

حضرت عثمان بن مظعون کی بیوی خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا تھیں، انہوں نے اُم المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد خانہ نبوی کی اس صورت حال کو محسوس کر کے کہ گھر میں صرف کم عمر بچیاں تھیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بار نبوت اور کار دعوت کی عظیم اور بھاری ذمہ داری تھی، آپ سے عرض کیا کہ آپ کو جلدی نکاح کر لینا چاہئے! آپؐ نے فرمایا: تمہاری نگاہ میں کون ایسی خاتون ہیں، جن کو تم ان حالات میں مناسب سمجھتی ہو؟ انھوں نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کا نام لیا، جو بیوہ اور سن رسیدہ تھیں، آپ نے ایمان میں ان کی سابقیت، پھر حبشہ کی طرف ہجرت اور سکران کی وفات کے بعد ان کی بیوگی کے صدمہ کا لحاظ کرتے ہوئے ان سے نکاح کرنے کا ارادہ فرمالیا، اور حضرت خولہ بنت حکیم سے فرمایا: تم خود ہی ان کو میرا پیغام پہنچاؤ..... خولہ کا بیان ہے کہ میں سودہ کی پاس پہنچی اور ان کو مبارکباد دیتے ہوئے آپ کا پیغام پہنچایا، انھوں نے کہا کہ: میں دل وجان سے راضی ہوں" البتہ بہتر یہ ہے کہ تم میرے والد زمعہ سے بھی اس سلسلہ میں بات کرو! میں اسی وقت ان کے پاس بھی گئی اور پیام پہونچایا، انھوں نے بھی رضامندی ظاہر کی، ساتھ ہی انھوں نے کہا کہ تم خود سودہ سے بھی دریافت کرو، میں نے بتایا کہ میں ان سے بات کر چکی

ہوں، وہ بڑی خوش دلی کے ساتھ رضامند ہیں، بالآخر زمعہ نے خولہ بنت حکیم ہی کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا، اور آپ کے ساتھ اپنی بیٹی سودہ کا نکاح کر دیا، اس وقت حضرت سودہ کی عمر قریباً پچاس سال تھی..... نکاح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت فرمانے تک تین سال منکوحہ فریقۂ حیات کی حیثیت سے تنہا وہی آپ کے ساتھ رہیں..... انکے اوصاف واحوال میں انکی سیر چشمی، استغناء، دنیا سے بے رغبتی، اور فیاضی خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

اسی موقع پر انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بھی عرض کیا تھا، جن کی عمر اس وقت صرف چھ سات سال کے قریب تھی، اور معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف پچاس سال سے متجاوز ہو چکی تھی، اس حالت میں خولہ بنت حکیم کی طرف سے حضرت عائشہؓ کے ساتھ نکاح کی تجویز پیش کرنے کی کوئی توجیہ اس کے سوا نہیں کی جاسکتی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو فیصلہ اس بارے میں عالم غیب میں ہو چکا تھا، اس کے عمل میں آنے کا ذریعہ حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا کی اس تجویز کو بنایا جائے روایت کے الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خولہ کو حضور کے خواب کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا، اور واقعہ یہ ہے کہ یہ خواب ایسا ہی تھا کہ کسی سے بھی اس کا ذکر نہ فرمایا جاتا۔..... بہر حال یہی ہوا حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہی حضرت عائشہؓ سے نکاح کی بھی تجویز پیش کی۔ آپ نے جس طرح حضرت سودہ کے بارے میں فرمایا تھا کہ تم ہی میری طرف سے پیام ان کو پہونچاؤ، اسی طرح حضرت عائشہؓ کے بارے میں بھی ان ہی کو مامور فرمایا کہ تم ہی ان کے والدین کو میری طرف سے پیام پہونچاؤ۔ چنانچہ وہ حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر پہونچیں، لیکن اتفاق سے وہ اس وقت موجود نہیں تھے، ان کی زوجۂ محترمہ حضرت عائشہ کی والدہ ماجدہ حضرت ام رومان موجود تھیں، حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے مبارکباد دیتے ہوئے ان کی بیٹی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

پیغام کا ذکر کیا۔ انھوں نے سن کر بڑی خوشی کا اظہار کیا کچھ دیر کے بعد حضرت ابو بکر بھی آگئے، حضرت خولہ نے ان کے سامنے بھی ان کی بیٹی حضرت عائشہؓ کے لئے رسول اللہ ﷺ کے پیام کی بات کہی، حضرت ابو بکرؓ نے کہا: "أو تصلح له وهي بنت أخيه؟" مطلب یہ تھا کہ کیا عائشہ کے ساتھ حضور ﷺ کا نکاح ہوسکتا ہے حالانکہ وہ انکے بھائی کی بیٹی ہے، حضرت ابو بکرؓ نے یہ بات اس بنیاد پر فرمائی کہ عربوں میں جس طرح منھ بولے بیٹے کی حیثیت حقیقی بیٹے کی تھی اسی طرح منھ بولے بھائی کی حیثیت حقیقی نسبی بھائی جیسی ہوتی تھی اور اسی طرح اس کی بیٹی سے نکاح کو جائز اور درست نہیں سمجھا جاتا تھا۔ جس طرح حقیقی نسبی بھتیجی سے نکاح کو درست اور جائز نہیں سمجھا جاتا تھا۔

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو بکر کی یہ بات آنحضرت ﷺ کو پہونچائی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "هو أخي في الإسلام وابنته تحل لي۔" مطلب یہ تھا کہ ابو بکر میرے دینی اور اسلامی بھائی ہیں۔ نسبی بھائی نہیں ہیں، اس لئے ان کی بیٹی عائشہؓ سے میرا نکاح اللہ کی نازل فرمائی ہوئی شریعت میں جائز اور صحیح ہے، اگر بالفرض وہ میرے حقیقی نسبی بھائی ہوتے تو ان کی بیٹی سے نکاح کرنا میرے لئے جائز اور درست نہ ہوتا۔ خولہ نے ابو بکرؓ کو حضور ﷺ کا جواب پہونچایا تو فطری طور پر ان کو بڑی خوشی ہوئی، لیکن اس بارے میں ایک رکاوٹ یہ تھی کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسبت بچپن ہی میں حضرت جبیر ابن مطعم سے ہوچکی تھی، اور اس نسبت کو ایک طرح کا معاہدہ سمجھا جاتا تھا، اس لئے انھوں نے اخلاقی طور سے ضروری سمجھا کہ جبیر کے والد مطعم سے بات کرکے انکو اس کے لئے راضی کرلیں، تاکہ میری طرف سے معاہدہ کی خلاف ورزی اور عہد شکنی نہ ہو، اس بارے میں گفتگو کرنے کے لئے وہ مطعم کے مکان پر پہونچے..... یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ بعثتِ نبویؐ کا گیارہواں سال تھا، جبکہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کی دعوت اسلام، اور اس کو قبول کرنے والوں کے ساتھ کفارِ مکہ کی دشمنی انتہائی درجہ کو پہونچ چکی تھی حضرت ابو بکرؓ نے مطعم کے مکان

پر پہونچ کر اپنی بات شروع کی، اور کہا کہ میری بیٹی عائشہ کے بارے میں تمھارا اب کیا خیال ہے؟ اس وقت مطعم کی بیوی قریب ہی بیٹھی ہوئی تھیں، انھوں نے اپنی بیوی کو مخاطب کر کے کہا ''تم بتاؤ تمھاری کیا رائے ہے؟'' اس نے کہا کہ ''میں نہیں چاہتی کہ اب وہ بچی (عائشہ) ہمارے گھر میں آئے، اگر وہ آئے گی تو اس کے ساتھ اسلام کے قدم بھی ہمارے گھر میں آجائیں گے، اور ہم اپنے باپ دادا کے جس دین پر اب تک چل رہے ہیں اس کے نظام میں گڑبڑ ہو جائے گی'' مطعم کی بیوی کا یہ جواب سن حضرت ابوبکرؓ نے مطعم سے کہا کہ ''تم بتاؤ تمھارا فیصلہ کیا ہے؟'' اس نے کہا: کہ تم نے اس (میری بیوی) کی بات سن لی میری بھی یہی رائے ہے''..... حضرت ابوبکر مطمئن ہو کر واپس تشریف لائے، اور خولہ سے کہا کہ ''تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا لاؤ'' وہ گئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور اسی وقت نکاح ہو گیا۔

یہ شوال کا مہینہ تھا، جس کے بعد قریباً تین سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام مکہ معظمہ میں ہی رہا۔(۱)

(۱) معارف الحدیث، از: مولانا محمد منظور نعمانی، جلد ہشتم، ص: ۴۶۰-۴۶۳

ذات النطاقین

حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہا

صدیق اکبر حضرت ابوبکر بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی، ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن، حواری رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ اور فارس اسلام حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کی والدہ ماجدہ وہ مومنہ صادقہ خاتون تھیں جن کے صدق و وفاء ایمان و یقین، شجاعت، بسالت، حمیت دینی اور غیرت اسلامی کے واقعات اور احتساب نفس کا حال گواہی دیتا ہے کہ وہ صحابیات میں اونچا مقام رکھتی تھیں، ان کے احتساب نفس کا حال محدث جلیل حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے اپنے ایک مکتوب میں اس طرح تحریر کیا ہے کہ:

> ''حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے سر میں جب درد ہوا کرتا تھا تو فرمایا کرتی تھیں کہ ''یا اللہ آج کیا گناہ ہوا۔'' (۱)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اپنی بہن حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے دس سال سے زیادہ بڑی تھیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کا سفر شروع کیا اور غار ثور میں تین دن قیام کیا تو یہی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا پہاڑ کی بلندی پر

(۱) تربیت السالکین، ارشادات ومکتوبات شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی ص/۲۷۱، ط: مکتبہ یحیوی سہارنپور۔

چڑھ کر سامان غذا پہنچایا کرتی تھیں، جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر سے سفر شروع کیا تو زادسفر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے تیار کیا، اور باندھنے کے لیے اپنی کمر کے کپڑے کے دو حصے کیے، ایک حصہ سے اس کو باندھا، آپ کو اسی لیے "ذات النطاقین" کہا گیا۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کو تعبیر رؤیا میں بھی ملکہ تھا، اور یہ وصف انھوں نے اپنے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حاصل کیا تھا، اور ان سے سید التابعین حضرت سعید بن المسیب نے حاصل کیا۔(۱)

حجاج نے جب ان کے بیٹے حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کو پھانسی دے کر شہید کیا اور ان کو اتارا نہیں گیا کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا وہاں گذر ہوا، ذہبی کہتے ہیں کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے حجاج کی طرف مخاطب ہو کر کہا:

"أما آن للراكب أن ينزل؟ فقال: المنافق؟ قالت: والله ما كان منافقاً كان صواماً قواماً براً"(۲)

جب حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کو پھانسی دی گئی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا گیا، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے مسجد کے ایک گوشہ میں تشریف فرمایا، وہ خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"إن هذه الجثث ليست بشئ، وإنما الأرواح عند الله فاتقى الله واصبرى"

(یہ جسم کوئی چیز نہیں ہیں، بیشک ارواح تو اللہ کے یہاں ہیں، لہٰذا تقویٰ اور صبر اختیار کیجیے)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا:

"وما يمنعنى، وقد اهدى رأس يحيى بن زكريا إلى بغى من

---

(۱) ذہبی ۲/۲۹۳، سیر بحوالہ واقدی۔ (۲) سیر اعلام النبلاء ۲/۲۹۴

بغايا بني إسرائيل"(۱)

(میرے صبر میں کیا چیز مانع ہوگی، جبکہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کا سر بنی اسرائیل کی ایک فاحشہ کو ہدیہ کیا گیا تھا)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا انتقال حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کے انتقال کے چند روز بعد ہوگیا، انھوں نے دعا کی تھی، جب اپنے فرزند عالی کی شہادت کی خبر سنی کہ "اللهم لا تمتني حتى أوتى به، فأحنّطه وأكفنه" چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا، جنازہ لایا گیا، وہ اپنے ہاتھ سے تجہیز و تکفین کر رہی تھیں، حالانکہ بصارت جا چکی تھی، اور نماز جنازہ بھی پڑھی اور آنے والے جمعہ کو وفات پائی۔(۲)

خلیفۃ المسلمین حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کا واقعہ شہادت ۱۷ر جمادی الاولیٰ ۷۳ھ کا ہے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے جن اوصاف و خصوصیات سے نوازا تھا، ان میں سخاوت نفس خاص وصف تھا، محمد بن المنکدر کہتے ہیں: "كانت أسماء بنت أبي بكر رضي الله عنها سخية النفس"(۳)

ان کے بھتیجے حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر، ان کے فرزند حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے کہتے ہیں:

"میں نے حضرت عائشہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہما سے زیادہ فیاض خاتون نہیں دیکھی، مگر دونوں کی فیاضی مختلف تھی:

"أما عائشة فكانت تجمع الشئ إلى الشئ، حتى إذا اجتمع عندها وضعته مواضعه، وأما أسماء فكانت لا تدخر شيئا لغد"

(یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کچھ روک کر صحیح مواقع پر خرچ کرتی تھیں اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کچھ بھی نہیں روکتی تھیں)

---

(۱) ایضاً ۲/۲۹۴-۲۹۵ (۲) سیر اعلام النبلاء ۲/۲۹۵ (۳) ایضاً ۲/۲۹۴

حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا

امام ذہبی لکھتے ہیں:

"السيدة الفاضلة أم هانى بنت عم النبى صلى الله عليه وسلم أبى طالب عبد مناف بن عبد المطلب الهاشمية المكية، أخت على و جعفر، إسمها فاخته، وقيل هند، تأخر إسلامها، دخل النبى صلى الله عليه وسلم إلى منزلها يوم الفتح، فصلى عندها ثمان ركعات ضحى"(۱)

(فاضلہ خاتون حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت ابوطالب کی صاحبزادی، حضرت علی و جعفر رضی اللہ عنہما کی بہن ہیں، فاختہ نام تھا، بعض کا قول ہے کہ ہند تھا، اسلام کافی بعد میں قبول کیا، فتح مکہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مکان پر تشریف لے گئے تو چاشت کے وقت آٹھ رکعت نماز پڑھی)

اس طرح وہ مہاجر خاتون نہیں ہیں، بلکہ فتح مکہ کے وقت مشرف باسلام ہوسکیں، اسلام میں ان کو پچاس سال ملے، ان کے لیے سب سے بڑے شرف کی بات یہ ہے کہ ان کے اور ان کے شوہر ہبیرہ بن عمرو بن عائذ مخزومی کے درمیان اسلام نے علاحدگی کرادی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا پیغام دیا، البتہ وہ بعض

(۱) سیر أعلام النبلاء ۲/۳۱۲

اعذار کی وجہ سے یہ شرف حاصل کرنے کی ہمت نہ کرسکیں کہ بڑے شرف وسعادت کے حصول کے نتیجہ میں ایذار پہنچنے کا وہ سبب نہ بن جائیں، جس سے انھیں کوئی بڑا نقصان اٹھانا پڑے، انھوں نے عذر کیا کہ "إني امرأة مصبية"(۱)

ذہبی کہتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عذر قبول فرمایا۔

مستدرک حاکم کے الفاظ ہیں:

"لكني امرأة مصبية، فأكره أن يوذوك"

(یعنی مجھے مرض ذات صبیان لاحق ہے جو خاصا وقت لیتا ہے، جس سے حقوق کی ادائیگی میں دشواری ہوگی)

اسلام لانے کا واقعہ بڑا سہل اور سادہ ہے، خود ان کی روایت ہے، ابومرّہ (حضرت ام ہانی کے غلام) کہتے ہیں کہ انھوں نے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کو فرماتے سنا ہے کہ:

"ذهبت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الفتح، فوجدته يغتسل، وفاطمة تستره بثوب، فسلّمت، فقال: من هذه؟ قلت: أنا أم هانى بنت أبى طالب، فقال: مرحباً بأم هانى.

فلما فرغ من غسله قام فصلى ثمان ركعت ملتحفاً فى ثوب واحد، فقلت يا رسول الله! زعم ابن أمى -تعنى علياً- أنه قاتل رجلا قد أجرتهٗ فلان بن هبيرة، فقال: قد أجرنا من أجرت يا أم هانى، وذلك ضحى"(۲)

(میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فتح مکہ کے موقع پر حاضر ہوئی، آپ غسل فرمارہے تھے، اور فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک کپڑے سے پردہ کیے ہوئے تھیں، میں نے سلام کیا تو حضور صلی اللہ

---

(۱) سير أعلام النبلاء ۲/ ۳۱٤ (۲) ایضا ۲/ ۳۱۳

علیہ وسلم نے فرمایا یہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ام ہانی بنت ابی طالب ہوں، فرمایا خوش آمدید، اے ام ہانی۔
جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل سے فارغ ہوئے تو ایک ہی کپڑے کو لپیٹ کر آٹھ رکعت نماز ادا کی، میں نے عرض کیا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے بھائی کا خیال ہے کہ جسے میں نے پناہ دی وہ اس سے قتال کریں گے، فلاں ابن ہبیرہ سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم نے اسے امان دی جسے تم نے امان دی، اے ام ہانی، اور یہ چاشت کا وقت تھا)

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے لیے دوسرے بڑے شرف واعزاز کی بات یہ بھی ہے کہ آپ کے مکان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت مدینہ سے قبل بھی تشریف لاتے تھے اور اسراء کا واقعہ اسی منزل سے ہوا، آج بھی مسجد حرام بیت اللہ کی توسیع میں وہ منزل اندر داخل ہے اور ستون میں امتیازی پتھر رکھے گئے ہیں جس سے امتیاز باقی رہے۔

حضرت زینب بنت مظعون رضی اللہ عنہا

حضرت زینب بنت مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح بن عمرو بن ہصیص بن کعب الجمحی رضی اللہ عنہا۔

صحابیات میں کئی زینب ہیں، ان میں دو امہات المومنین میں شامل ہوئی، زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا اور زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا اور ایک رسول اللہ کی بڑی صاحبزادی اور ایک نواسی زینب بنت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ایک زینب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہا کی اہلیہ تھیں اور ایک حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی، حضرت ام سلمہ ام المومنین سے بیٹی زینب تھیں، اور حضرت زینب بنت مظعون رضی اللہ عنہا۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں اور بڑی برگزیدہ خاتون تھیں، یہ برگزیدہ صحابی حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بہن اور ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور محی السنہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہا کی والدہ ماجدہ ہیں، اور ان کے بھائیوں میں حضرت قدامہ بن مظعون اور حضرت عبداللہ بن مظعون بھی سابقین اسلام میں اور بدری ہیں۔ حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت صفیہ بنت الخطاب منسوب تھیں، جو کہ مہاجر صحابیات میں ہیں، بنو مظعون کا اللہ تعالیٰ نے دین اور صحبت نبویؐ کے لئے اصطفاء فرمایا، اور ان سب بھائی بہنوں نے دین کے لئے بڑی قربانیاں دیں، ذہبی نے واقدی کا قول نقل کیا ہے:

"آل مظعون ممن أوعب في الخروج إلى الهجرة وغلقت بيوتهم بمكة"(۱)

(آل مظعون کو نکلنے پر مجبور کیا گیا اور ان کے مکانات پر تالے پڑ گئے)

حضرت زینب بنت مظعون کو ہجرت کے بعد یک بعد دیگرے صدموں سے گزرنا پڑا، بدر میں ۲ھ میں ان کے بھتیجے حضرت سائب بن عثمان بن مظعون شہید ہوئے اور پھر اس واقعہ کے بعد بھائی حضرت عثمان نے بھی داغ مفارقت دے دیا۔ حضرت عثمان بن مظعون کے حادثۂ جانکاہ کا صدمہ پورے آل مظعون کے لئے سخت تھا، اور کیوں نہ ہوتا جبکہ رسول اللہ ﷺ اتنے متاثر ہوئے کہ آپ کے آنسو رواں ہو گئے تھے، ترمذی کی روایت ہے حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"إن رسول اللّٰه ﷺ قبّلَ عثمان بن مظعون وهو ميت، ودموعه تسيل علىٰ خد عثمان بن مظعون"۔ قال الذهبي صححه الترمذي.(۲)

(رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون کی اس وقت تقبیل فرمائی جب وہ وفات پا چکے تھے، اور آپ کے آنسو جاری تھے جو حضرت عثمان بن مظعون کے رخسار کو منور کر رہے تھے)

سب سے پہلے جنت البقیع میں مدفون ہونے والے سادات مہاجرین اور اولیاء صحابہ میں امام ذہبی نے ان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے:

"من سادة المهاجرين ومن أولياء اللّٰه المتقين الذين فازوا بوفاتهم في حياة نبيهم فصلىٰ عليهم وكان أبو السائب رضي الله عنه أول من دفن بالبقيع"(۳)

(ان سادات مہاجرین اور اولیائے متقین میں شمار ہے جنہوں نے حضور ﷺ کی حیات میں وفات پائی، آپ نے ان کی نماز پڑھائی

---

(۱) سیر اعلام النبلاء:۱/۱۵۸ (۲) سیر النبلاء:۱/۱۵۹ (۳) سیر النبلاء:۱/۱۵۴

اور یہ بقیع کے پہلے مدفون ہیں)

۱۳/اشخاص کے بعد انہوں نے اسلام قبول کیا تھا اور اتنے عبادت گزار تھے کہ ان کی اہلیہ حضرت خولہ بنت حکیم کو دربار نبوت میں حاضر ہو کر ان کی کثرت عبادت کا شکوہ کرنا پڑا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ نصیحت فرمائی تھی:

"یا عثمان! إن الرهبانية لم تكتب علينا، أما لك فيَّ أسوة؟ فو الله إن أخشاكم لله وأحفظكم لحدوده لأنا"(۱)

(کہ رہبانیت ہم پر فرض نہیں کی گئی ہے، تمہارے لئے کیا میں اسوہ نہیں ہوں، تم میں اللہ کی زیادہ خشیت رکھنے والا اور اس کے حدود کا پاس رکھنے والا میں ہی ہوں)

اور ذہبی نے سیر اعلام النبلاء:۱/ ۱۵۸ میں ابوقلابہ کی روایت ذکر کی ہے کہ:

إن عثمان بن مظعون قعد يتعبد فأتاه النبي ﷺ فقال: "يا عثمان! إن الله لم يبعثني بالرهبانية، وإن خير الدين عند الله الحنيفية السمحة"

(حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اپنے کو عبادت کیلئے خاص کر لیا تھا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: "اے عثمان! اللہ تعالیٰ نے مجھے رہبانیت کے ساتھ مبعوث نہیں کیا ہے، اور بہتر دین اللہ کے ہاں اعتدال کی راہ ہے)

(۱) مصنف عبدالرزاق: ۱۰۳۷۵

حضرت لبابہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی، حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی اہلیہ اور ترجمان القرآن والسنہ حبر الامہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی والدہ ماجدہ اور ام المومنین حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا کی بہن، سیف اللہ سپہ سالار افواج اسلام حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کی خالہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں اور پھر ان کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حرم میں آنے والی خاتون، حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی اخیافی بہن ہیں، اسلام لانے میں خواتین میں حضرت خدیجۃ الکبری خاتون اول رضی اللہ عنہا کے بعد سرفہرست خاتون اسلام ہیں، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں وفات پائی، ام الفضل کنیت تھی، اسلام ان کے دل میں شروع ہی سے گھر کر گیا تھا، اور عظیم اولاد اپنے پیچھے چھوڑی اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریبی قرابت ان کے شرف وعزت کے لیے کافی ہے۔(۱)

---

(۱) سیر أعلام النبلاء ۲/۳۱۵-۳۱۶

حضرت خنساء رضی اللہ عنہا

(وفات ۶۴۵ء-۲۴ھ)

مشہور صحابی خاتون حضرت خنساء کا نام تُماضر بنت عمرو بن الشرید السلمیہ ہے، خنساء لقب تھا جو نام پر غالب آ گیا اور اسی سے مشہور ہوئیں، ان کے والد عمرو بن الشرید اور بھائی معاویہ اور صخر مضر کے قبیلۂ سلیم کے سربرآوردہ لوگوں میں شمار کئے گئے ہیں، اور خود خنساء کو وہ مقام و مرتبہ حاصل تھا جو کم خواتین کو حاصل ہوا، ہوازن کے سردار دُرید بن الصمہ نے انہیں نکاح کا پیغام بھیجا مگر انہوں نے اس لئے نامنظور کر دیا تھا کہ وہ اپنے قبیلہ میں نکاح کا ارادہ رکھتی تھیں، ان کو اپنے بھائیوں معاویہ اور صخر کی وفات کا بڑا صدمہ تھا جس سے انکو زمانۂ جاہلیت میں گزرنا پڑا تھا، وہ اپنے بھائیوں کے کارناموں اور احسانات کو یاد کر کے روتی تھیں، انہوں نے اپنے جذبات کو اشعار میں پیش کیا اور وہ اشعار ایسے مراثی قرار پائے جو دورِ جاہلی کا بہترین نمونہ کہے جاتے ہیں، اسلام لانے کے بعد انکی شعری قوت میں کمی نہیں آئی بلکہ یہ طاقت اسلام کے لئے استعمال ہوتے ہوتے زیادہ بڑھ گئی، مگر بھائیوں کی یاد انہیں تب بھی ستاتی رہی، پہلے اس لئے رلاتی کہ کس طرح ان کا بدلہ لیں اور اب اس لئے پریشان کرتی کہ ان کے بھائیوں کو اسلام کی دولت نصیب نہیں ہوئی، لیکن جب جنگ قادسیہ میں ان کے چار بیٹے یکے بعد دیگرے راہِ خدا میں جوانمردی دکھاتے ہوئے جام شہادت نوش کرنے لگے تو ان کو یہ شہادت

پر ابھارنے والی تھیں، اور شہادت کے بعد اجر وثواب کی امید بلکہ یقین میں ایسی ہمت سے کام لینے والے دکھائی دیں کہ اس میں بھی ان کی نظیر پیش کی جاتی ہے، سید استاذ احمد حسن زیات نے تاریخ الادب العربی میں ان کو ان کی شعری خصوصیات میں دونوں صنفوں کی شعری خصوصیات کا جامع قرار دیا ہے۔

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا جلیل القدر خواتین اسلام اور اولین مہاجرات میں ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دارالارقم میں داخل ہونے سے قبل ہی مشرف بہ اسلام ہوگئی تھیں، حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، حبشہ ان کے ساتھ ہجرت کی، اور عبداللہ، محمد اور عون تین صاحبزادے ان سے پیدا ہوئے، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ۷ھ میں ہجرت ثانیہ کر کے مدینہ منورہ آئیں، غزوۂ موتہ میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آگئیں، حرم شریف میں تھیں کہ حضرت محمد بن اَبی بکر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ انھیں واپس جانے کو کہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مرھا فلیغتسل ثم تھل بالحج" (ان سے کہو کہ غسل کرلیں اور احرام باندھ لیں) چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور حج پورا کیا، یہ حج حجۃ الوداع تھا۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو خود ان کو غسل دیا، پھر وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آگئیں، ان سے یحییٰ اور عون پیدا ہوئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد تک حیات رہیں۔ ان سے روایت کرنے والوں میں حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب اور پوتے حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق، بھانجے حضرت عبداللہ بن شداد اور سادات تابعین میں حضرت سعید بن المسیب، حضرت عروۃ بن الزبیر بن العوام، امام شعبی اور دوسرے لوگ ہیں۔

حضرت اسماء بنت یزید السکن رضی اللہ عنہا

حضرت اسماء بنت یزید بن السکن بن رافع بن امرؤ القیس بن زید بن عبد الاشہل الانصاریۃ الاشہلیۃ رضی اللہ عنہا، ام سلمہ اور ام عامر کنیت تھی، رسول اللہ ﷺ سے شرف بیعت رکھتی ہیں، غزوہ یرموک میں شجاعت کے جوہر دکھائے، رسول اللہ ﷺ سے روایات منقول ہیں، بعض روایات میں اسماء بنت شکل کا لفظ آیا ہے، علامہ ابن حجر نے تقریب التہذیب میں اسماء بنت شکل کا ترجمہ ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ الانصاریہ صحابیہ اور ان کو بنت یزید بن السکن کہا جاتا ہے، اپنے دادا کی طرف منسوب کر کے بنت السکن کہی جاتی ہیں، ان کے نام میں تصحیف ہوئی ہے۔(۱)

شمائل ترمذی میں امام ترمذی نے شہر بن حوشب سے حضرت اسماء بنت یزید السکن کی روایت لی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"کان کم قمیص رسول اللہ ﷺ إلی الرسغ"

رسول اللہ ﷺ کے کرتا کی آستین رسغ (یعنی اس جوڑ تک تھیں جو ہتھیلیوں اور کلائی کے مابین ہے۔(۲)

حضرت اسماء بنت السکن سے ان کے بھانجہ محمود بن عمرو الانصاری نے اور مولی مہاجر بن ابی مسلم اور شہر بن حوشب نے روایت لی ہے، حضرت اسماء بنت السکن کے کارناموں میں یرموک کی جنگ میں ان کی شجاعت کو ذکر کیا گیا ہے، بقول بیجوری یرموک میں نو کو قتل کیا اور رومیوں کی ایک جماعت کو قتل کیا ہے۔(۳)

---

(۱) تقریب التہذیب باب النساء (۲) شمائل ترمذی باب ماجاء فی لباس رسول اللہ ﷺ

(۳) شمامۃ العنبری شرح اردو شمائل ترمذی ص: ۲۷۷ از مولانا عبدالرشید مظاہری، مکتبہ فقیہ الامت سرائے میر

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا

حضرت ام عطیہ (نسیبہ بنت الحارث) رضی اللہ عنہا وہ قابل رشک خاتون ہیں جن کا شمار فقہاء صحابیات و محدثات میں ہوتا ہے، اور اپنی علمی خصوصیات کے ساتھ خدمت خلق کا بھی جذبہ رکھتی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی صاحبزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی تو انھوں نے غسل دیا، وہ وہ فرماتی تھیں کہ

"نهينا عن اتباع الجنائز"

(ہم خواتین کو جنازہ کے ساتھ چلنے سے روکا گیا ہے)

۶۰ھ کے بعد تک زندہ رہیں، ان سے دینی و علمی استفادہ کرنے والے حضرت محمد بن سیرین، ان کی بہن حفصہ بنت سیرین، ام شراحیل، عبدالملک بن عمیر جیسے حضرات ہیں۔(۱)

---

(۱) سیر أعلام النبلاء ۲/ ۳۱۸

حضرت ام سلیم بنت ملحان رضی اللہ عنہا

حضرت انس بن مالک خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ اور بنو نجار کی نہایت پاک سیرت اور اعلیٰ کردار کی خاتون ہیں، فاضل صحابیات میں شمار کیا گیا، اللہ نے دین کی بڑی سمجھ عطا فرمائی تھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بڑی قدر فرماتے تھے، پہلے مالک بن النضر کی زوجیت میں تھیں، ان ہی سے حضرت انس بن مالک ہیں، پھر حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں آئیں، ہوا یہ کہ ان کے شوہر مالک بن النضر کو ان کا ایمان لانا برا لگا، پھر وہ مزید برا لگا جب ان کو بیٹے انس بن مالک کو کلمہ لا الہ الا اللہ کی تلقین کرتے سنا، وہ حضرت انس کو جو کہ اس وقت بچے تھے تلقین کرتیں: "قل لا إله إلا الله، قل أشهد أن محمدا رسول الله" وہ ایسا ہی دہراتے، باپ مالک بن النضر نے ماں ام سلیم سے کہتے میرے بچے کو خراب نہ کرو، وہ اس پر فرماتیں، میں اسے خراب نہیں کر رہی ہوں، عجیب واقعہ یہ پیش آیا کہ شوہر مالک بن النضر کو باہر کسی دشمن سے سامنا ہوا اور وہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھے، نکاح کے پیغامات آنے لگے، وہ انکار کرتی رہیں، وہ کہتیں جب تک انس کا دودھ نہیں چھوٹے گا میں نکاح کرنے کو نہیں اور کہتیں جب تک انس نکاح کو نہیں کہے گا، دوسرا نکاح نہیں کروں گی، اتنے میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا پیغام آیا اور وہ ابھی اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے، اسے بھی قبول نہ کیا، اور کہا کہ میں ایمان لا چکی ہوں، آپ بھی ایمان لائیں تو پھر منظور ہے، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے یہ شرط منظور کر لی، اور

ایمان لے آئے، حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے مہر مال ومتاع کے بجائے اسی اسلام لانے کو قرار دیا، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

"فما كان لها مهرا إلا الإسلام"

(ان کا مہر قبول اسلام ہی تھا)(۱)

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے بڑے فضائل ومناقب ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لاتے، آرام فرماتے، اور وہ جو خاطر تواضع کرتیں اسے بڑی بشاشت وانشراح سے قبول فرماتے، اور دل جوئی کرتے، جب حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح ہوا، پھر بیٹے عبداللہ پیدا ہوئے تو اپنے بیٹے اور ان کے اخیافی بھائی حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، ان ہی عبداللہ کے فرزند عبداللہ (حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بھتیجے) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

"فقلت هذا أخي، فأخذه، فمضغ له تمرة فحكنه بها"

(میں نے عرض کیا یہ میرا بھائی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لیا اور اس کے خاطر کھجور چبایا پھر اس سے اس کی تحنیک فرمائی)(۲)

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے پہلے بچے کا مختصر علالت کے بعد انتقال ہوگیا تھا، اس وقت حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے خود حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو تسلی دی تھی کہ: "فإن ابنك كان عارية من الله فقبضه" حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "فاسترجع وحمد الله" کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ انا للہ پڑھا اور اللہ کی تعریف بیان کی۔

پھر یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی، فرمایا: "بارك الله لكما في ليلتكما" چنانچہ وہ حاملہ

---

(۱) سیر أعلام النبلاء ۲/۳۰۶ (۲) ایضا ۲/۳۱۰

ہوئیں اور حضرت عبداللہ بن طلحہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔(۱)

عبداللہ نام بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا، اور دعا کا ظہور اور متعدی ہوا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بڑے اور مکرم اور صاحب اولاد ہوئے، عبایہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ کے سات لڑکے دیکھے، سب حافظ قرآن تھے، حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کا ایثار و مواسات اور مہمان نوازی کا وہ واقعہ بھی مشہور ہے، جب ان دونوں نے مہمان کے خاطر بھوکا رہنا گوارہ کیا، لیکن یہ پسند نہ کیا کہ مہمان محسوس کرے کہ کھانا کم تھا، اور گھر والے ہی محروم رہ گئے، سب سے بڑے کر ان کا اپنے لاڈلے فرزند حضرت انس رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے وقف کرنا ان کی مقبولیت عنداللہ کی کھلی دلیل ہے۔

---

(۱) ایضا

حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا

حضرت ام عمارہ (نسیبہ بنت کعب) رضی اللہ عنہا بڑی فاضل مجاہد خزرجی خاتون ہیں، ان کے بھائی عبداللہ المازنی رضی اللہ عنہ بدر میں شریک تھے اور ایک بھائی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ خوف خدا میں بہت زیادہ رونے والے صحابی تھے، حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا شب عقبہ میں موجودہ تھیں، احد، حدیبیہ، حنین، یمامہ میں بھی موجود رہیں، جہاد میں حصہ لیا اور کارنامے انجام دیئے، احد میں حصہ لیا، زخمی ہوئیں، بارہ زخم لگے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد میں ان کی خدمات دیکھ کر ان کی تعریف فرمائی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زخمیوں کی پٹی کر رہی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں لے رہی تھیں، ان کا ہاتھ جنگ یمامہ میں شہید ہوا، جو مسیلمہ کذاب کے خلاف تحفظ ختم نبوت کی کفر و ایمان کی فیصلہ کن جنگ تھی۔

حضرت ام ایمن (الحبشیہ) رضی اللہ عنہا

آغوش اسلام میں آنے والے عرب وعجم، ابیض واسود سبھی تھے، حبش وسوڈان کے لوگ غیر ابیض نسل کے ہیں، حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کا تعلق حبش سے تھا، لیکن وہ حجاز میں مقیم تھیں، اور حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب (والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی باندی تھیں، حضرت آمنہ بنت وہب (والدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کرتی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کا بڑا خیال فرماتے تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ سفر مدینہ منورہ واپس مکہ مکرمہ ہو رہے تھے تو مقام ابواء میں والدہ ماجدہ کی رحلت کا واقعہ پیش آ گیا، ڈھارس دینے والی اس وقت یہی خاتون حضرت ام ایمن تھیں، اولین مہاجر خواتین میں شمار ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو پھر حضرت ام ایمن کو آزاد کر دیا، پھر جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے ختم ہوا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح خود فرمایا، جس کا قرآن مجید نے تذکرہ کیا ہے اور حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب پر ہوا۔

حضرت فضیل بن مرزوق حضرت سفیان بن عقبہ سے روایت کرتے ہیں:

"كانت أم أيمن تُلطِفُ النبيَّ صلى الله عليه وسلم وتقوم عليه، فقال: من سرّه أن يتزوج إمرأة من أهل الجنة فليتزوج أم أيمن"(۱)

امام ذہبی کہتے ہیں:

"كانت من المهاجرات الأول، اسمها بركة، وقد تزوجها عبيد بن الحارث الخزرجي فولدت له أيمن، ولأيمن هجرة وجهاد، استشهد يوم حنين، ثم تزوجها زيد بن حارثه، ليالي بعث النبي صلى الله عليه وسلم فولدت له أسامه بن زيد حِبّ رسول الله صلى الله عليه وسلم"(۲)

اس طرح ایک ہی گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص تعلق والے جمع ہو گئے، کیا ہی مبارک یہ گھر اور خاندان ہے۔

(۱) سیر أعلام النبلاء ۲/۲۲۴ (۲) ایضا

حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا

حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا بنونجار کی خاتون ہیں، حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ اور بڑی بلند سیرت و کردار کی بی بی تھیں، حضرت ام سلیم کی بہن ہیں، اس طرح حضرت انس بن مالک خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی خالہ ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں روایت کی ہیں، ان سے وہ روایات زیادہ تر حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔

ایک امتیاز انھیں اور ان کی بہن حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا اور بھانجے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ حاصل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر نماز پڑھائی اور ان تینوں سے ساتھ نماز پڑھنے کو کہا۔(۱)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ان کی حق میں قبول ہوئی کہ انھوں نے غزوۂ بحر کیا اور بحر سے نکلنے پر جب سواری پر سوار ہونے لگیں تو گر پڑیں اور شہید ہو گئیں، ذہبی کہتے ہیں:

"کہا جاتا ہے کہ یہ غزوہ قبرص تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پیش آیا۔"(۲)

---

(۱) سیر أعلام النبلاء ۲/۳۱۶ (۲) ایضاً ۲/۳۱۷

حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا

قریش کی نامور اور دلیر خاتون

حضرت ام معاویہ ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف رضی اللہ عنہا ان خوش نصیب خواتین میں ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں سے انہیں شدید عداوت کے بعد ان سے محبت وصداقت اور ایمان ویقین کی دولت حاصل ہوئی، ان کے اس شرف کو شمس العلماء علامہ شبلی نعمانیؒ نے اپنے سحر نگار قلم سے یوں بیان کیا ہے:

"ہند ابوسفیان کی بیوی، جس نے حضرت حمزہؓ کا سینہ چاک کیا، اور دل وجگر کے ٹکڑے کیے، فتح مکہ کے دن نقاب پوش آئیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہچان نہ سکیں، اور بے خبری میں بیعت اسلام کر کے سند امان حاصل کرلیں۔"(۱)

بیعت کا واقعہ کتب تفسیر وحدیث وسیرت میں تفصیل سے موجود ہے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے اپنی کتاب "السیرۃ النبویۃ" میں بھی بیان کیا ہے، ان کے بھتیجے مولانا سید محمد الحسنیؒ کے سحر نگار قلم سے اس کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے بیعت لی، ان میں ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ بھی تھیں، وہ نقاب میں تھیں اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ انہوں نے جو کچھ کیا تھا، اس کی وجہ سے اپنے کو ظاہر کرنا

---

(۱) سیرۃ النبی: ۲/۲۸۷

نہیں چاہتی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس پر مجھ سے بیعت کرو کہ ''اللہ کے ساتھ تم کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ گی''، ہند نے کہا: خدا کی قسم! آپ ﷺ ہم سے وہ اقرار لے رہے ہیں جو آپ نے مردوں سے نہیں لیا ہے۔ ''اور چوری نہ کروگی'' ہند نے پھر کہا کہ میں نے ابو سفیان کے مال سے اکثر تھوڑا تھوڑا لیا ہے، میں نہیں جانتی تھی کہ ایسا کرنا حلال ہے یا حرام، ابوسفیان نے یہ سن کر جو اس وقت موجود تھے کہا کہ جہاں تک گذشتہ کا تعلق ہے، تم اس سے آزاد ہو، وہ تمہارے لیے حلال ہے، اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اچھا تم عتبہ کی بیٹی ہند ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں، آپ ﷺ جو کچھ گزشتہ قصور سرزد ہوئے ہیں ان کو معاف کریں، اللہ تعالیٰ آپ کو معاف کرے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اور زنا نہ کروگی'' اس نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا کوئی شریف عورت بھی زنا کرسکتی ہے؟

اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اپنی اولاد کو قتل نہ کروگی'' یہ سن کر انہوں نے کہا: جب تک وہ بچے رہے ہم نے انہیں پالا، جب بڑے ہوئے تو آپ ﷺ نے انہیں قتل کیا، اب آپ جانیں اور وہ جانیں!

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ ''کوئی کھلا ہوا بہتان نہ باندھوگی'' ہند نے کہا: بخدا! بہتان تراشی بہت معیوب اور قبیح بات ہے، اور بعض مواقع پر چشم پوشی اور درگذر زیادہ بہتر ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''اور میری نافرمانی نہ کروگی'' اس نے کہا: ہاں اچھی باتوں میں۔''(۱)

علامہ شبلی نعمانی نے صحیح بخاری کتاب الفضائل ذکر ہند کے حوالہ سے سیرت النبی

---

(۱) نبی رحمت: ۴۵۲-۴۵۱

میں ان کی انقلاب انگیز ایمانی تبدیلی کا تذکرہ جو بیعت کے بعد کا حال تھا، اس طرح کیا ہے:

"آنحضرت ﷺ نے ہند کو پہچان لیا لیکن اس واقعہ کا ذکر تک نہ فرمایا، ہند اس کرشمۂ اعجاز سے متاثر ہو کر بے اختیار بول اٹھی، یا رسول اللہ! آپ کے خیمہ سے مبغوض تر خیمہ کوئی میری نگاہ میں نہ تھا، لیکن آج آپ کے خیمہ سے کوئی زیادہ محبوب خیمہ میری نگاہ میں دوسرا نہیں۔"(۱)

بیعت کے وقت حضرت ہند بنت عتبہؓ (والدہ حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ) کا لب ولہجہ اگرچہ شکوہ وشکایت، اشکال واعتراض اور کچھ تردد اور بے یقینی کا تھا، مگر عمل بیعت کے پورے ہوتے ہوئے ان کا دل ایمان ویقین سے معمور ہو چکا تھا، اگرچہ انہوں نے اس موقع پر بھی بڑی دیدہ دلیری دکھائی تھی مگر حضور خاتم النبیین رحمۃ للعالمین ﷺ کے حلم وصبر اور درگذر کی انتہائی مثال سامنے آنے کے لیے اس کی بھی ضرورت تھی، مولانا سعید انصاری مرحوم رفیق دارالمصنفین اعظم گڑھ نے بھی بخاری کا حوالہ لیا ہے اور بلیغ انداز میں اس نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"آنحضرت ﷺ نے ہند سے درگذر فرمایا، ہند کے قلب پر اس کا بہت اثر ہوا، اور ان کے دل نے اندر سے گواہی دی کہ آپ سچے پیغمبر ہیں، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! اس سے پہلے آپ ﷺ کے خیمہ سے زیادہ میرے نزدیک کوئی مبغوض خیمہ نہ تھا، لیکن اب آپ کے خیمہ سے زیادہ کوئی محبوب خیمہ میرے نزدیک نہیں ہے۔"(۲)(۳)

علامہ ابن حجر کی "الاصابہ" کے حوالہ سے وہ لکھتے ہیں:

"حضرت ہند مسلمان ہو کر گھر گئیں، تو وہ ہند نہ تھیں، ابن سعد نے

---

(۱) سیرۃ النبی: ۱/ ۲۸۷ (۲) سیر الصحابیات: ۱۹۷-۱۸۲ دارالمصنفین اعظم گڑھ

(۳) یہی بیعت حضرت عمرو بن العاصؓ کی بھی تذکرہ نگاروں نے لکھی ہے، یہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت تھی کہ بیعت کے ساتھ تزکیہ ہو جاتا ہے، واسطوں سے زمانی بُعد وتاخیر باعث استعجاب نہیں ہے۔

لکھا ہے کہ انہوں نے گھر جا کر بت توڑ ڈالا اور کہا کہ ہم تیری طرف سے دھوکہ میں تھے۔"(۱)

صاحب "اسد الغابہ" نے ان کے اسلام کو اچھا اسلام قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ

"أسلمت يوم الفتح وحسن اسلامها"(۲)

حضرت ہند بڑی خود دار اور صاحب فہم اور صاف کردار خاتون تھیں، صاحب "اسد الغابہ" لکھتے ہیں:

"كانت امرأة لها نفس وأنفسة ورأي وعقل" (۳)

(ان میں عزت نفس، غیرت، رائے وتدبیر اور دانش مندی پائی جاتی تھی)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں وفات پائی، حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حیات تھیں مگر پھر کسی کی زوجیت میں نہیں گئیں، حضرت معاویہؓ کے سامنے کوئی پیغام کی بات آئی تو فرمایا: انہیں اب نکاح کی ضرورت نہیں ہے۔

(۱)الاصابة: ۸/۲۰٦ (۲)أسد الغابة: ۵/۵٦۲ (۳)أسد الغابة: ۵/۵٦۲